بسم اللہ الرحمن الرحیم
ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر
اکرم التفاسیر
قد افلح
الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی
18

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر
اکرم التفاسیر
قد افلح
الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی
18

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی سمجھنے میں انتہائی آسان، فرقہ پرستی سے پاک اور موجودہ زمانہ کے مطابق لکھی ہوئی قرآن اردو تفسیر وٹس ایپ پر فری حاصل کریں۔

یاد رکھیں گناہ جہالت کا پھل ہوتا ہے اور یہ بڑی شرم اور بدبختی کی بات ہے اگر ہم ساری زندگی میں اتنا بھی نہ جان سکیں کہ قرآن میں لکھا کیا ہے۔ لیکن اب آپ کے پاس آسان طریقہ موجود ہے۔ قرآن کی تفسیر ہر وقت آپ کی جیب میں ہوگی اور آپ کو جب بھی دن میں فارغ وقت جہاں بھی حاصل ہو آپ کچھ صفحے روزانہ پڑھتے رہیں اس طرح کچھ ہی وقت میں آپ پورے قرآن کی تفسیر سمجھ سکتے ہیں جس سے آپ کے ہزاروں عقائد و اعمال کی اصلاح ہو کر شریعت کے مطابق ہو جائیں گے اور آپ کی دنیا اور آخرت دونوں جہاں بہترین ہو جائیں گے۔ ہر پارہ کی علیحدہ علیحدہ تفسیر موجود ہے۔

www.QuranTafseer.net

0092 323 520 5255

اپنے وٹس ایپ سے اوپر دیئے گے نمبر پر میسج کریں کہ آپ کو لکھی ہوئی تفسیر چاہیے۔ جبکہ ویب سائیٹ سے بھی آپ یہی تفسیر آڈیو، وڈیو اور تحریر کردہ حاصل کر سکتے ہیں۔

اپنے دوستوں رشتہ داروں سے یہ پوسٹ شئیر کر کے ڈھیروں ثواب حاصل کریں

# از دلِ خیزد بردلِ ریزد

اکثر احباب سوچتے ہوں گے اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے لکھنے کی کیا ضرورت تھی ؟ اس بارے میں عرض کردوں کہ نہ تو خود شنائی کی پہلے کوئی تمنا تھی نہ اب ہے اور نہ ان شاء اللہ آئندہ ہوگی۔ نہ ہی یہ خیال دل میں آیا کہ مجھے کوئی بڑا عالم یا مفتی یا مفسرِ قرآن کہے نہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر کبھی اپنا وقت قربان کیا۔ ہاں! یہ خواہش ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور استاد المکرم حضرت مولانا اللہ یار خان علیہ الرحمۃ صاحب کی خصوصی توجہ سے جو علوم و معارف عطا فرمائے انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق تک پہنچاؤں اور اپنا فریضہ ادا کروں۔

ایک اور بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنے وقتِ نزول سے تا حال اور آئندہ تا قیامت بلکہ اس سے بھی آگے حساب و کتاب' جنت و دوزخ کی بات کرتا ہے اور تمام انسانیت کو راہنمائی اور ہدایت فراہم کرتا آیا ہے اور ان شاء اللہ کرتا رہے گا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں' قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اب اس کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول اور نہ ہی کوئی کتاب یا صحیفہ اس لیے کہ تمام مخلوق کے مسائل کا حل اس میں موجود ہے۔ ہر زمانے کے لوگ اپنے اپنے حالات کے مطابق استفادہ کرتے آئے ہیں' آئندہ بھی کرتے رہیں گے اور یہ خصوصیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے کلام ہی کی ہو سکتی ہے۔ پہلے وقتوں میں آج کی طرح نقل و حمل و رسل و رسائل کے مواقع اتنے نہیں تھے اس لیے ایک سے دوسری جگہ علوم و ایجادات پہنچنے میں سالہا سال لگ جاتے تھے۔

زمانہ حال کی جدید ایجادات اور خصوصاً الیکٹرانک ایجادات نے تو پوری دنیا کو ایک گھر کی صورت میں یکجا کر دیا یعنی Global Village اور سالوں کی مسافت سمٹ کر سیکنڈ کے ہزارویں حصہ تک آ گئی ہے اس لیے زمانے اور وقت کی رفتار بھی اتنی ہی تیزی سے تبدیل ہو

رہی ہے۔ آنے والے وقتوں میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوں گی، ان کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پر ایمان لانے والوں میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ خصوصاً جدید علوم کے ماہرین اور سائنسدانوں کی کثیر تعداد اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو رہی ہے اور یورپ میں تو بہت ہی اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔

بات کہاں سے کہاں تک چلی گئی! بات تو ہو رہی تھی اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے منظر عام پر آنے کی لہٰذا اسرار التنزیل کی اپنی ایک افادیت ہے۔ یہ 1971ء کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی معیت میں اپنے گھر کی حاضری کا شرف بخشا جس میں ساتھیوں کی کثیر تعداد بھی مقامِ ملتزم پر حاضر تھی۔ جس دربار سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا' عطا و کرم کی اس بارش میں اہلِ بصیرت نے دیکھا کہ فہمِ قرآن کا پیغام قلب پر وجدان کی صورت میں نازل ہوا۔ اسی پیغام کو اہل دل کی امانت سمجھتے ہوئے سپردِ قلم کر دیا کہ شاید اپنے اہل تک پہنچ جائے۔

اسرار التنزیل کا انداز عام فہم اور اجمالی ہے جبکہ اکرم التفاسیر میں حالاتِ حاضرہ کے مطابق ذرا بحث کو وسیع کیا گیا ہے۔ یہ بات اہلِ علم پر عیاں ہے اور پڑھنے والوں کے لیے رشد و ہدایت کا موجب بنے گی۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے' نجاتِ اخروی کا سبب بنائے اور رضائے الٰہی نصیب فرمائے (آمین)

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

امیر محمد اکرم
مولانا محمد اکرم اعوان
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ
دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

# امیر المکرم بحیثیت مفکرِ قرآن

یہ اعجازِ قرآن ہے کہ بدلتے ہوئے حالات و واقعات اور علوم میں ارتقاء کے باعث مفسرینِ کرام قرآنی علوم کی وہ جہتیں بھی آشکار کر رہے ہیں جو پہلے مفسرین کی نگاہوں سے اوجھل رہیں۔ اگر یہ قرآن وحدیث کی معین کردہ حدود کے اندر اور اللہ کے دین اور شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں تو یہ بھی آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کا ہی پرتو ہے جو بطور علم لدُنّی ان علمائے ربانی کو عطا ہوئے۔ امیر المکرم کے خطابات سے ماخوذ اکرم التفاسیر بھی فی زمانہ حالات و واقعات اور علوم جدیدہ کا احاطہ کرتے ہوئے علم لدُنّی کی ایسی روشن مثال ہے جس میں نہ صرف علوم مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیاء نظر آتی ہے بلکہ برکاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قلوب کو تحریک بخشتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔

قرآن کے مضامین میں اس قدر وسعت اور تنوع ہے کہ ان کی کسی فہرست کو حتمی قرار دینا ممکن ہی نہیں لیکن قرآن حکیم کا ہر مضمون ایک نظریہ اور فکر کی بات کرتا ہے۔ امیر المکرم سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ قران میں کثرت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ نظر آتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ موسیٰ اور فرعون ہر زمانہ، ہر دور اور ہر معاشرے کے دو مرکزی کردار بھی ہیں جن کے مابین حق و باطل کا معرکہ مسلسل بپا ہے اور قرآن میں جا بجا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے حوالے سے حق و باطل کے اسی معرکے کا تذکرہ ہے۔ حق و باطل کا یہی معرکہ قرآن کا مرکزی مضمون ہے۔ گرانقدر علمی مباحث قرآن کی معروف تفاسیر کی زینت تو نظر آتے ہیں لیکن قرآن کے اس مرکزی مضمون یا بالفاظ دیگر "فکرِ قرآنی" پر بہت کم بات کی گئی۔

دشمنانِ اسلام آج کھل کر قرآن کی مخالفت پر تل گئے اور اس کے پیغام کو دبانے کے

لیے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں لیکن کیا وہ قرآن کے عائلی قوانین سے خائف ہیں، قانون وراثت سے پریشان ہیں، جنت و دوزخ یا ثواب و عذاب سے گھبرا رہے ہیں؟ نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کفار کا تو ان پر ایمان ہی نہیں۔ آج ساری کی ساری طاغوتی قوتیں اس قرآنی فکر سے لرزہ براندام ہیں جو دائمی غلبہ حق کی نوید دیتی ہے اور امیر المکرم اسی قرآنی فکر کے نقیب ہیں۔ اکرم التفاسیر میں آپ نے اسی فکرِ قرآنی کو اجاگر کیا ہے' جو اس تفسیر کا طرہ امتیاز ہے۔

امیر المکرم کفار کے لیے اللہ تعالیٰ کے اٹل قانون قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ کی روشنی میں طاغوتی قوتوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ تمہارے لیے دائمی شکست کا فیصلہ فرما دیا گیا ہے اور ذلت و رسوائی تمہارا مقدر ہے۔ غلبۂ حق کو روکنا اب تمہارے بس کی بات نہیں۔ اپنے خطابات میں آپ بکھری ہوئی ملت کو دعوت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ آؤ پھر کسی یکتائی سے عہد غلامی کرلو۔ تمہاری ذمہ داری کوئی ایک معاشرہ، قوم یا ملک نہیں بلکہ پوری انسانیت ہے۔ قرآن نے انقلاب دشمن سازشوں سے آگاہ کرتے ہوئے یہود کی طویل فردِ جرم بیان کی ہے جس میں انبیاء علیہم السلام سمیت اہلِ حق کے قتل کے جرائم بھی ہیں۔ امیر المکرم نے قرآنی فرمودات کی روشنی میں عالمی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے عصرِ حاضر میں یہود کے سازشی کردار کو اس طرح بے نقاب کیا ہے کہ صیہونیت صرف عالمِ اسلام ہی کی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی دشمن نظر آتی ہے۔

یہ دور اسی فکرِ قرآنی کی پہچان کا دور ہے اور امیر المکرم نے بھرپور انداز میں اسے اجاگر کیا ہے۔ کفر اپنے لیے اس خطرے کو اس حد تک پہچان چکا ہے کہ عملی اقدام پر اتر آیا ہے لیکن حضرت امیر المکرم قرآن کی روشنی میں حالات و واقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے غزوۃ الہند کی نوید دے رہے ہیں۔ آپ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 12 کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''کفار کے لیے یہ آیۂ کریمہ قیامت تک کے لیے نوید شکست ہے اور میں بڑی بے باکی سے کہتا ہوں، پورے یقین، پورے ایمان سے منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بیٹھ کر کہہ رہا ہوں کہ دنیا کی کافر سپر طاقتیں پھر شکست سے دوچار ہوں گی اور ان شاء اللہ پھر غلبۂ اسلام ہوگا۔''

چونکہ تفسیر کا انداز بیانیہ ہے، تو امیر المکرم کے زوردار اندازِ بیان میں فکرِ قرآنی جب قاری تک پہنچتی ہے تو اس کے دل میں ایک تحریک بپا کر دیتی ہے، یہاں تک کہ اسے آنے والے انقلاب کی چاپ سنائی دینے لگتی ہے۔

امیر المکرم نے فکرِ قرآنی کی بات کرتے ہوئے امت میں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت پھیلائی گئی اس غلط فہمی کو بھی دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ حالات کو بدلنے کے لیے کسی امام مہدی کا انتظار کیا جائے۔ یہ موہوم امید افیون سے کم نہیں جس نے امت کو سلا دیا کہ اب کفر سے نبٹنا ہمارے بس کی بات نہیں اور یہ کام امام مہدی ہی کریں گے۔ حضرت کے خطبات بے عملی کی اس کیفیت سے بیداری کا پیغام ہیں کہ اُمت پہ ابھی بے بسی کا دور نہیں آیا۔ ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ ہے اور ہر فرد کو امام مہدی کا کردار ادا کرنا ہوگا۔ امیر المکرم امام مہدی کی آمد کی بجائے غلبۂ حق کو بہت قریب دیکھ رہے ہیں۔ یہی قرآنی فکر ہے جو ہر عہد میں حق و باطل کے معرکے کو مہمیز کرتی ہے، جو ہر دور میں خونِ مسلم کو گرم اور اُمتِ مسلمہ کو متحرک رکھتی ہے۔

امیر المکرم نے اکرم التفاسیر میں یہ فکر اس قدر نمایاں طور پر پیش کی ہے کہ وہ مفسرِ قرآن سے آگے مفکرِ قران نظر آتے ہیں اور یاد رہے! ہر انقلاب کے پیچھے کوئی مفکر ہوتا ہے۔

چھ جلدوں پر محیط تفسیر ''اسرار التنزیل'' کے حوالے سے امیر المکرم کی پہچان بطور مفسرِ قرآن تو مسلمہ ہے لیکن اب ''اکرم التفاسیر'' کی صورت آپ نے جس طرح قرآنی فکر کو اجاگر کیا ہے، آپ کا تعارف بطور ''مفکرِ قرآن'' حاوی نظر آتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مفکرِ قرآن امیر المکرم کو صحت اور عمر دراز عطا فرمائے کہ یہ بیانیہ تفسیر نہ صرف مکمل ہو بلکہ آپ انقلاب بپا ہوتا ہوا بھی دیکھیں۔

ابوالاحمدین

ابوالاحمدین

# فہرست مندرجات

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (البقرہ:32)

مَولَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِكَ مَنْ زَانَتْ بِهِ الْعُصُرُوا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

# پارہ 18 قد افلح

## سورۃ المومنون رکوع 1 آیات 1 تا 22

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ﴿۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ﴿۴﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ﴿۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۘ﴿۹﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۚ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۪﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ؕ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ؕ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۚ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ

نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾

بے شک ایمان والے کامیاب ہوئے۔ جو اپنی نماز میں عجز و نیاز کرنے والے ہیں ﴿۲﴾ اور جو بیہودہ باتوں سے منہ موڑے رہتے ہیں ﴿۳﴾ اور جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ﴿۴﴾ اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ﴿۵﴾ مگر اپنی بیویوں یا کنیزوں سے (مباشرت کرنے میں) پس یقیناً (اس میں) ان پر کوئی الزام نہیں ﴿۶﴾ پھر جو اس کے علاوہ (اس کام کا) طلب گار ہو سو ایسے لوگ حد (شرعی) سے نکلنے والے ہیں ﴿۷﴾ اور جو لوگ اپنی (سپرد کی گئی) امانتوں اور اپنے وعدوں کا خیال رکھتے ہیں ﴿۸﴾ اور جو لوگ اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں ﴿۹﴾ یہی لوگ وارث ہیں ﴿۱۰﴾ جو فردوس کے وارث ہوں گے (اور) وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۱۱﴾ اور بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ (غذا اور سیل) سے بنایا ﴿۱۲﴾ پھر ہم نے اس کو نطفہ بنایا جو ایک مقرر (مدت تک) مقام (رحمِ مادر) میں رہا ﴿۱۳﴾ پھر ہم نے اُس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا پھر اس خون کے لوتھڑے کو (گوشت کی) بوٹی بنا دیا پھر ہم نے اس بوٹی (کے بعض اجزا) کو ہڈیاں بنا دیا پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر ہم نے (اس میں روح ڈال کر) اس کو ایک دوسری ہی طرح کی مخلوق بنا دیا۔ تو بڑے ہی بابرکت ہیں اللہ جو سب سے بہتر بنانے والے ہیں ﴿۱۴﴾ پھر یقیناً اس کے بعد تم مرجاتے ہو ﴿۱۵﴾ پھر یقیناً قیامت کے روز اٹھا کھڑے کیے جاؤ گے ﴿۱۶﴾ اور بے شک ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے اور ہم مخلوق سے بے خبر نہ تھے ﴿۱۷﴾ اور ہم نے آسمان سے مناسب مقدار میں پانی برسایا پھر ہم نے اس کو زمین میں ٹھہرایا اور ہم اس

(پانی) کے نابود کردینے پر (بھی) قادر ہیں ﴿۱۸﴾ پھر ہم نے اس میں تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغات بنائے ان میں تمہارے لیے بکثرت پھل بھی ہیں اور تم ان میں سے کھاتے بھی ہو ﴿۱۹﴾ اور (اسی پانی سے) ایک (زیتون کا) درخت بھی (ہم نے پیدا فرمایا) جوطُور سِینا میں (بکثرت) پیدا ہوتا ہے جو اُگتا ہے تیل لیے ہوئے اور کھانے والوں کے لیے سالن لیے ہوئے ﴿۲۰﴾ اور بے شک تمہارے لیے مویشیوں میں بھی غور کرنے کا مقام ہے کہ جو ان کے پیٹوں میں ہے اس میں سے ہم تم کو (دودھ) پلاتے ہیں اور تمہارے لیے ان میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور تم ان میں سے (بعض کو) کھاتے بھی ہو ﴿۲۱﴾ اور ان پر اور کشتی (بحری جہاز) پر تم سوار ہوتے ہو ﴿۲۲﴾

# تفسیر و معارف

سورۂ مومنون مکی سورتوں میں سے ہے۔ اس میں 6 رکوع اور ایک سو اٹھارہ آیات ہیں۔ اٹھارویں پارہ کی ابتدا اسی سورۂ مبارکہ سے ہوتی ہے۔

مکی سورتیں عقائد پر بحث کرتی ہیں جبکہ مدنی سورتوں میں احکام اور ان کی وضاحت ملتی ہے۔ احکام مکی سورتوں میں بھی ہیں لیکن زیادہ بحث عقائد و نظریات پر ہے۔ اس سے پہلے سورۂ حج میں ایمان اور صالح اعمال کی جو بات چل رہی تھی، اسی کو اس سورۂ مبارکہ میں آگے بڑھایا گیا ہے۔

فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بے شک ایمان والے کامیاب ہوئے۔ عربی کا قاعدہ ہے کہ جو کام مستقبل میں ہونے والا ہو، بہت یقینی ہو کہ ایسا ضرور ہو گا تو اس کے لیے ماضی کا صیغہ استعمال کرتے ہیں کہ ایسا تو ہو چکا۔ ابھی تو کاروبارِ دنیا چل رہا ہے۔ ایمان والے بھی اس میں ہیں، بغیر ایمان کے بھی ہیں۔ جو دنیا سے چلے گئے، وہ برزخ میں ہیں۔ قیامت قائم ہو گی، اس کے بعد جنت میں داخلہ ہو گا لیکن یہاں ارشادِ باری ہے کہ ایمان والے کامیاب ہو چکے، انہوں نے مکمل طور پر کامیابی پالی۔ یہ اس درجہ یقینی، قطعی بات ہے کہ ایسا ہر صورت، بالضرور ہو گا اس لیے صیغۂ ماضی استعمال کیا گیا۔ فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ ۔۔۔ کہ مومن تو کامیابی پا بھی چکے، فلاح پا چکے۔

فلاح کا اردو ترجمہ 'کامیابی' ہی لکھا جاتا ہے۔ ایسا اس لیے ہے کہ اردو کا دامن عربی جیسی فصیح زبان کے

مقابلے میں بہت تنگ ہے۔ سارے اردو مترجم 'فلاح' کا ترجمہ 'کامیابی' ہی کرتے ہیں جبکہ 'فلاح' عربی میں ایسی کامیابی کو کہا جاتا ہے جو ہر پہلو سے ہو، کلّی طور پر کامیابی ہو، ہر میدان، تمام شعبہ ہائے زندگی (خواہ وہ دنیا کی ہو یا آخرت کی) میں کامیابی ہو۔ دنیوی زندگی میں خواہ صحت ہو یا بیماری، خاندانی و ذاتی امور ہوں یا قومی اور بین الاقوامی معاملات۔ پھر مرنے سے لے کر بعد الموت برزخ میں، میدانِ حشر میں اور بالآخر جنت میں داخلے تک کامیابی ہی کامیابی ہے۔ یہ ہے 'فلاح'۔

فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ ایمان لانے والے مکمل اور کلّی کامیابی پا چکے، یہ ایمان ہے کیا جس کی وجہ سے لوگ کامیاب ہو جاتے ہیں؟ ایمان بظاہر تو ہے اللہ کی توحید کا اقرار، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار، قرآن کی حقانیت، قیامت، فرشتوں کا، آخرت کا اقرار۔ یہ سب ضروریات دین ہیں اور ضروریاتِ دین کا اقرار ایمان ہے۔ کوئی بھی شخص جو پہلے ایمان سے محروم ہو یا کسی غلط اور گمراہ فرقے میں ہو، جب وہ کہہ دیتا ہے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) تو وہ صاحبِ ایمان ہو جاتا ہے، کفر کی ساری ظلمتیں اس پر سے دُھل جاتی ہیں۔ اسے مسلمان کا درجہ مل جاتا ہے، اسے مسلمانوں والے سارے حقوق حاصل ہو جاتے ہیں۔ اس پر ایک مسلمان کی تمام ذمہ داریاں عائد ہو جاتی ہیں۔ تمام فرائض، واجبات اور سنتیں ادا کرنے کا پابند ہو جاتا ہے لیکن یہ زبانی اقرار ہے، یہ صورتِ ایمان ہے۔۔۔ حقیقت ایمان اس سے کچھ بڑھ کر ہے۔ اس کی وضاحت یوں ہے کہ اگر کسی نے کہہ دیا کہ میں مسلمان ہوں اور کلمہ طیبہ پڑھ لیا۔ اس پر اسلام کے تمام ظاہری احکام یعنی شریعت نافذ ہو جائے گی لیکن نتائج اس ظاہر پر مرتب نہیں ہوں گے۔ نتائج مرتب ہوں گے ایمان کی اس کیفیت پر جو دل میں واقع ہے کہ جب کہہ دیا کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو پھر سوائے اللہ کے، کسی اور کے آگے نہیں جھکنا، کسی اور سے اپنی امیدیں وابستہ نہیں کرنی، کسی اور کو اپنا حاجت روا نہیں سمجھنا۔ زندگی موت، صحت، بیماری، تنگی فراخی، گویا بندے کے تمام معاملات، اس کے اللہ کے ساتھ ہوں۔ ایمان کی یہ کیفیت دل پر وارد ہوتی ہے۔ تمام ضروریاتِ دین پر ایمان، اس کے مسلمان ہونے کی حیثیت سے تمام فرائض و واجبات پر عمل دل میں آنے والی یہی کیفیت ہی کرواتی ہے۔

دنیوی امور کا محرک بھی دلی کیفیت ہی ہوتی ہے۔ جیسے غصہ ہے۔ اگر کوئی لفظ غصہ کو محض زبان سے دہراتا رہے تو اس لفظ کی کیفیت اس کے دل میں نہیں آتی لیکن وہ کسی شخص سے لڑ پڑے تو اس کے اندر غضب کی ایک کیفیت پیدا ہوگی اس کی بدخواہی کرنے لگ جائے گا۔ ہر وقت تاک میں رہے گا کہ کہیں قابو آ جائے۔ اس سب کی وجہ غصہ کی کیفیت ہوتی ہے، وہ ناراضگی ہوتی ہے جو اسے اُس شخص سے ہوتی ہے۔ اسی طرح کوئی کسی سے بہت خوش ہوتا ہے تو اس سے پیار کرتا ہے۔ یہ دلی کیفیت ہی ہوتی ہے کہ جب کسی سے بہت خوش ہوتے ہیں تو اس سے پیار کرتے ہیں اس

کی بھلائی چاہتے ہیں، اس کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔اس کا مطلب ہے کہ پیار کرنے والے کے دل میں موجود پیار کی یہ کیفیت اس سے یہ کرواتی ہے۔

اسی طرح ایمان ایک قلبی کیفیت کا نام ہے۔حقیقتِ ایمان یہ ہے کہ مومن کے دل میں ایک کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو اسے اللہ کریم سے وابستہ کر دیتی ہے۔اب اللہ کریم سے وابستگی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ انسان چاہے کہ اس کا اللہ اس سے راضی رہے۔انسان سوچے کہ اُس کا اللہ اُس سے کس طرح راضی ہے؟اس سے مانگنے کا سلیقہ کیا ہے؟اس کی اطاعت کن امور میں ہے اور کون سے امور اسے اللہ کے دائرہ اطاعت سے باہر کر دیں گے۔اب یہ سارے امور، یہ سارے سلیقے بندۂ مومن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے سیکھنے ہیں یعنی ایمان باللہ کی پہلی ضرورت اطاعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ہے۔یہ دلیلِ ایمان ہے کہ بندۂ مومن ہر بات بارگاہِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے پوچھتا ہے، میں اب کیا کروں اور کیسے کروں؟ یہ سب کیفیات جو دل میں پیدا ہو جاتی ہیں، انہی کو تصوف کہتے ہیں۔بعض حضرات نے یہ جو تنقید صوفیائے کرام پر کی ہے اور ان پر فتوے لگائے ہیں، دراصل اُن تک اُن نقلی اور جعلی پیروں کے حالات پہنچے ہیں جو تصوف کے نام پر لوگوں کو لوٹتے ہیں۔یعنی نقلی صوفیاء کی وجہ سے انہوں نے حقیقی صوفیاء پر، حتیٰ کہ تصوف پر بھی تنقید کی ہے حالانکہ تصوف دین سے الگ کوئی چیز نہیں ہے۔الفاظ میں اقرارِ ظاہری کرنے کو زبانی کہنے کو، قبول کر لینے کو، ہم اسلام کہتے ہیں۔لفظوں میں کہی گئی بات کی کیفیت دل میں آجائے تو اسے تصوف کہتے ہیں۔صفائے قلب کو، سینے کے صاف ہو جانے کو تصوف کہتے ہیں۔

ایمان کا تقاضا کیا ہے؟ بندے کے دل میں نورِ ایمان آجائے تو اُس کا تقاضا کیا ہے؟ اللہ کریم نے اس کی تشریح فرمادی، الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝٢ جو اپنی صلوٰۃ میں عجز و نیاز کرنے والے ہیں۔

ہم تو فرد کو اس کے کردار، اعتقادات، نظریات و خیالات سے پہچانیں گے۔بندہ اپنے آپ کو اپنے کردار و افعال سے پہچانے گا لیکن اللہ کریم نے بنیادی اہمیت خشیت کو دی۔فرمایا، بندۂ مومن کی پہلی نشانی یہ ہے کہ وہ عبادت الٰہی میں خشوع کرتا ہے۔

## خشوع:

خشوع وخضوع اور عجز و نیاز فعل ہی دل کا ہے جس کا سبب عظمتِ الٰہی ہے جس کا ادراک مومن کے دل کو ہو جاتا ہے پھر اُس کی عبادات ویسی ہی ہو جاتی ہیں جیسے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے حدیثِ احسان میں ارشاد فرمایا
اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم (صحیح بخاری) کہ اللہ کی عبادت ایسے کرو گویا تم اللہ کو روبرو دیکھ رہے ہو۔یعنی ایسا احساسِ حضوری حاصل ہو جائے کہ

صلوٰۃ کے لیے اللہ اکبر کہو تو پھر پوری کائنات سے کٹ جاؤ۔ ایک تکبیر کے کہتے ہی تم پوری کائنات سے کٹ کر صرف اللہ کے روبرو ہو جاؤ۔ اگر اس درجہ حضوری اور یکسوئی کی ہمت و حوصلہ نہیں پاتے تو کم از کم یہ یقین ضرور کرلو کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اگر تم اسے دیکھ نہیں سکتے تو اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ جب عبادت اللہ کے روبرو ہو کر ہوگی تو اس کی کیا کیفیت ہوگی۔ جو رکعتیں ہم حضورِ حق میں ادا کریں گے، وہ کیا ہوں گی!۔۔۔ اور یہ رکعتیں ہم اپنی طرف سے محض خانہ پری کے لیے ادا کرتے ہیں، ان میں اور اُن میں کتنا فرق ہوگا۔ ہم لوگ تو مسجد جاتے ہوئے بھی نماز کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں ہوتے، وضو بھی مسجد میں جا کر کرتے ہیں حالانکہ مستحسن تو یہ ہے کہ وضو کر کے مسجد جایا جائے۔ فرض کریں کسی کو ملک کے سربراہ سے ملاقات کا موقع ملے تو کیا وہ گھر سے یوں ہی نکل کھڑا ہوگا کہ پرائم منسٹر ہاؤس جا کر ہاتھ منہ دھو کر تیار ہو جاؤں گا یا وہ گھر سے باہتمام تیار ہو کر جائے گا؟ اب وزیر اعظم ملک کا سربراہ ہے، ہوا کرے! جیسا انسان وہ ہے، ویسے ہی ہم بھی انسان ہیں۔ جس طرح ہم اللہ کے محتاج ہیں، اسی طرح وہ بھی اللہ کا محتاج ہے۔ اس سے ملاقات کے لیے تو ہم بڑے اہتمام سے لباس بدلیں گے، خوشبو لگائیں گے، سر سے پاؤں تک تیار ہوں گے تو پھر اللہ کی بارگاہ میں جانا ہو تو اس کے گھر جا کر منہ ہاتھ کیوں دھوتے ہیں؟ ایک صدر یا وزیر اعظم کے لیے اگر ملاقات کا وقت دو منٹ طے ہوا تھا، دس منٹ مل گئے، بصد شوق بیٹھیں گے بلکہ چاہیں گے کاش مزید وقت مل جائے۔ افسوس ہے کہ مسجد میں آتے ہیں تو بس یہاں سے بھاگنے کا سوچتے ہیں کہ کب یہ رکعتیں ختم ہوں اور ہم جائیں۔ وضو ہی لاپروائی سے کرتے ہیں۔ آدھے اعضا گیلے آدھے خشک، افراتفری میں رکوع کیا تو قومہ کیے بغیر سجدے میں گر گئے۔ سجدے بھی کیے، بس مرغی کی طرح ٹھونگیں ماریں، جلسہ تک ڈھنگ سے نہ کیا۔ جلدی جلدی نماز ختم کی اور یہ جا وہ جا۔ ایسا صرف اس لیے ہوتا ہے وہ کیفیت جو دل میں ہونی چاہیے، نہیں ہے۔ حضورِ حق کی کیفیت نصیب نہیں ہوتی۔ ایمان کی کیفیت دل پر طاری ہو جائے تو حضورِ حق نصیب ہوتا ہے اور وہ اپنی عبادات میں نہایت خضوع و خشوع اور عجز و نیاز کے سانچے میں ڈھل کے اپنے اللہ کے حضور حاضر ہوتے ہیں اہلِ ایمان کی دوسری نشانی اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ اور جو بے ہودہ باتوں سے منہ موڑے رہتے ہیں۔

## لغو سے اعراض:

لغو دو طرح کی باتوں یا کاموں کو کہتے ہیں۔ ایک وہ جسے دوسرے کے سامنے کرتے ہوئے یا دوسروں کو بتاتے ہوئے شرمندگی محسوس ہو، جو آپ اپنے بڑے بزرگوں کو نہ بتا سکیں۔ یعنی بیہودہ باتیں۔ دوسرے وہ کام یا باتیں جو بے فائدہ ہو، بیکار اور محض وقت کا ضیاع ہوں، جن سے سوائے نقصان کے کچھ حاصل نہ ہو مثلاً اگر کوئی سارا دن چوسر، تاش وغیرہ کھیلتا رہا، گانے سنتا رہا وغیرہ وغیرہ۔

فرمایا، ایمان کی خصوصیت یہ ہے کہ جب اس کی کیفیت قلب میں آتی ہے تو بندۂ مومن جس معاشرے میں رہتا ہے، وہاں لوگوں سے ملتا جلتا ہے، کاروبار کرتا ہے، امورِ حیات انجام دیتا ہے لیکن بیہودہ اور فضول باتوں کی طرف نہیں جاتا۔ ایسے امور جن سے کچھ حاصل نہ ہو اور وہ محض وقت کا ضیاع ہوں، مومن اُن سے اس لیے اعراض کرتا ہے کیونکہ دارِ دنیا میں سب سے قیمتی دولت وقت ہے۔ یہ وقت قربِ حق کی تلاش کے لیے ہے، رضائے حق کو پانے کے لیے ہے۔ زندگی ختم ہونے پر آتی ہے تو احساس ہوتا ہے کہ اسے تو ہم نے فضولیات میں اُڑا دیا۔ مرنے والے کو کبھی مہلت ملتی ہے؟ دو چار دن، گھنٹہ، چلیں ایک لحظہ ہی سہی۔ اندازہ بھی پھر ہی ہوتا ہے کہ اس قیمتی دولت کو ہم نے کس بیدردی سے لٹا دیا۔

المختصر! ایمان کی کیفیت اگر دل کا حال بن جائے تو اس کا اثر اعضاء و جوارح میں آ جاتا ہے، افعال و کردار میں آ جاتا ہے۔ اس کے برعکس معاملہ اگر محض زبانی اقرار تک ہو تو پھر بقول علامہ اقبال ؂

زباں سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

تو فرمایا کہ مومن وہ ہیں جنہیں صلوٰۃ میں خشوع نصیب ہوتا ہے اور وہ روز مرّہ کی زندگی میں لغو، بیہودہ اور فضول چیزوں سے اعراض کرتے ہیں۔ ان سے دامن بچا کر رکھتے ہیں۔

## ادائے زکوٰۃ:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝ اور جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور مومن کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہمہ وقت، ہر لحاظ سے پاک رہنا چاہتا ہے۔ زبان کو پاک رکھتا ہے، جھوٹ نہیں بولتا۔ اچھی بات کہتا ہے، اللہ کے ذکر، تسبیحات و درود شریف میں لگا رہتا ہے کہ زبان و ذہن پاک رہے۔ لباس کی پاکیزگی کا خیال رکھتا ہے۔ نگاہوں کو پاکیزہ رکھتا ہے، آلودہ نہیں کرتا۔ کردار کو پاک رکھنا چاہتا ہے۔ مال میں سے اللہ کا حصّہ دے کر اسے پاک رکھتا ہے۔ گویا آبرو، جان اور مال ہر چیز کو پاکیزہ رکھنا چاہتا ہے۔ یہاں مجھے ایک پرندہ 'ہریل' نام کا یاد آیا ہے جو سبز رنگ کا ہوتا ہے۔ یہ پرندہ ساری زندگی اپنے آپ کو مٹی سے آلودہ ہونے نہیں دیتا۔ حتیٰ کہ پانی پینے کے لیے بھی تالاب کے کنارے نہیں بیٹھتا، اڑتے اڑتے ہی پانی سے چونچ بھر لیتا ہے۔ اسی طرح ایمان کی خصوصیت سے متصف بندہ (اللہ کی) ناپسندیدہ کسی شئے کو اپنے ساتھ لگنے نہیں دیتا۔ ساری زندگی اپنا تحفظ کرتا ہے کیونکہ اس نے اپنی ہر چیز اللہ کے حضور پیش کرنی ہے، دل و نگاہ، سوچ و افکار، مال و دولت حتیٰ کہ جان بھی۔ ظاہر ہے، آلودہ چیزیں تو اس بارگاہ میں بار نہیں پاتیں۔

## آبرو کی حفاظت:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۝ اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں انسان میں کچھ فطری اوصاف ہیں جو اتنے قوی ہیں کہ قوتِ عقلیہ پر غالب آجاتے ہیں۔ ان میں سے ایک قوتِ غضبیہ ہے۔ کسی کو شدید غصہ آجائے تو عقل کو اندھا کر دیتا ہے اور سوچ کو مفلوج۔ لیکن اس سے بھی کہیں طاقتور ایک اور قوت ہے جسے قوتِ شہوانیہ کہتے ہیں۔ یہ قوت باقی تمام قوتوں پر چھا جاتی ہے، عقل وشعور کو مغلوب کر لیتی ہے۔ فرمایا، جذبۂ ایمان ہی ایک ایسی چیز ہے جو قوتِ شہوانیہ پر قابو پاسکتی ہے۔ قرآن کریم میں صحابہ کرامؓ کی تعریف فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔۔۔ (الفتح:29) فرمایا، میرے نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معیت پانے والوں کو قوت غضبیہ اور شہوانیہ پر قابو حاصل ہوتا ہے۔ ان کی یہ قوتیں ان کے تابع ہوتی ہیں۔ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت قیامت تک کے لیے ہے اسی طرح معیتِ رسالت کا فیض بھی قیامت تک کے لیے عام ہے۔ جو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی معیت پائے گا وہ مومنین کے لیے مہربان اور اللہ کے دشمنوں کے لیے، یعنی کفر کے لیے تیغ بے نیام ہوگا۔ فرمایا، جذبۂ ایمان ایسی چیز ہے کہ کافر کے خلاف لڑتے ہوئے اگر کافر کلمہ پڑھ لے تو وہاں ان کی محبت امڈ کر آتی ہے، اٹھی ہوئی تلوار گر جاتی ہے اور وہ اسے بڑھ کر سینے سے لگا لیتے ہیں۔ ایک لحظہ میں کیفیت بدل جاتی ہے۔ قوتِ غضبیہ پر یہ اختیار صرف قوتِ ایمان ہی دے سکتی ہے ورنہ یہ دونوں قوتیں جب بے مہار ہو جائیں تو آتش بداماں کر دیتی ہیں۔ تاریخ میں جتنے بھی انقلاب بے دینوں کے ہاتھوں بپا ہوئے سب کا طریقۂ کار ایک ہی تھا۔ سب نے انسانوں کی ان دو قوتوں، قوتِ غضب اور قوتِ شہوت کو بھڑکایا۔ نفرت سکھائی اور لالچ دیا لیکن ان انقلابات کا انجام کبھی بخیر نہیں ہوا۔ کوئی مثبت تبدیلی پیدا نہ ہوئی۔ جب انقلاب کا وہ سحر ٹوٹا، جب وعدے پورے نہ کیے گئے تو بندگانِ حرص انقلاب کے رہنماؤں کو گالیاں دینے لگے۔ ماضیٔ قریب کی مثالیں گواہ ہیں۔ آج ماؤزے تنگ اور ہٹلر کا نام ان کے اپنے ممالک میں سننا بھی پسند نہیں کیا جاتا۔

اسلام حقیقی انقلاب لایا۔ اسلام نے زندگی کی کسی ضرورت کی تکمیل سے نہیں روکا صرف اس کا ایک راستہ متعین کیا۔ اسلام نے کھانے پینے سے نہیں روکا۔ ضروریاتِ زندگی کیلئے کسبِ رزق سے نہیں روکا۔ اسی طرح بدن کی ضروریات میں ایک شہوت بھی ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ بندہ شادی کرے، اولاد ہو، گھر ہو لیکن قوتِ شہوانیہ کو بے محل استعمال نہ کیا جائے۔ خصوصیتِ مومن ہے کہ وہ اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرتا ہے۔ اللہ کی قائم کردہ حدود کے اندر رہتا ہے۔

اِلَّا عَلٰۤی اَزۡوَاجِهِمۡ اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُهُمۡ ۔۔۔مگر اپنی بیویوں یا کنیزوں سے (مباشرت کرنے میں ۔۔۔اُن پر کوئی الزام نہیں) یعنی جواُن کی بیویاں ہیں یا لونڈیاں ہیں، اُن سے اپنی خواہش پوری کرتے ہیں۔اپنی خواہش شرعی حدود کے اندر رہ کر پوری کرتے ہیں۔اسلام زندگی کے کسی بھی راستے کو بند کرنے کی بجائے اسے ایک خوبصورت موڑ دے دیتا ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا کو امن اور حسن نصیب ہوگیا۔بھوک انسانی تقاضا ہے۔کھانے سے نہیں روکا، ہدایت کی ہے کہ چھین کر نہ کھاؤ، حرام نہ کھاؤ بلکہ حلال وطیّب کھاؤ۔اچھا لباس پہنو حلال ذرائع سے خرید کر پہنو،شرعی احکام کے مطابق پہنو۔شادی کرو،بغیر نکاح کے شہوت رانی نہ کرو۔غرض زندگی کے کسی کام پر پابندی لگانے کی بجائے اس کے لیے خوبصورت راستے متعین فرمائے ہیں اور مومنوں کی خصوصیت ہے کہ وہ اللہ کے متعین کردہ راستے اختیار کرتے ہیں۔فَاِنَّهُمۡ غَیۡرُ مَلُوۡمِیۡنَ ۝ پس یقیناً (اس میں) ان پر کوئی الزام نہیں۔جو شرعی طریقے سے اپنی حاجتیں پوری کرتے ہیں۔ان پر کوئی الزام یا ملامت نہیں۔

دوسرے مذاہب میں فطری تقاضے پورے کرنے والے کو ہدفِ ملامت بنایا جاتا ہے۔اسلام میں ایسا نہیں بلکہ شرعی حدود میں رہ کر اپنی حاجتیں پوری کرنے والے کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

فَمَنِ ابۡتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡعٰدُوۡنَ ۝ پھر جو اس کے علاوہ (اس کام کا) طلب گار ہو، سو ایسے لوگ حد (شرعی) سے نکلنے والے ہیں۔اگر کوئی شرعی طریقے سے ہٹ کر،شرعی حد سے نکل کر اپنی حاجات پوری کرنا چاہے تو ایسے لوگ حد سے گزرنے والے ہیں الۡعٰدُوۡنَ یعنی باغی، اللہ سے بغاوت کرنے والے ہیں۔سینے میں نورِ ایمان ہو تو اطاعت کراتا ہے، بغاوت نہیں۔وہ جو دعوئے ایمان بھی رکھتے ہیں اور اسلام کے مطابق اپنی کردار سازی بھی نہیں کرتے بلکہ شرعی حدود سے ہی نکل جاتے ہیں تو اس سب کا ایک ہی مطلب ہے کہ ایمان صرف زبانوں تک محدود ہے، سینے اور دل کیفیتِ ایمانی سے خالی ہیں۔

## امانت اور وعدے کی پاسداری:

ایمان اگر دل میں ہو تو انسان کو کچھ ایسا بنا دیتا ہے جس کے متعلق قرآن کریم بتاتا ہے : وَالَّذِیۡنَ هُمۡ لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ رٰعُوۡنَ ۝ وہ لوگ اپنی (سپرد کی گئی) امانتوں اور اپنے وعدوں کا خیال رکھتے ہیں وہ اپنی امانتوں کی دیانتداری سے حفاظت کرتے ہیں۔امانت میں خیانت نہیں کرتے جنہیں حضورِ حق نصیب ہوتا ہے وہ کیونکر بددیانتی کریں گے۔امانتوں میں ایک امانت تو وہ ہے جو کسی کے پاس رکھوائی جاتی ہے، روپیہ اور زیور وغیرہ لیکن معاشرے کے وہ حقوق جو ہمارے ذمہ ہیں، وہ بھی امانت ہیں جس کا ادا کرنا ہم پر واجب ہے۔

زمانے نے عجیب کروٹ لی ہے۔ہر شہر میں جلوس نکلتے ہیں۔ڈاکٹر،کلرک،اساتذہ حتّٰی کہ پولیس والے بھی ہڑتال کر دیتے ہیں۔ہڑتال کی وجہ کیا بتاتے ہیں؟۔۔۔ہمیں ہمارے حقوق نہیں مل رہے۔آپ کو آپ کے حقوق نہیں

مل رہے، بڑے افسوس کی بات ہے۔ بڑی زیادتی ہے آپ کو آپ کا حق ملنا چاہیے۔ لیکن پہلے یہ تو ثابت ہو کہ وہ آپ کا حق بنتا بھی ہے کہ نہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ کا حق کس کے ذمے ہے؟ اس سے جا کر مانگو۔ سڑک بند کر کے، عوام کا راستہ بند کر کے، آپ ہر گزرنے والے کی حق تلفی نہیں کر رہے؟ صاف راستہ ہر گزرنے والے کا حق ہے۔ مریضوں کا حق نہیں کہ اُن کی دوا، علاج ہو؟ کتنے مریض ڈاکٹروں کی ہڑتالوں میں جان سے گزر جاتے ہیں۔ اسی طرح طالب علموں کا استاد پر حق نہیں کہ وہ ان کی تعلیم کا اہتمام کرے؟ کوئی بھی دوسروں کے حقوق کی پاسداری نہیں کرتا۔

اللہ فرماتا ہے کہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مومن امانتدار ہو اور امانتدار وہ ہوتا ہے۔ جو دوسروں کے وہ حقوق پورے کرتا ہے جو اس کے ذمے ہوتے ہیں دوسرے کے حق اور اپنے حق میں ایک فرق ہے کہ جو آپ کا حق ہے، وہ آپ چاہیں تو سارا بھی معاف کر سکتے ہیں۔ اللہ کریم آپ کو آپ کے حق سے کہیں زیادہ اجر دیں گے لیکن جو حق آپ نے دینا ہے، وہ آپ کو پورا دینا ہوگا۔ دوسرے کو آپ اپنا سو روپیہ معاف کر دیں تو کر سکتے ہیں (اور شاید اس کا اجر کروڑوں کی شکل میں پائیں) لیکن دوسرے کے سو کے آپ ننانوے نہیں کر سکتے اور ایک مومن کی سوچ ایسی ہی ہوتی ہے کہ میرے حقوق مجھے نہ بھی ملیں تو خیر ہے لیکن جو حقوق میرے ذمے ہیں ان کی ادائیگی میں کوتاہی نہ ہو۔

حقوق والدین کے ہوں یا اولاد کے ہم پر فرض ہیں۔ اسی طرح ازواج، رشتہ دار، دوست اور ملک و قوم ہم پر حق رکھتے ہیں۔ ہمارے حقوق بھی ان پر ہیں لیکن اولیت ان کے حقوق کو دینی ہے جو ہمارے فرائض ہیں۔ یہی ایک بندۂ مومن کی سوچ ہے۔

**وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝۸** وہ لوگ (اہلِ ایمان) کسی سے وعدہ کرتے ہیں تو یہ سوچ کر کرتے ہیں کیا وہ اسے پورا کر سکیں گے اور جب وعدہ کر لیتے ہیں تو اُسے پورا کرتے ہیں کیونکہ وعدہ کر لیا جائے تو وہ بھی ہم پر دوسرے کا حق بن جاتا ہیں۔

## پابندیِ صلوٰۃ:

**وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝۹** اور جو لوگ اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں دینِ اسلام بنیادی طور پر دو حصوں پر مشتمل ہے، عبادات اور معاملات۔ عبادات کو جو اتنی اہمیت دی گئی ہے، اس کی وجہ کیا ہے، کیا حکمت ہے اس میں؟ فرض نمازوں پر ایک بندے کے دن بھر میں تقریباً ڈھائی گھنٹے تو لگ ہی جاتے ہیں اس محنت کا حاصل کیا ہے؟ دراصل عبادت انسان کی بنیادی ضرورت ہے کیونکہ اللہ اور بندے کے درمیان تعلق کا واحد ذریعہ عبادت ہی ہے۔ عبادات میں خلوص اور خضوع و خشوع اس تعلق کو مضبوط تر کرتا ہے۔ اللہ خالق ہے، ہم مخلوق ہیں۔ اس کی شان ورآ الوراء ہے۔ ہم مٹی کے پتلے فانی ہیں، وہ باقی ہے، ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گا۔ پھر ہمارا اللہ سے رشتہ کیا

ہوسکتا ہے؟ صرف ایک رشتہ کہ وہ معبودِ برحق ہے اور ہم اُس کے بندے، اس کی عبادت کرنے والے۔

ہم سوکر اُٹھتے ہیں تو سب سے پہلے تیار ہوکر اُس کی بارگاہ میں پہنچ جاتے ہیں۔ پھر اپنے اپنے کاموں پر چلے جاتے ہیں۔ دورانِ کار ظہر کا وقت آجاتا ہے تو پھر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوجاتے ہیں۔ کام سے فارغ ہوتے ہیں، گھروں کو واپسی کا وقت ہوجاتا ہے۔ گھر آکر ایک بار پھر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں۔ پھر چھوٹی موٹی مصروفیات میں دن ختم ہوجاتا ہے۔ سورج ڈوب گیا تو یا اللہ یہ دن ختم ہوگیا، رات کے لیے عافیت عطا کر، پھر اس کی بارگاہ میں حاضر ہوجاتے ہیں۔ بالآخر رات چھا جاتی ہے۔ سونے کا وقت آگیا۔ بصد نیاز بارگاہِ الوہیت میں جاتے ہیں۔ یا اللہ اب میں سونے لگا ہوں، چاہتا ہوں کہ پہلے تیری عظمت بیان کرلوں، تجھے حالِ دل سنالوں، دن بھر کی مصیبتیں تیری بارگاہ میں بیان کردوں اور اپنی گزارشات بھی پیش کردوں۔

اس سارے معمول، اس عبادت کا ہماری زندگی پر کیا اثر ہوگا؟ وہ اس مثال سے سمجھ لیں۔ اگر کوئی ہمارا سردار یا امیر ہو اور ہمیں دن میں پانچ بار اُس کے حضور جانا بھی ہو تو کیا ہم اس امیر، اس سردار کی مرضی کے خلاف کوئی کام کرسکیں گے؟ دن میں پانچ بار حاضر ہوکر بتانا ہو کہ میں نے کیا کیا، کیا کرنا چاہتا ہوں تو خلافِ حکم کیسے ہوسکتا ہے۔ کسی پیر، کسی حضرت صاحب، کسی عالم کے طفیل نہیں بلکہ ہمارا براہِ راست تعلق بارگاہِ الوہیت سے ہے۔ اور یہ طریقہ ہمیں عطا کیا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

یہ صلوٰۃ کی حاضری جو ہم صبح اٹھنے سے لے کر دوبارہ سونے تک دن میں پانچ بار لگواتے ہیں اس طرح ہم براہِ راست اُس سے اُس کے عشق کے طلبگار رہتے ہیں، اپنے ہر کام میں اسے سے مدد چاہتے ہیں۔ صلوٰۃ اس لیے ضروری ہے کہ عبادت اور اللہ کی بارگاہ میں حاضری ہی ایمان کو وہ قوت دیتی ہے کہ وہ ہمیں نیکی پر قائم رکھے اور برائی، بیہودگی اور فضولیات سے بچائے اگر عبادت چھوٹ جائے تو حاضری سے محرومی ہوگی اور پہلی زد کردار پر پڑے گی۔ کردار تباہ ہوجائے گا۔

یہاں ایک سوال اٹھتا ہے اور بزعمِ خود نیک لوگ جو عبادت کو غیر ضروری خیال کرتے ہیں، اعتراض کرتے ہیں کہ ہم نے بڑے بڑے حاجی، بڑے نمازی دیکھے ہیں۔ کئی کئی حج اور ہر سال عمرے کرنے والے اور نمازی لوگ، دوکانوں میں بیٹھ کر چور، ڈاکو بن کر لوگوں کو لوٹتے ہیں۔ ناقص مال بیچتے ہیں، دھوکہ دیتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ سب بجا مگر قرآن کہہ رہا ہے کہ میں اُن کی بات کررہا ہوں جن کے اندر نورِ ایمان ہے۔ یہ نورِ ایمان دل کو ایک کیفیت عطا کرتا ہے اور یہ کیفیت صاحبِ ایمان میں وہ خصوصیات پیدا کرتی ہیں جن کا پہلے ذکر آیا ہے کہ یہ لوگ غلط کام نہیں کرتے۔ غلط کار وہ ہیں جو اہلِ ایمان کی نقل کرتے ہیں۔ نقل میں اصلیت نہیں ہوتی لہٰذا نقل کرنے سے اصل نتائج

مرتب نہیں ہوتے۔ کوئی سیر سپاٹے یا دولت کی نمائش کے لیے حج کرے۔ گھوم پھر کر آ جائے۔ اسے حج سے کیا فرق پڑے گا؟ رسماً یا دکھاوے کے لیے نماز پڑھ رہے ہیں۔ لوگوں پر تو شرافت کا سکہ جمے گا لیکن اس سے کیا تبدیلی آئے گی؟ تبدیلی آئے گی تو خلوصِ نیت سے۔

## ضمنی بات:

اکثر لوگ صلوٰۃ کی نیت زبان سے کرتے ہیں اور اسے صلوٰۃ کا حصہ سمجھتے ہیں۔ اگر یہ شرعی طریقہ ہوتا تو ساری نماز عربی میں پڑھتے ہیں، نیت اپنی مادری زبان میں کیوں کرتے ہیں؟ پٹھان پشتو میں کرتا ہے۔ فارسی بولنے والا فارسی میں، انگریزی بولنے والا انگریزی میں اور ہم بھی پنجابی میں کہتے ہیں، ''خاص نیت نیتی نماز دی، نماز واسطے اللہ دے'' یہ الفاظ نماز کا حصہ نہیں ہیں۔۔۔ حقیقی نیت وہ ہے جو ہمارا دل کرتا ہے۔

فقہاء کرام کا کہنا یہ ہے کہ نیت الفاظ میں دھرانے کی اجازت اس لیے دی گئی ہے کہ عامۃ الناس کا یہ حال ہے کہ چار رکعت کے لیے کھڑے ہوں تو دوسری پر آ کر بھول جاتے ہیں۔ زبان سے چار رکعت کہہ دیں تو کم از کم انہیں یہ تو یاد رہے گا کہ چار رکعت پڑھنی ہے۔ ورنہ اصل نیت تو انسان کا قلبی ارادہ ہی ہے۔ قلب ہی متوجہ نہ ہو تو نیت کس بات کی؟ جن کا قلب متوجہ نہیں ہوتا، نیت ہی نہیں ہوتی، حضوری کا احساس، بندگی کا احساس ہی نہیں ہوتا، اُن پر نتائج بھی مرتب نہیں ہوتے۔ وہ نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور جھوٹ بھی بولتے ہیں، چوری بھی کرتے اور دھوکہ دہی بھی۔ غرضیکہ وہ نقلی نمازی ہیں اور قرآن اُن کی بات کر ہی نہیں رہا۔ قرآن اُن کی بات کر رہا ہے جن کے دل کیفیتِ ایمانی سے سرشار ہیں، جو دل سے خالص اللہ کے لیے نیت اور ارادہ کرتے ہیں۔

## حفاظتِ صلوٰۃ:

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں (پابندی کرتے ہیں) 'حفاظت' میں ساری چیزیں آ جاتی ہیں۔ اوقاتِ نماز کی پابندی، شرائط و ضروریاتِ نماز کی پابندی۔ مثلاً وضو کیا جائے، لباس اور نماز کی جگہ پاک ہو، نماز کا وقت داخل ہو چکا ہو، قبلہ کی طرف منہ ہو۔ یہ کوشش کی جائے کہ نماز با جماعت پڑھی جائے ظاہری اہتمام کے علاوہ حقیقت میں اس حضوری کے احساس کو دل میں جگایا جائے، اس بات کو مدِ نظر رکھا جائے کہ میں اللہ کی بارگاہ میں بذاتِ خود پیش ہو کر اپنی گزارشات اپنی زبان سے پیش کرنے والا ہوں۔

جن لوگوں میں یہ مذکورہ خصوصیات ہیں ان کی بنیاد ایمان کی وہ کیفیت ہے جو دل کے اندر ہوتی ہے۔ فرمایا: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ یہی لوگ وارث ہیں جو فردوس کے

وارث ہوں گے (اور) اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

یہ لوگ وارث ہیں۔ وارث کو وراثت کا ملنا یقینی ہوتا ہے۔ بیٹا باپ کا ہمیشہ وارث ہوتا الّا یہ کہ اسے اپنی وراثت سے محروم کردے۔ باپ کے بعد اس کی جائیداد اولاد کو ملنا یقینی ہے۔ اللہ فرماتا ہے۔ ان خوبیوں کے حامل میرے یہ بندے بھی وارث ہیں اور وہ اس جنت میں ہمیشہ رہیں گے کیونکہ یہ انہیں وراثت کی مانند عطا کی گئی ہے۔ نری ملکیت نہیں ہے، باقاعدہ وراثت ہے۔ موروثی ملکیت ہے کہ اُن کے باپ دادا، آدم علیہ السلام، انبیاء کرامؑ، سب سے بڑھ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ، اولیائے عظام، علماء کرام اور پھر ان کے خاندانی بزرگ جو نیک تھے، سب ہی تو وہاں موجود ہیں۔ لوگوں کو نہ جانے کیوں سمجھ نہیں آتی۔ اسی بات میں پریشان پھرتے ہیں "جی مر گئے، مٹی کھا گئی، پھر سے کیسے جی اٹھیں گے؟ پھر سے بدن اور حواس کیسے بنیں گے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ﴿۱۲﴾ اور بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے بنایا انسان ذرا اپنی پہلی بار کی پیدائش پر غور کرلے۔ ہم نے مٹی کا خلاصہ تیار کیا۔ زمین پر بکھری خالص مٹی، خاک سے اس کا خلاصہ، اس کا مغز، عین اس کے اندر کی خاص کیفیت نکالی۔ کیسے نکالی؟ مٹی کو مختلف روپ دے کر، مختلف ترکیبوں سے گزار کر وہ خاص جوہر حاصل کیا۔

کبھی حکیموں کو دوائیاں بناتے ہوئے دیکھیں۔ کسی دوائی کو عرقِ گلاب وغیرہ میں تر کر کے دنوں تک رکھتے ہیں پھر خشک کر کے کسی اور چیز میں تر کر دیتے ہیں۔ فلاں چیز کو فلاں چیز میں ابالنا ہے، پھر فلاں چیز میں لپیٹ کر، نقدہ بنا کر اتنے اُپلوں کی آگ دینی ہے۔ کہیں جا کر وہ کشتہ بنے گا۔ ہوگا تو وہ کوئی سونا، چاندی وغیرہ کا کشتہ ہی لیکن کتنی ترکیبوں سے بنا۔

فرمایا کہ تم مٹی سے بنے ہو لیکن تمہارے بنانے سے پہلے اسے ایک لمبی ترکیب سے تیار کیا گیا۔ مٹی کو مختلف روپ دیے۔ اس پر جانور پیدا کیے، پرندے پیدا کیے۔ پھل پھول اُگائے۔ یہ سب مٹی ہی تو ہے۔ کھجور بھی مٹی ہے انگور، گندم، چنا بھی مٹی ہے۔ ہر چیز اس مٹی کو مختلف مراحل سے گزار کر بنائی ہے۔ گھاس پیدا کی، جانور پیدا کیے، انہوں نے گھاس چری۔ انسان نے جانوروں میں سے کسی کا گوشت کھایا، کسی کا دودھ پیا، کسی زمین کا غلہ کھایا سارے اجزاء مٹی سے ہی نکلے۔ انسان کی غذا بن کر جزوِ بدن بنے۔ آنے والی نسل کے اجزاء جو اُس کی خوراک میں شامل کیے گئے، ان سے نطفہ بنا کر اُس کی پشت میں رکھ دیا گیا۔ یہ سارا دورِ حیات کیا آسان ہے؟ پھر اے نادانو! تمہیں موت کے بعد دوبارہ زندگی ناممکن کیوں لگتی ہے؟ اپنی تشکیل و تعمیرِ بدن پر ہی غور کرو! زندگی میں کتنے جانوروں اور پرندوں کا گوشت کھایا۔ جو گوشت، کبھی گائے کا تو کبھی بکرے، مرغی کا لے آتے ہو، یہ کہاں سے آتے ہیں؟ یہ وہی مٹی ہے جس کے تم بنے ہو۔ جب یہ انسان کی غذا بنتے ہیں تو اس کے پیٹ میں خاص طریقے سے پکتے ہیں۔ غذا سے کشید ہو کر انسانوں کے خون میں پہنچتے ہیں اور وہاں سے الگ کر کے ہم

اُنہیں نطفے کی شکل دے دیتے ہیں۔ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ﴿۱۳﴾

پھر ہم نے اس کو نطفہ بنایا جو ایک مقرر (مدت تک) مقام (رحمِ مادر) میں پھر اُس نطفے کے لیے وقت معیّن کر دیا اور اُسے اُس کی مقررہ جگہ پر پہنچا دیا۔ یعنی شکمِ مادر میں پہنچا۔ وہاں اس پر پھر مزید نو ماہ لگے۔ ان نومہینوں میں اس تعمیر کے مختلف مراحل طے پاتے رہے۔

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً۔۔۔ پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا پھر اس خون کے لوتھڑے کو (گوشت کی) بوٹی بنا دیا پھر شکمِ مادر میں ہم نے اس نطفے کو خون کی پھٹکی کی شکل دی۔ خون کی اس پھٹکی اس چھوٹے سے لوتھڑے کو پھر گوشت کی شکل دی۔ آہستہ آہستہ وہ گوشت کا ایک لوتھڑا بن گیا۔ فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا۔۔۔ پھر ہم نے اس بوٹی (کے بعض اجزا) کو ہڈیاں بنا دیا پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ ہماری قدرت دیکھو! نطفے میں ہر طرح کی ہدایات (جینز) ہوتی ہیں اسی خون کے لوتھڑے میں سے جو بعد میں گوشت کی چبائی ہوئی بوٹی جیسا ہو گیا، ہم نے ہڈیاں پیدا کر دیں اور انسانی بدن بننا شروع ہو گیا۔ ان ہڈیوں پر ہم نے ایک خاص شکل و ترتیب میں گوشت چڑھایا۔ چہرہ بنا، پیٹ بن گیا، پیٹھ بنی، رانیں بنیں، ہاتھ پاؤں بھی بن گئے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ۔۔۔ (پھر ہم نے (اس میں روح ڈال کر) اس کو ایک دوسری ہی طرح کی مخلوق بنا دیا) جب بدن مکمل ہو گیا، ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی تو وہ ایک اور ہی مخلوق میں تبدیل ہو گیا۔ ہم نے اُسے ایک زندہ مخلوق بنا دیا۔

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ﴿۱۴﴾ تو بڑے ہی بابرکت ہیں اللہ جو سب سے بہتر بنانے والے ہیں بابرکت، مبارک ہے اللہ کی ذات جو تمام بنانے والوں میں سے بہترین بنانے والا ہے۔ یہاں برسبیلِ تذکرہ، ایک بات کہتا چلوں۔ کوئی ایک کتاب لکھ دے تو کہا جاتا ہے، ''یہ صاحب اس کتاب کے خالق ہیں''۔ یا ''فلاں شعر کے خالق فلاں شاعر ہیں''۔ ایسا کہنا غلط ہے۔ تخلیق کرنا اللہ کی صفت، اس کا کام ہے۔ انسان جو بھی بناتا ہے، وہ پہلے سے تخلیق شدہ ہوتا ہے، وہ محض اُنہیں ترتیب دے ایک نئی چیز تشکیل دیتا ہے۔ جبکہ تخلیق کرنا اصل میں کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا ہے۔ خلّاقی صرف اس ذات کی شان ہے لیکن اگر یہ لفظ مجازی طور پر کسی غیر اللہ کے لیے کہیں بھی تو کوئی اللہ کا ہمسر کسی طور نہیں ہو سکتا۔ گھاس کا تنکا زمین سے پیدا ہو سکتا ہے۔ سائنس کی گود سے نہیں۔ سائنس اگائے گی بھی تو زمین کی گود سے ہی اگائے گی۔ مشین سے نہیں نکالے گی۔

جس خالق نے اتنی لمبی ترکیب و ترتیب کے بعد انسان کو بنایا ہے پھر اسے موت کی وادی میں اتار کر اس ترکیب و ترتیب کو Decompose کر دیتا ہے۔ اس کے لیے اسے دوبارہ بنانا، زندہ کرنا کیا مشکل ہے۔ اب اگر

کسی انسان نے ایک بڑی عمارت بنائی۔ایک ایک اینٹ جوڑی، سیمنٹ لگایا، سریا جوڑا۔ خدانخواستہ اگر یہ گر جائے تو اس سارے ساز و سامان کو صاف کر کے دوبارہ وہی بلڈنگ بنانا پہلی بار بنانے کی نسبت کیا آسان نہ ہوگا؟ تمہارا مادہ جہاں ہوگا، جب حکم دیا جائے گا، پھر اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ گے۔ اللہ ہی احسن الخالقین ہے۔ بارِ اوّل ہو یا بارِ دگر، تخلیق اس کی صفت ہے اور اس کے لیے مشکل نہیں۔

یہ آیہء مبارکہ (جُنینیات) Embryology کے علم کی بنیاد ہے۔ آج سے چودہ سو سال پہلے قرآن نے ماں کے پیٹ میں بچہ بننے کے تمام مراحل وضاحت و ترتیبِ صحیحہ سے بتائے۔ اس وقت سائنس اس درجہء ترقی تک تھی ہی نہیں جو بتا سکتی کہ انسانی نطفے سے بدن بننے تک کیا کیا تبدیلیاں آتی ہیں۔ یہ سب جاننے کے لیے سائنس 14 سو سال دھکے کھا کر وہاں پہنچی ہے کہ قرآن کی حرف بہ حرف تائید کر سکے۔ یہ ایک دلیل ہی کافی ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

اللہ کریم نے ان آیات میں تخلیقِ انسانی کے مدارج بیان فرمائے ہیں۔ مٹی کا خلاصہ (Extrect) لے کر اسے نطفہ بنایا پھر خاص مدت تک رحمِ مادر میں رکھا، وہاں وہ مختلف شکلوں میں تبدیل ہوتا ہوا انسانی وجود بنا۔ مٹی سے غذا، غذا سے نطفہ اور پھر نطفے سے انسانی وجود بننے تک کے مدارج تک یہ پتلا بے جان تھا، جامد تھا، مادے کی ایک صورت تھا۔ جب اس میں روح پھونکی گئی تو وہ ایک الگ مخلوق بن گیا۔

## روح کیا ہے؟

روح کی اصلیت و ماہیت انسانی فہم و ادراک سے باہر ہے۔ قرآنِ مجید میں یہود کے سوال کے جواب میں صرف اتنا ارشاد فرما دیا گیا: وَ قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ ۔۔۔ فرما دیجیے، روح میں میرے رب کے امر سے ہے۔ وَمَاۤ اُوۡتِيۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِيۡلًا (بنی اسرائیل:85) اور جو تمہیں علم میں سے (حصہ) دیا گیا ہے، وہ بہت تھوڑا ہے۔

انسان کو اللہ نے روح کے بارے میں بہت ہی تھوڑا علم دیا ہے اس لیے وہ ان باریکیوں کو سمجھ نہیں سکتا کہ روح کی پیدائش کیسے ہوئی اور کس چیز سے اسے تخلیق کیا گیا۔ یہ اپنی اصل میں جو بھی ہے، اس کا تعلق عالمِ امر سے ہے، یہ کائنات دو عالموں پر مشتمل ہے۔ ایک عالمِ خلق ہے اور ایک عالمِ امر۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: اَلَا لَهُ الۡخَلۡقُ وَالۡاَمۡرُ ۔۔۔ (الاعراف:54) خوب جان لو! عالمِ خلق اسی کا ہے اور عالمِ امر (بھی)۔ وہ ہی ایک واحد لاشریک ہے۔ اس نے انسان کے لیے اعلیٰ ترین روح کا انتخاب فرمایا جو امرِ ربّی سے ہے۔ باقی جانداروں میں فقط

روحِ حیوانی ہے۔ یہ روحِ حیوانی کیا ہے؟ جب کسی جاندار کے اجزائے بدن ترتیب پاتے ہیں، جب کوئی جاندار تشکیل پاتا ہے، اس کے بدن میں خون بنتا ہے۔ خون میں نظر نہ آنے والے خاص قسم کے بخارات بن جاتے ہیں۔ اسے روحِ حیوانی یا حیات کہا جاتا ہے۔ یہ روح باقی جانداروں کے علاوہ انسانوں میں بھی ہوتی ہے۔ یہ وجود میں زندگی پیدا کرتی ہے۔ باقی جانداروں کے مرنے کے بعد جس طرح جسم منتشر ہو جاتا ہے، اُسی طرح اُن کی روح کے بخارات بھی اُڑ جاتے ہیں، یعنی ختم ہو جاتے ہیں۔

اللہ کریم نے انسان کو روحِ حیوانی کے ساتھ ساتھ اعلیٰ ترین عُلوی روح بھی عطا فرمائی جو امرِ ربّی سے ہے۔ روح کا عالمِ امر سے ہونا بہت بڑا اعزاز بھی ہے اور قدرتِ باری کی بہت بڑی نشانی بھی۔ عالمِ امر لطیف ترین عالم ہے اور مادّہ کثیف ترین چیز۔ وہ ذاتِ پاک کیسی قادر ہے کہ لطیف ترین چیز کو کثیف ترین چیز میں پیوست کر دیا۔ اس میں مکین کر دیا۔ اسے مادی بدن کی نس نس میں جاری و ساری کر دیا ہے۔

## روح کے دوام کا سبب:

عالمِ امر صفاتِ باری تعالیٰ میں سے ایک صفت ہے جس طرح اللہ کریم کی ذات باقی ہے، اسی طرح اس کی صفات بھی باقی ہیں یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کو فنا نہیں، اسی طرح اُس کی صفات بھی فانی نہیں ہیں۔ روح کیونکہ اللہ کے امر سے ہے لہٰذا روح کو بھی دوام نصیب ہو گیا۔ اسے ہمیشہ کی زندگی مل گئی۔ روح کا یہ دوام ہی انسان کی دائمی زندگی کا سبب ہے۔ جب اس کا تعلق بدن سے ہوتا ہے تو دنیا میں جتنے ذرات انسانی بدن کا حصّہ بنتے ہیں، مرنے کے بعد وہ بکھر بھی جائیں تو بھی ہر ذرّے کا تعلق روح کے ساتھ قائم رہتا ہے۔ روح مرنے کے بعد نجات میں ہو تو وہ راحت جسم کے ہر ذرّے تک پہنچتی ہے۔ اگر خدانخواستہ عذاب میں ہو تو عذاب کی کیفیت بھی ہر ذرّہ بدن تک پہنچتی ہے خواہ وہ کہیں ہو۔ روح دنیا میں بدن کے تابع ہوتی ہے جبکہ بدن مکلف بالذات ہوتا ہے۔ اس کے برعکس برزخ میں روح مکلف بالذات ہوتی اور بدن ذرّات میں بکھر جانے کے بعد بھی روح کے تابع ہوتا ہے۔ روزِ قیامت جب سارے ذرّاتِ انسانی ایک بار پھر ایک جسم کی شکل میں آجائیں گے تب روح اور بدن دونوں برابر کے مکلف ہوں گے۔ راحت و تکلیف دونوں برابر محسوس کریں گے۔

انسان کی دنیوی زندگی میں اسے ایک عجیب مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔ دراصل دنیا میں بدن اگرچہ روح کی سواری ہے، اس کا ایک آلہ ہے، ایک ہتھیار ہے جس کے ذریعے وہ اس مادّی دنیا میں سارے کام انجام دیتی ہے۔ بدقسمتی سے ہوتا یہ ہے کہ چونکہ بدن مادّی ہے اور بدن کے نظام کو چلانے والا دماغ بھی مادّی ہے اس لیے دماغ بدن کی ضرورتوں کا فوری احساس کرتا ہے اور اُنہیں اسی لمحے پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جبکہ روح کی ضرورتوں کا

ادراک کرنے کے لیے اسے نورِ نبوت کی ضرورت ہے۔ نورِ ایمان جو کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لانے سے نصیب ہوتا ہے، دماغ کو روح اور اس کی ضرورتوں کی خبر دیتا ہے۔ پھر پتہ چلتا ہے کہ بدن مقصد نہیں بلکہ محض روح کا آلہ ہے۔ دنیا اس دل کے لگانے کی جگہ نہیں، امتحان گاہ ہے۔ انسان کو روح اور اس کی ضرورتوں کا ادراک ہو جانا اللہ کا احسان عظیم ہے کہ انسان پھر ہی روح کی خبر لے گا، اسے غذا دے گا، اس کی بیماری میں شفا کا بندوبست کرے گا۔ ہر نیک کام روح کی غذا ہے، عبادات، ذکرِ الٰہی، توجہ الی اللہ، حقوق العباد کی پاسداری، غرض ہر نیکی اس کی غذا ہے۔ خاص طور پر ذکرِ الٰہی روح کی سب سے قوی غذا کے ساتھ اس کی دوا بھی ہے۔ گویا زندگی کو باتباعِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم گزارنا، ہر قدم پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے احکام کو پیشِ نظر رکھنا، زندگی کو سراپا عبادت بنا دیتا ہے۔ یوں روح کی غذا کا بندوبست ہو جاتا ہے۔

اس کے برعکس روح کے لیے گناہ ایسا ہی ہے جیسے ہم بدن پر چھری ماریں اور اسے زخمی کر ڈالیں۔ کیا کوئی انسان خود کو زخمی کرنا پسند کرے گا؟ اسی لیے روح بطفیلِ ذکرِ الٰہی اور اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم، جوں جوں مضبوط ہوتی جاتی ہے، اسے گناہ سے نفرت ہوتی چلی جاتی ہے۔ انسان گناہ سے ہاتھ روک لیتا ہے۔ جھوٹ، حرام طریقے سے مال کمانا، غرض برائی سے دامن بچاتا ہے۔

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے انسان کو اس درجہ عظمت سے نوازا کہ عالمِ امر کی ایک چیز اس میں داخل کر دی جس نے اس کو ایک الگ طرح کی مخلوق بنا دیا۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ پس مبارک ہے اللہ (جو) بہترین تخلیق کرنے والا ہے۔ اللہ وہ بہترین تخلیق کرنے والا ہے جس کی صنعت ایک ایک پتے، ایک ایک ذرّے سے عیاں ہے۔ انسان کے روئیں روئیں سے، ایک ایک خلیے (Cell) سے جسم و جان کا تعلق مترشح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ جو اتنی منازل سے گزار کر انسان کو دارِ دنیا میں پیدا فرمایا ہے، یہ دنیا اس کی منزل نہیں ہے، محض ایک نشانِ راہ ہے۔ اے انسان! تیری منزل تو جنّت ہے۔ اب تم پر لازم ہے کہ تم اپنے گھر جاؤ، جنت میں جاؤ، جیل میں نہ جاؤ، دوزخ میں نہ جاؤ۔ یہ بات سمجھانے کے لیے اللہ نے انسانوں میں انبیاءؑ مبعوث فرمائے، کتابیں عطا فرمائیں تاکہ وہ عظمتِ الٰہی کو سمجھ سکے اور ایمان لے آئے۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ پھر یقیناً تم اس کے بعد ضرور مرو گے۔ ہاں اس سارے پراسس (تخلیق و عرصۂ حیات) کے بعد بالآخر تمہارا مقدّر موت ہے۔ تمہیں موت کی وادی میں اترنا ہے، تمہیں مرنا ہے۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾ پھر یقیناً تم قیامت کے روز اٹھا کھڑے کیے جاؤ گے۔ اور

مرنے کے بعد روزِ قیامت تمہیں پھر اٹھا کھڑا کیا جائے گا۔ جس ذات نے بار اوّل ایک ایک ذرّہ جوڑ کر انسان کو بنایا تھا۔ مرنے کے بعد انسان گل سڑ کر پھر سے مادہ کی سادہ شکل میں آ گیا۔ مٹی میں مل کر مٹی ہو گیا۔ اللہ اسے پھر سے حکم دے گا کہ اٹھ کھڑا ہو اور وہ کھڑا ہو جائے گا۔ یہ کیا مشکل ہے اس کے لیے!

ثُمَّ اِنَّكُمۡ بَعۡدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوۡنَ ﴿۱۵﴾ پھر اس کے بعد یقیناً تم کو مرنا ہے۔ فرمایا، جب تم دنیا میں آنکھ کھولتے ہو، دنیوی لذتوں سے آشنا ہوتے ہو تو تمہیں آخرت بھول جاتی ہے۔ حالانکہ پہلے انسان حضرت آدمؑ سے لے کر آج تک یہی ہو رہا ہے کہ لوگ پیدا ہو رہے ہیں، مر رہے ہیں۔ آ رہے ہیں، جا رہے ہیں۔ یہ سب دیکھنے کے باوجود تم آخرت سے غافل ہو رہے۔ عظمتِ الٰہی کو، اصل منزل کو ذہن سے اُتار دیتے ہو اور دنیا ہی کے ہو رہتے ہو۔ دنیا کمانے کے لیے جائز ناجائز، چھینا جھپٹی، چوری، سینہ زوری، غرض ہر طریقہ آزماتے ہو۔ اللہ تمہیں بقدرِ ضرورت دنیا کمانے سے نہیں روکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، کہ اولاد کو تنگدست اور مفلس چھوڑ کر جانے سے بہتر ہے کہ انسان انہیں اچھی حالت میں چھوڑ کر مرے اور اُن کے لیے وراثت چھوڑ کر جائے۔ اسے اس کا بھی اجر ملے گا۔

لیکن تم یہ سب دائرہ شریعت کے اندر رہ کر کرو۔ ناجائز ذرائع استعمال نہ کرو۔ موت کو یاد رکھو، اس کے لیے تیاری کرو۔ کوئی مسافر اپنی منزل کے لیے نکلے لیکن راستے کے کسی شہر میں رک جائے تو کیا وہ وہاں ہمیشہ کے لیے گھر بنا لے گا؟ نہیں! بلکہ اگر اسے راستے میں کہیں دو چار دن کے لیے رکنا پڑا تو پریشان ہو جائے گا۔ تڑپتا پھرے گا کہ کب وہ وقت آئے کہ وہ اپنی منزل پر پہنچے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ دنیا میں ایک مسافر کی طرح رہو جو راستے میں کسی سایہ دار درخت یا کسی جگہ ستانے کے لیے تھوڑی دیر کو رک جاتا ہے۔ پھر اپنی منزل کی طرف چل دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم سب اس دنیا میں مسافر ہو پھر تم نے اس کو اپنی منزل کیوں سمجھ لیا ہے۔ بات بگڑتی بھی تب ہی ہے جب انسان دنیا کو آخرت کمانے کی جگہ سمجھنا چھوڑ دے۔ فرمایا، آخرت کمانا تو اے مسلمانو! میں نے تمہارے لیے بہت آسان کر دیا۔ تم دنیوی ضرورتیں اگر میرے حکم کے مطابق پوری کرو تو ان پر تعمیرِ آخرت بھی ہوتی رہے گی۔ اللہ کی عبادات، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، میری یہ نعمتیں اس پر مستزاد ہیں۔ ان کو اپناؤ تو نورٌ علیٰ نور ہے۔ ایک وقتِ مقررہ تک تمہارے پاس زادِ آخرت کمانے کی مہلت ہے۔ پھر تم موت دیئے جاؤ گے مگر مر جانے سے یہ قصہ ختم نہیں ہو جائے گا۔ ثُمَّ اِنَّكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ تُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۶﴾ پھر یقیناً قیامت کے روز اٹھا کھڑے کیے جاؤ گے۔

قیامت کے روز پھر سے زندہ کیے جانے پر ایمان سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ یہ زندگی کتنی قیمتی ہے۔ اگر انسان کی زندگی ستر، اسی سال بھی ہو تو پندرہ سولہ سال تو بچپن میں گزر گئے۔ پچاس، ساٹھ کے بعد کی زندگی ویسے ہی کچھ کرنے کے لائق نہیں چھوڑتی۔ بیچ کے پینتیس، چالیس یا پچاس بھی ہوں تو۔ ان سالوں میں سے آدھا تو نیند میں کٹ گیا اِلّا وہ کہ

جنہوں نے اپنی راتوں کو رب کی یاد سے روشن کرلیا۔ تو اس تھوڑے سے وقت میں جو بچ گیا، تم نے اپنی تعمیرِ آخرت کرنی ہے۔ اگر یہ وقت بھی غفلت میں گزر گیا تو کیا کرو گے؟ ظاہر ہے کہ اللہ نے تمہیں بلا مقصد پیدا نہیں کیا پھر تم زندگی کو بلا مقصد کیوں ضائع کرو؟ سوچو تو سہی! تم انسان دنیا میں بہت سی چیزیں بناتے ہو، گھر، لباس، کھانے، مشینیں وغیرہ۔ ہر چیز کسی مقصد کسی کام کے لیے بنائی جاتی ہے۔ جب تم چھوٹی سے چھوٹی چیز بلا مقصد نہیں بناتے تو خالقِ کائنات جس نے اتنا بڑا جہاں بسایا ہے، کیا اس کائنات کا کوئی مقصد، کوئی انجام نہیں ہے؟ اے انسانو! اگر تم اپنے اردگرد بسے ہوئے اس جہاں، کائنات کے متعلق غور و فکر کرو یعنی تفکر فی الخلق کرو کہ کائنات کی یہ بساط اس احسن الخالقین نے کسی حسن و خوبی سے بچھائی ہے تو تمہیں سمجھ آجائے۔ فرمایا: وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۔۔۔ اور بے شک ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے اور سات آسمانوں کا شامیانہ تمہارے سر پر تان دیا ہے۔ اس وسیع کائنات کو اللہ نے ایک ہی اکائی سے تعمیر کیا ہے، جس کا نام ایٹم ہے۔ ایٹم کے اندر معمولی ردّ و بدل سے اتنی متنوع چیزیں بنائیں جاندار و بے جان، ساری چیزوں کی بنیادی اکائی ایٹم ہے پھر جاندار اشیاء کو خلیوں (Cell) سے تعمیر کیا۔ ان خلیوں سے مختلف قسموں کے اناج، پھل اور سبزیاں پیدا کیں۔ کھجور، انگور، انار، کیلے، غرض ایک دوسرے سے مختلف ذائقے، رنگ اور تاثیر رکھنے والے پھل بنیادی طور پر خلیوں سے ہی بنے ہیں۔ ان خلیوں میں مرکبات کے ردّ و بدل سے اللہ نے مختلف النوع پھل پیدا کیے۔

زمین کے اس کارگہہِ حیات کے سارے نظام کا مرکز اللہ نے آسمانوں میں ہی بنایا جیسے کسی سلطنت کے نظام کا ایک سیکریٹریٹ ہوتا ہے۔ اے لوگو! اللہ نے تمہارے سر پر سات آسمان بنا دیے اور ان کے ساتھ سارا نظامِ کائنات متعلق کر دیا۔ فیصلے وہاں ہوتے ہیں، عملدرآمد یہاں ہوتا ہے۔ کیونکہ زمین کے سارے نظام کے فیصلے آسمانوں پر ہوتے ہیں اسی لیے جب کوئی دعا کرتا ہے تو ہاتھ آسمانوں کی طرف اٹھاتا ہے۔ دعا کا قبلہ بھی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو ہی مقرر فرمایا۔

وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ اور ہم مخلوق سے بے خبر نہ تھے۔ فرمایا، زمین و آسمان بنا کر ہم اپنی تخلیق سے بے فکر نہیں ہو گئے۔ اللہ کریم اپنی تخلیق سے کسی لمحہ بھی غافل نہیں ہوتے۔ یہ نظام اس قدر پیچیدہ اور نازک ہے کہ اگر اس سے ایک لمحہ بھی غفلت کی جائے تو یہ سارے کا سارا تباہ ہو جائے، ربِ کریم مٹی سے پھل، پھول اور پودے نکال کر سارے جانداروں کی خوراک کا انتظام کرتا ہے۔ بہت سے چرندے جو گھاس وغیرہ کھا کر پلتے ہیں، انسان کی خوراک بنتے ہیں۔ انسان مرتا ہے تو اس کا بدن دوبارہ مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ نظام ایک دائرے میں چلتا رہتا ہے۔ زندگی اور موت کا یہ نظام جانداروں کے ایک ایک خلیے میں چلتا ہے۔ ہر خلیہ خوراک سے

بنتا ہے۔ اپنا کام مکمل کرتا ہے، مرجاتا ہے۔ اس کی جگہ دوسرا خلیہ بن جاتا ہے۔ نظامِ کائنات بڑے سے لے کر چھوٹے، ہر پیمانے پر مربوط و منظم ہے۔ ہر چیز اللہ کے حکم سے مسلسل اپنے کام میں مصروف ہے۔ اس نظام میں ذرا سا رخنہ بھی پڑ جائے تو یہ کائنات تباہ ہوجائے۔ اس لیے وہ قادرِ مطلق اس سے ایک لمحہ بھی غافل نہیں ہوتا۔ خلق کا وجود اس کے قائم رکھنے سے قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے مخاطب ہوکر فرماتا ہے۔ آؤ! میں بتاؤں کہ اس نظام کو میں کس ترتیب و تدبیر سے چلاتا ہوں۔ فرمایا: وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۔۔۔ اور ہم نے آسمان سے مناسب مقدار میں پانی برسایا۔۔۔ ہم پورے اندازے سے ناپ تول کر بلندیوں سے بارش برساتے ہیں۔ ہماری قدرت تو دیکھو کہ پانی زمین پر ہے۔ سورج کی بھٹی آسمان پر ہے جو اسے بخارات کی شکل دیتی ہے۔ پھر بادلوں کی صورت ٹنوں پانی فضا میں بلندی پر جمع ہوجاتا ہے اور ہوا اسے لیے پھرتی ہے۔ کبھی ہوائی سفر کے دوران بادلوں سے گزریں تو وہاں پانی دکھائی دیتا ہے نہ بجلی کا جھٹکا ہی لگتا ہے۔ لیکن وہی بادل کڑکتا ہے تو اس میں بے پناہ بجلی اور پانی، دونوں ہی ہوتے ہیں۔

وہ کیسی قدرتِ کاملہ رکھتا ہے کہ پانی کو کن بلندیوں تک اوپر اٹھایا، پھر اسے واپس زمین پر برسا دیا۔ بِقَدَرٍ ناپ تول کر۔ ہر قطرے کے لیے مقدر ہے کہ اسے کہاں گرنا ہے۔ کن ذرّات کو سیراب کرنا ہے۔ برستی بارش کے قطرے کوئی انسانی آنکھ، کوئی مشین نہیں گن سکتی لیکن قادر نے شمار کر رکھے ہوتے ہیں۔ ہر قطرہ وہاں پہنچتا ہے جہاں کا اسے حکم ہوتا ہے۔ فَاَسۡكَنّٰهُ فِى الۡاَرۡضِ ۔۔۔ پھر ہم نے اس (پانی) کو زمین میں ٹھہرایا پھر ہم اس پانی کے زمین میں ذخیرے بنا دیتے ہیں۔ زمین کے اندر اسے جمع کر دیتے ہیں کہیں زمین کے اوپر برف کی صورت میں محفوظ کر دیتے ہیں۔ زمین کے پیٹ سے چشموں کی شکل میں ابل ابل کر ندیاں، نالے بناتا ہوا یہ پانی کھیتیوں اور باغات کو سیراب کرتا ہے تاکہ اے لوگو! تمہیں روزی ملے وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوۡنَ ﴿۱۸﴾ اور یقیناً ہم اس پانی کے نابود کر دینے پر بھی قادر ہیں۔

جس طرح ہم تمہیں پانی کی نعمت دینے پر اختیار رکھتے ہیں بالکل اسی طرح ہم یہ نعمت تم سے چھین لینے پر بھی قادر ہیں۔ ہم ہر طرح کی قدرت رکھتے ہیں۔ ہم چاہیں تو ہماری نعمت بھی باعثِ عذاب بن سکتی ہے۔ پانی جو زندگی کی علامت ہے، اُسے سیلاب بنا دیتے ہیں، موت کا باعث بنا دیتے ہیں۔

یہاں طوفانِ نوح ذہن میں آتا ہے جس نے سارا عالم انسانیت ڈبو دیا۔ سوائے کشتیٔ نوح کے سواروں کے، کوئی متنفس نہ بچ سکا۔ اور کہیں قحط سالی زندگیاں نگل جاتی ہے۔ اللہ نعمتوں کا مالک ہے۔ چاہے تو عطا کر دے، چاہے تو سلب کر لے۔ وہ چاہے تو پانی پہاڑوں پر برف ہی بنے نہ زمین میں جذب ہو۔ بس سیدھا سمندر میں جا گرے۔ لیکن اس کی رحمت ہے کہ پانی کے خزانے مختلف صورتوں میں محفوظ رہتے ہیں پھر دریا، ندیاں اور چشمے بن کر

جانداروں کی حیات کا باعث بنتے ہیں۔

فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ۔۔۔ پھر ہم نے اس میں تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغات بنائے، ان میں تمہارے لیے بکثرت پھل بھی ہیں كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ اور تم ان میں سے کھاتے بھی ہو۔

اسی پانی سے زمین کو سیراب کیا۔ پھر مختلف عناصر کو ملا کر نباتات اُگائے۔ خلیوں میں ردوبدل سے پودوں کی مختلف قسمیں بنائیں۔ کہیں کھجور اُگا دی کہیں انگوروں کی بیلیں پھوٹ آئیں، غرضیکہ بے شمار انواع واقسام کے پھل بنا دیے جن کو اے ابنِ آدم! تم شمار نہیں کر سکتے۔ جنگلی جھاڑیوں میں ان گنت قسموں کے پھل (Berries) اُگتے ہیں جنہیں ہم جانتے تک نہیں۔ وہ ہی ایک سی مٹی ہے، وہ ہی پانی ہے لیکن ان کی مدد سے اُگنے والے پھل، پودے بے حد وحساب اقسام کے ہیں۔

یہ سب وہ ہے جس پر انسان زندہ رہتا ہے۔ پھر ہم نے بنے بنائے تیار کھانے پیدا کیے۔ یہ کھجور، انگور، سیب، آم، یعنی یہ پھل درحقیقت تمہارے لیے ایک طرح سے تیار شدہ کھانے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ہم نے پودوں درختوں میں تمہارے لیے ایک سالن بھی تیار کر رکھا ہے۔

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾ اور (اسی پانی سے) ایک (زیتون کا) درخت بھی (ہم نے پیدا فرمایا) جو طورِ سینا میں (بکثرت) پیدا ہوتا ہے۔ جو اُگتا ہے تیل لیے ہوئے اور کھانے والوں کے لیے سالن لیے ہوئے۔

ہم نے طورِ سینا پر ایک ایسا درخت پیدا کر دیا جو ایسا تیل لیے ہوئے ہے جو تمہارا سالن بن جاتا ہے۔ سائنسدان کہتے ہیں سب سے اچھی چکنائی، سب سے اچھا تیل وہ ہے جو مکھن سے بنتا ہے یعنی دیسی گھی۔ لیکن جب زیتون کے تیل کی بات آتی ہے تو سائنسدانوں کو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ زیتون کا تیل دیسی گھی سے ہزاروں درجہ بہتر ہے۔ اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ کولیسٹرول کو کم کرتا ہے۔ جسم کو تراوت وتازگی دیتا ہے، خشکی دور کرتا ہے اور یہ تیل سالن کے طور پر بھی استعمال ہو سکتا ہے۔

اللہ کریم نے اس زمین سے کیا کیا اُگایا ہے۔ کچھ چیزیں درختوں پر ہی تیار ہو جاتی ہیں۔ اُنہیں تیار شدہ حالت میں درخت سے اُتار کر کھا لیا جاتا ہے۔ کچھ چیزیں انسان پکا کر کھاتا ہے۔ بیج کے اندر اللہ تعالیٰ پورا ہدایت نامہ رکھ دیتے ہیں کہ پانی مٹی سے خوراک لے کر پودے یا درخت کو کیسا بننا ہے اور کیا پھل دینا ہے۔ فرمایا کہ ہم نے تمہارے لیے بے حساب نعمتیں پیدا کیں۔ تقسیم وترسیلِ رزق کا یہ نظام حد درجہ منظم ومرتب اور اتنے قرینے وسلیقے سے

ایک دائرہ کی صورت میں چل رہا ہے کہ ہم اسی زمین سے عناصر لے کر نعمتیں بناتے ہیں اور ان نعمتوں کے کھانے والوں کی موت کے بعد وہ عناصر دوبارہ زمین میں چلے جاتے ہیں۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۔۔۔اور بے شک تمہارے لیے مویشیوں میں بھی غور کرنے کا مقام ہے، اے میرے بندو! نباتات و جمادات کی دنیا سے ایک قدم آگے آؤ۔ تم پھل، پھول اور پودے کھاتے ہو۔ تمہارے علاوہ بھی ہم نے بہت قسموں کی مخلوق پیدا کی جو یہ نباتات کھاتی ہے۔ اس مخلوق کو ہم نے تمہارے ہی لیے پیدا کیا ہے۔ یہ جانور ہیں۔ ان میں تمہارے لیے ہماری قدرت کو سمجھنے کے بڑے سبق چھپے ہیں۔ ذرا غور کرو کہ جانور ذی حیات ہے، زندہ ہے۔ تم اسے ذبح کر کے کھاتے ہو۔ کیا یہ مقامِ حیرت نہیں کہ ایک ذی حیات کی گردن پر تم نے میرا نام لے کر چھری پھیر دی اور اس نے بھی جان دے کر اپنا مقصدِ حیات پا لیا کہ وہ بنایا ہی تمہارے کھانے کے لیے گیا تھا۔ تمہیں بدن کی طاقت بھی مل گئی اور حلال و جائز طریقے سے کھانے کا ثواب بھی ملا۔

ان جانوروں میں اللہ کی قدرت کا ایک اور مظہر بھی سامنے آتا ہے۔ جب تم اُنہیں ذبح کرتے ہو تو سوائے گوشت، خون اور گوبر کے، ان کے بدن میں کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن یہی جانور اپنی زندگی میں تمہارے لیے سیروں دودھ روزانہ مہیا کرتے ہیں۔ یہ انتظام ہم نے تمہارے لیے کیا ہے۔

نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهَا ۔۔۔کہ جو اُن کے پیٹوں میں ہے، اس میں سے ہم تم کو (دودھ) پلاتے ہیں۔ ہم خون اور گوبر والے بدن سے تمہارے لیے دودھ نکالتے ہیں جسے تم پیتے ہو اور مختلف طریقوں سے استعمال کرتے ہو۔ جس جانور سے آٹھ، دس سیر دودھ روزانہ حاصل کرتے ہو، اسے ذبح کرتے ہو تو اس میں کتنا دودھ نکلتا ہے؟ گوشت، خون ہوگا یا گوبر ہوگا۔ اسی گوبر اور خون سے ایسے اجزاء اور خلیے الگ کر کے، انہیں خاص رگوں اور غدودوں میں بھیج کر اس کا دودھ بنا دیتے ہیں جسے تم نکال کر پیتے ہو۔ یہ بہترین غذا ہے، یہ شفا بھی ہے، دوا بھی ہے۔ حکماء کا کہنا ہے کہ یہ مکمل غذا ہے۔

پھر صرف یہ ہی نہیں کہ جانوروں سے تم گوشت دودھ ہی حاصل کرتے ہو بلکہ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ اور تمہارے لیے اُن میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور تم ان میں سے (بعض کو) کھاتے بھی ہو۔ تم مویشیوں سے بہت سے اور فائدے بھی اٹھاتے ہو۔ کسی کا گوشت کھاتے ہو۔ کسی کی کھال سے جوتے، کپڑے اور خیمے وغیرہ بناتے ہو۔ اُن کے بالوں سے رسیاں بٹتے ہو۔ اُن کی اون سے گرم لباس بنتے ہو۔ اُنہیں بیچ کر منافع حاصل کرتے ہو۔

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ﴿۲۲﴾ اور اُن (جانوروں) پر اور کشتی (بحری جہاز) پر تم سوار ہوتے ہو۔ پھر بعض جانور تمہاری سواری و بار برداری کے کام آتے ہیں۔ ہر لحاظ سے تمہارے کام آنے والے یہ جانور ایسے ہی اللہ کی مخلوق ہیں جیسے کہ تم ہو۔لیکن اللہ نے تمہیں یہ رتبہ، یہ برتری عطا فرمائی ہے کہ باقی ساری مخلوق حیوانات، نباتات و جمادات سب کے سب وَ لَكُمْ فِيهَا۔۔۔تمہارے فائدے کے لیے پیدا کیے پھر تمہیں ان جانوروں، پرندوں کو دیکھ کر نئی چیزیں ایجاد کرنے کا شعور بخشا گیا۔آبی پرندوں کو سطح آب پر تیرتا دیکھ، مچھلیوں کو تیرتا دیکھ کر تم نے کشتیاں بنالیں بحری جہاز بنا لیے۔اللہ کی عطا کردہ عقل اور قوتِ مشاہدہ سے پرندوں کو ہوا میں اڑتا دیکھ کر تم نے اندازہ لگایا کہ ہوا میں وہ اپنے پروں کو کس انداز سے پھیلاتے ہیں۔جسم کو کیسے اٹھاتے ہیں اڑتے ہوئے کیسے حرکت کرتے ہیں۔تم نے پرندوں سے سیکھ کر ہوائی جہاز بنا لیے۔ان ایجادات کا تصّور بھی اللہ کی مخلوق سے ملا۔

اللہ تعالیٰ کے اتنے بے شمار احسانات کے بعد کیا پھر بھی اس کی نافرمانی کرو گے؟ کب تک اس کی الوہیت، اس کی ربوبیت کا انکار کرو گے؟ کب تک اُس ذاتِ بے ہمتا سے غافل رہو گے۔اس نے تو تمہیں کفر و شرک سے بچانے کا بھی مکمل و مربوط نظام دیا ہے۔آدم علیہ السلام سے لے کر نبئ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلّم تک تمام انبیاء تمہاری ہدایت کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے مبعوث ہوتے رہے۔اب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا دین، آخری کتاب تا قیامت انسانیت کی رہبری کے لیے موجود رہے گی۔خوش نصیب ہیں وہ جن کو اس پر ایمان اور عمل کی توفیق نصیب ہوگی۔

# سورۃ المومنون رکوع 2 آیات 23 تا 32

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۖۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾

اور ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے (اپنی قوم سے) فرمایا اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں سو کیا تم (دوسروں کی پوجا سے) ڈرتے نہیں ہو؟ ﴿۲۳﴾ تو ان کی قوم میں جو کافر

امراء تھے (قوم سے) کہنے لگے یہ تو تم ہی جیسا آدمی ہے تم پر بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے اور اگر اللہ (کسی کو بھیجنا) چاہتے تو فرشتے اُتار دیتے ہم نے یہ بات اپنے اگلے باپ دادا میں تو سُنی نہیں ﴿۲۴﴾ بلکہ یہ ایک (ایسا) آدمی ہے جس کو جنون ہو گیا ہے سو ایک وقت (اس کے مرنے) تک اس کا انتظار کرو ﴿۲۵﴾ انہوں نے عرض کیا اے میرے پروردگار! ان لوگوں نے مجھے جھٹلایا ہے تو آپ میری مدد فرمایے ﴿۲۶﴾ تو ہم نے ان پر وحی بھیجی کہ ہمارے سامنے اور ہمارے حکم کے مطابق کشتی بنائیں پھر جب ہمارا حکم (عذاب) آپہنچے اور (اس کی نشانی یہ ہے) تنور (تک پانی سے) جوش مارنے لگے تو سب (قسم کے حیوانات) میں سے جوڑا جوڑا (نر و مادہ) اس میں سوار کرلیں اور اپنے گھر والوں (ماننے والوں) کو بھی ان میں سوائے ان کے جن کی نسبت (ہلاک ہونے کا) حکم پہلے ہو چکا اور غلط کاروں کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہیے گا، وہ ضرور غرق کیے جائیں گے ﴿۲۷﴾ پھر جب آپ اور آپ کے ساتھی کشتی میں بیٹھ جائیں تو کہیں اللہ کا شکر ہے جس نے ہم کو ظالم لوگوں سے نجات عطا فرمائی ﴿۲۸﴾ اور دعا کریں کہ اے میرے پروردگار! مجھ کو برکت سے اتاریے اور آپ سب سے بہتر اتارنے والے ہیں ﴿۲۹﴾ یقیناً اس (واقعہ) میں بہت سی نشانیاں ہیں اور ہم ضرور (یہ نشانیاں دکھا کر) آزمائش کرتے ہیں ﴿۳۰﴾ پھر ہم نے ان کے بعد ایک اور گروہ پیدا فرمایا ﴿۳۱﴾ پھر ان میں ان ہی میں سے ایک پیغمبر بھیجے (جنہوں نے ان سے فرمایا) کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ سو کیا تم ڈرتے نہیں؟ ﴿۳۲﴾

# تفسیر و معارف

فرمایا: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ ۔۔۔ ہم نے نوح علیہ السلام کو اُن کی قوم کے پاس (نبی بنا کر) بھیجا۔

ہر قوم کے پاس آنے والا نبیؑ ہمیشہ اسی قوم کا فرد ہوتا ہے۔ نوح علیہ السلام اپنی قوم کی طرف مبعوث کیے

گئے۔ ہر نبیؑ کی طرح اُن کا پیغام بھی یہی تھا: فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ تو اُنہوں نے (اپنی قوم سے) فرمایا، اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ کیا تم (دوسروں کی پوجا) سے ڈرتے نہیں؟

## عبادت کا مستحق صرف اللہ ہے:

انہوں نے فرمایا، اے (میری) قوم! صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو کہ عبادت کا مستحق صرف اور صرف وہ ہی ہے۔ وجود سے لے کر زندگی کی جتنی نعمتیں تمہارے پاس ہیں، وہ اس ربّ کریم کی عطا ہے۔ تمہیں زندگی دینے اور پھر اسے قائم رکھنا والا صرف اللہ ہے اس لیے وہ اکیلا عبادت کے لائق ہے۔ دوسری کوئی ہستی اس جیسی نہیں کہ جس کی عبادت کی جائے اَفَلَا تَتَّقُوْنَ۔۔۔ کیا تمہیں اپنے کردار اور اس کے انجام سے ڈر نہیں لگتا؟ کیا تم نے اس کے متعلق کبھی نہیں سوچا؟ کیا تم میں دانشمندی، ہوشمندی نہیں کہ اپنے بھلا برا سوچ سکو؟ ذرا سوچو کہ تم کیا کر رہے ہو اور اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟

نوح علیہ السلام۔ اپنی قوم، اپنے معاشرے میں نو سو پچاس برس رہے اور مسلسل تبلیغ کرتے رہے۔ حق کی طرف بلاتے رہے۔ نو سو پچاس سال کی کوشش کا حاصل یہ تھا کہ اس معاشرے میں سے اَسّی بیاسی مرد، عورتیں اور بچے ایمان لائے جو اُس کشتی میں سوار ہوئے۔ مفسرینِ کرام ان کی تعداد کچھ کم وبیش بتاتے ہیں، بہرحال وہ سو سے کم تھے۔ باقی قوم مذاق اُڑاتی رہی، ایذا دیتی رہی۔ لوگ مار مار کر تھک جاتے تھے۔ آپ علیہ السلام بے ہوش ہو جاتے لیکن ہوش آتے ہی پھر تبلیغ پر چل نکلتے تا آنکہ اللہ کریم نے کشتی بنانے کا حکم دے دیا۔

ایک وقت آیا کہ آپؑ نے بددعا کی کہ اے اللہ! یہ لوگ نہیں مانیں گے۔ اب ان کو ختم کر دے وگرنہ یہ تیری زمین کو ہمیشہ کفر سے بھرا رکھیں گے۔

رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ اے رب! روئے زمین پر کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑ۔ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ (نوح:26,27)

اگر آپ نے انہیں چھوڑ دیا تو یہ بندوں کو بے راہ کریں گے اور ان کی نسلیں بھی بدکار کافر ہوں گی، یہ گمراہی کو اس درجہ دل میں جگہ دے چکے ہیں کہ اس کا اثر ان کی اگلی نسلوں میں بھی منتقل ہوگا۔ ان کی اولادیں بھی بدکار اور کافر ہی ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بددعا قبول کی اور فرمایا کہ پھر ایک کشتی بناؤ، میری راہنمائی میں، میرے حکم کے مطابق بناؤ۔ اللہ کریم نے درخت اُگا دیے۔ درختوں سے تختے تراشے گئے لوہے سے میخیں بنائی گئیں۔ کشتی کا نقشہ بنایا

گیا۔ پھر وحیٔ الٰہی کے ذریعے راہنمائی کی گئی اور کشتی تیار ہونے لگی۔ قوم کے صاحب حیثیت اور سر کردہ لوگ وہاں سے گزرتے تو مذاق اڑاتے کہ ہم تو صحرا میں رہتے ہیں جہاں پینے کا پانی بمشکل میسر آتا ہے، یہ صاحب کیا ریت پر کشتی چلائیں گے؟

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۔۔۔تو اُن کی قوم کے کافر امراء (قوم سے) کہنے لگے، یہ تو تم ہی جیسا آدمی ہے۔

ان کی قوم کے سربرآوردہ لوگ جیسے آج کل ہمارے بااثر سیاسی اور سماجی شخصیات ہوتی ہیں، کہنے لگے یہ شخص جو اللہ کا نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، یہ تو ہمارے جیسا ہی انسان ہے۔ جیسے ہم انسان ہیں، ویسے ہی یہ بھی انسان ہے۔ اسے بھی بھوک لگتی ہے یہ بھی پانی پیتا ہے، سوتا جاگتا ہے، لباس پہنتا ہے۔ اسے چوٹ لگے تو درد ہوتا ہے زخم لگے تو خون بہتا ہے۔ یہ تو ہم جیسا ہی ایک بشر ہے۔

وہ لوگ اپنے جیسے انسان کو نبیؐ ماننے پر تیار نہ تھے۔ صدہا صدسال گزر گئے مگر یہ خیال آج بھی کسی نہ کسی شکل میں بہت سے ذہنوں میں موجود ہے۔ یہ فتنہ ایک نئی صورت میں سامنے آیا ہے۔ نبوت کو تو تسلیم کیا جاتا ہے لیکن کہتے ہیں کہ نبیؐ بشر نہیں ہوسکتا۔ پہلی قومیں بشر کو بشر تو مانتی تھیں لیکن اسے نبی تسلیم نہیں کرتی تھیں۔ آج کے لوگ نبیؐ کو نبی تو مانتے ہیں لیکن اُسے بشر تسلیم نہیں کرتے۔ انہیں خدا کا خوف کرنا چاہیے! یہ سعادت اولادِ آدم کے حصے میں آئی کہ تمام انبیاؑ عالم بشریت میں پیدا ہوئے۔ والدین کے ذریعے دنیا میں تشریف لائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے والد نہ تھے کہ وہ قدرتِ باری سے پیدا ہوئے لیکن والدہ ان کی بھی تھیں۔

نبیؐ کو بشر تسلیم نہ کرنے کی شاید ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لوگ جب اپنا کردار دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم بشر ہیں پھر نبیؐ کو بشر کہتے ہیں تو اپنا کردار پیشِ نظر ہوتا ہے۔ اُنہیں سوچنا چاہیے کہ نبیؐ تو خیر البشر ہوتا ہے جبکہ ہم تو شاید بشر ہیں بھی یا نہیں جیسا کہ قرآنِ کریم کہتا ہے اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۔۔۔(الاعراف:179) یہ لوگ چوپائے ہیں بلکہ اُن سے بھی گئے گزرے ہیں۔

یعنی یہ لوگ تو جانوروں چوپایوں کی طرح ہیں۔ کھایا پیا، گوبر کیا، نیند اڑائی پھر سے اٹھ کر کھانا شروع کردیا۔ ان میں انسانی اوصاف نہیں ہیں۔ بلکہ یہ تو چوپایوں سے بھی گئے گزرے ہیں کیونکہ چوپایوں کو تو اللہ نے پیدا ہی ایک چوپایہ کیا ہے جبکہ انہیں تو اللہ نے انسان بنایا، شعور و آگہی سے آراستہ کیا، بصیرت عطا فرمائی۔ اس کے باوجود یہ خود کو ایک حیوان کی سطح پر لے آئے۔

ایسے لوگ نبیؐ کی ذات کو اپنی ذات کے حوالے سے دیکھتے ہیں تو نبیؐ کو انسان ماننے سے انکار کردیتے ہیں

جبکہ نبیؐ کی ذات تو معیارِ بشریت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم تو سارے عالمِ انسانیت میں خیر البشر ہیں۔ فرشتے نوری مخلوق ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بشریت ان سے بھی لطیف تر ہے۔ شبِ معراج اپنے بشری وجودِ عالی کے ساتھ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم اُن بلندیوں، اُن عظمتوں پر پہنچے جہاں نوری مخلوق جا نہیں سکتی تھی۔

منکرین نے کہا: يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۔۔۔ تم پر بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ جیسے تم ہو یعنی بشر ہو، ویسا ہی بشر یہ بھی ہے لیکن لگتا ہے کہ دین کو سیڑھی بنا کر تم پر حکمرانی کرنا چاہتا ہے۔ مذہب کی آڑ میں تم پر حکمرانی کرنا چاہتا ہے کہ تم اس کے دین کے پیروکار ہو جاؤ تو یہ خود بخود بادشاہ بن جائے۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۔۔۔ اور اگر اللہ (کسی کو بھیجنا) چاہتے تو فرشتے اتار دیتے اگر اللہ نے کوئی پیغام بھیجنا ہوتا تو کسی فرشتے کو دے کر بھیجتے۔ یہ شخص تو بالکل ویسا ہی آدمی ہے جیسے کہ ہم ہیں۔

مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝٢٤ ہم نے یہ بات اپنے اگلے باپ دادا میں تو نہیں سنی۔ ہم نے اپنے پہلے باپ دادا میں یہ بات نہیں سنی کہ اس طرح کوئی بندہ نبی بن گیا۔ یعنی ان کا خیال تھا کہ جو انسان کھاتا پیتا، سوتا جاگتا ہے۔ انسانی زندگی گزارتا ہے، وہ نبی کیسے ہوسکتا ہے۔

بات ہو رہی تھی قومِ نوح کے بااثر لوگوں اور اُن کی نبیؐ کے متعلق غلط سوچ کی۔ ان کا خیال تھا کہ ہم جیسا یہ بشر کہیں دین کو ذریعہ بنا کر ہم پر حکومت تو کرنا نہیں چاہتا۔ مذہبی حوالے سے اپنے آپ کو بڑا بنانا تو نہیں چاہتا؟ پھر اگر اللہ چاہتا کہ وہ انسانوں کو پیغام بھیجے تو وہ کوئی فرشتہ بھیج دیتا۔ ان کی اس بات کا جواب بھی قرآن مجید نے دوسری جگہ پر دیا ہے کہ اگر زمین پر فرشتے آباد ہوتے تو اُن کے لیے نبی بھی فرشتوں میں سے ہوتے۔ انسانوں کے پاس فرشتہ اگر اپنی اصلی ہیئت میں آتا تو انسان اسے دیکھ ہی سکتے نہ اُس کی آواز سن سکتے تو کیا فائدہ ہوتا۔ فرشتہ اگر انسانی شکل میں آتا تو اسے فرشتہ کون تسلیم کرتا۔ کافر فرشتے کو اس کی اصلی شکل دیکھ ہی نہیں سکتا اور مقصد تو کافر تک پیغام پہنچانا ہے۔

کہنے لگے: اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ۝٢٥ یہ تو ایک ایسا آدمی ہے جس کو جنون ہو گیا ہے اگر اسے اقتدار کا لالچ نہیں تو پھر اس پر کسی جن، آسیب کا سایہ ہو گیا ہے۔ پاگل پن میں نبوت کے دعوے کر رہا ہے۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝٢٦ انہوں (نوحؑ) نے عرض کیا اے میرے پروردگار! ان لوگوں نے مجھے جھٹلایا ہے تو آپ میری مدد فرمایئے، نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ فرمائی، مجاہدہ کیا، محنت کی، دلائل پیش فرمائے حتیٰ کہ معجزات پیش فرمائے لیکن ایسی بدنصیب قوم تھی اُنہوں نے مان کر نہ دیا۔ بالآخر جب وہ صدیوں تک انکار پر جمے رہے تو آپ علیہ السلام نے دعا فرمائی کہ اے میرے پروردگار! میری قوم نے تو میری تکذیب کر دی،

مجھے نبی ماننے سے انکار کر دیا۔ اب آپ میری مدد فرمایئے۔

اللہ کریم کی شان ہے! کائنات میں ہر لحاظ سے توازن برقرار رہتا ہے۔ جب تک یہ توازن قائم رہے، سب ٹھیک رہتا ہے۔ اگر یہ توازن بگاڑ دیا جائے تو پھر ہر شئے برباد ہو جاتی ہے۔ اب نوح علیہ السلام کی ساڑھے نو سو سال کی تبلیغ کے بعد ایمان لانے والے صرف اسی یا بیاسی مرد، خواتین، بچے، بوڑھے تھے۔ باقی ساری قوم کفر پر جم گئی تھی۔ انکار و تکفیر کرنے والی قوم میں بھی جب نبیؑ رہتا ہے، وہ قوم عذاب سے محفوظ رہتی ہے لیکن اگر اُنہیں اس قدر تنگ کیا جائے یا پریشان کیا جائے کہ وہ قوم سے الگ ہو جائیں اور جب انبیاء علیہم السلام یا اللہ کے نیک بندے الگ ہو جاتے ہیں تو پھر نری برائی آباد نہیں رہ سکتی۔ وہ قومیں، وہ بستیاں تباہ ہو جاتی ہیں۔

## پہلا بحری جہاز:

نوح علیہ السلام کی دعا کے جواب میں اللہ کریم نے اُنہیں ایک کشتی بنانے کا حکم دیا۔ فرمایا: فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا۔۔۔ تو ہم نے اُن پر وحی بھیجی کہ ہمارے سامنے اور ہمارے حکم کے مطابق کشتی بنائیں۔ تو فرمایا کہ ہم نے اُنہیں وحی فرمائی کہ آپ ایک بحری جہاز بنایئے۔ ایک بہت بڑی کشتی جو سمندر میں چلنے والی ہو اور اسے ہمارے روبرو بنائیں یعنی ہم چاہتے ہیں کہ جیسی ہم ارشاد فرمائیں۔ ویسی بنے۔ ہم بذریعہ وحی آپ کو بتاتے جائیں، آپ اس کے مطابق ایک جہاز تیار کیجیے۔ یہ صنعتِ جہاز سازی کی ابتدا تھی۔ پہلا بحری جہاز وحیء الٰہی کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کے ہاتھوں بنا۔ دنیا میں جتنی بھی چیزیں ایجاد کی گئیں۔ اگر ان کی تاریخ پر نظر کی جائے اور پیچھے جا کر دیکھا جائے تو ثابت ہو جائے گا کہ ہر ایجاد کی بنیاد وحیء الٰہی ہے اور خالق صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی ذاتِ پاک ہے جو اشیاء کو عدم سے وجود میں لاتا ہے۔ پھر جن چیزوں کو وجود عطا کرتا ہے، اُن کو ملا کر بنانے کے طریقے بھی وہ ہی تعلیم کرتا ہے۔

جب نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم ہوا، آپ ایک صحرا میں آباد تھے۔ اللہ کریم نے آپ کو طریقہ سکھایا۔ آپ نے درختوں کے تختے بنائے۔ کشتی بنانا شروع کی۔ آپ کی قوم کے لیے کشتی ایک نئی اور عجیب چیز تھی۔ وہ اس کا مذاق اُڑاتے خصوصاً جب ان لوگوں کو پتا چلا کہ یہ چیز پانی پر چلے گی۔ بہر حال ایک بہت بڑا بحری جہاز تیار ہو گیا۔

ارشاد ہوا: فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ۔۔۔ پھر جب ہمارا حکم (عذاب) آ پہنچے اور (اس کی نشانی یہ ہے) تنور (تک پانی سے) جوش مارنے لگے۔ اللہ کریم نے فرمایا کہ جب ہمارا حکم آیا تو تنوروں سے پانی اُبلنے لگا۔ آسمان سے بادل برسنے لگے زمین پر جگہ جگہ سے پانی ابلنے لگا حتیٰ کہ تنور بھی پانی اُگلنے لگے۔ مفسرینِ کرام میں سے بعض کا خیال ہے کہ 'تنور' کسی خاص جگہ کا نام ہے جبکہ بعض 'تنور' کو اسی تنور کے معنوں میں لیتے ہیں جس میں آگ جلا کر روٹی پکائی جاتی ہے۔ وہ تنور بھی قدرتِ الٰہی سے چشموں میں تبدیل ہو گئے۔ فرمایا کہ عذابِ الٰہی کی یہ ایک بڑی نشانی

ہوگی۔ یعنی جب تنور پانی اُگلے تو اے نبیؑ آپ ہر جانور کا ایک ایک جوڑا اس میں سوار کرالیں اور اپنے ماننے والوں کو بھی سوار کرالیں اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۔۔۔ سوائے اُن کے جن کی نسبت (ہلاک ہونے کا) حکم پہلے ہو چکا ہاں! وہ لوگ پیچھے رہ جائیں گے جن کے بارے میں حکمِ الٰہی جاری ہو چکا کہ وہ تباہ ہو جائیں گے۔ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۔۔۔ اور غلط کاروں کے بارے میں ہم سے کچھ مت کہیے گا۔ اور اب آپ اُن لوگوں کے لیے جنھوں نے ظلم کیا اور حق کا انکار کیا، دعا نہیں کیجیے گا۔ انبیاؑ کے دل اپنی امت کے لیے بہت نرم ہوتے ہیں۔ امتیوں کی لاکھ خطاؤں کے باوجود پھر نبیؑ سے اُن کے لیے دعا کی توقع ہی ہوتی ہے۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے اوپر پتھر برسانے اور ایذائیں دینے والوں کے لیے بھی ہمیشہ دعائے ہدایت ہی کی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں نوح علیہ السلام کو خاص طور پر منع فرمایا ہے کہ سیلاب میں ہلاک ہونے والوں کے لیے دعا نہیں فرمایے گا۔ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾ فیصلہ کیا جا چکا ہے کہ یہ غرق کیے جائیں گے۔ فرمایا: فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ ۔۔۔ پھر جب آپ اور آپ کے ساتھی کشتی میں بیٹھ جائیں۔

## ہر نعمت پر شکر واجب ہے:

اے نبیؑ! جب آپؑ اور وہ لوگ جو آپؑ کے ساتھ ہیں، کشتی پر سوار ہو چکیں تو کہیں فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۔۔۔ اللہ کا شکر ادا کریں۔ شکر ہر نعمت پر واجب ہے۔ ظاہر ہے کہ جب دنیا غرق ہو رہی ہے۔ بستیاں تباہ ہو رہی ہیں۔ ہر شے طوفان کی لپیٹ میں ہے اور ایسے وقت میں آپ کو اللہ نے کشتی میں پناہ دی ہے تو آپ اس کے لیے اللہ کا شکر ادا کریں۔ اس اللہ کا شکر ادا کریں الَّذِيْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾ جس نے ہم کو ظالم لوگوں سے نجات دلائی۔ آپ کو قوم کے ظالموں سے نجات دلائی۔ اللہ کا شکر اس لیے ادا کیجیے۔ کہیے کہ اللہ تیرا شکر ہے تو نے ہمیں اُن ظالم ڈھانے اور زیادتی کرنے والوں سے نجات بخشی۔

انسانی مزاج ایسا ہے کہ اس پر مادیت غالب رہتی ہے۔ انسان کا وجود کیونکہ مادّے سے بنا ہے اور نفس مادّہ کے ان اجزائے اربعہ سے مل کر بنا ہے جن سے انسانی وجود کی تعمیر ہوئی، اس لیے نفس کی اصل بھی مادّہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان مادّے کی طرف، مادیت کی طرف زیادہ متوجہ رہتا ہے سوائے ان خوش نصیبوں کے جن پر اللہ کا خاص کرم ہو۔ ایسے لوگ روح کی دوا و غذا کا اہتمام بھی کرتے ہیں، روح کی تربیت کی فکر کرتے ہیں اور ان پر مادیت کی نسبت روحانیت غالب ہوتی ہے۔ وہ بندہ جو مادیت اور روحانیت میں ایک توازن رکھے۔ زیادہ بھلائیاں کرے۔ روح کی غذا، دوا کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھے اور نیکیاں بڑھائے، اُس پر یقیناً اللہ کریم کا خاص کرم ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر حکم فرمایا کہ اے نوحؑ! جب آپ کشتی پر سوار ہو جائیں۔ پھر بھی مسبب الاسباب پر اسباب کی

نسبت زیادہ بھروسہ کیجیے۔ کشتی کی بجائے، اس مالک کا زیادہ شکرادا کریں جس نے کشتی کو بنانا سکھایا، جس نے آپؑ سے یہ کشتی بنوائی اور اس طوفان میں آپؑ کو کشتی پر سوار کیا اور پھر اسے اس سیلابِ بلا سے محفوظ رکھا۔ اسی کی بارگاہ میں عرض کیجیے۔ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿٢٩﴾ اور کہیے، اے اللہ ہمیں کسی بابرکت منزل پر اتار لیجیے آپ بہتر اتارنے والے ہیں۔

یعنی کشتی یا جہاز پر اس سفر کے کسی بھی مرحلے میں بھروسہ نہیں کیجیے بلکہ اس مسببُ الاسباب ہی پر توکل کریں اور دعا کریں کہ اے اللہ! تو ہماری دستگیری فرما اور ہمیں کسی مبارک جگہ، کسی مبارک سرزمین پر اتار دے جہاں ہم نئے سرے سے آباد ہوسکیں۔

انسانی فطرت ہے کہ انسان اسباب پر اٹک جاتا ہے۔ کوئی کامیابی مل جائے تو بس پھر اپنے ہی گُن گانے لگتا ہے کہ میں نے یہ کیا تو یوں ہوا وغیرہ۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر کام کے اسباب اللہ کریم پیدا فرماتے ہیں پھر اسباب پر نتائج بھی خود ہی مرتب کرتے ہیں۔ اللہ کریم جتنی کسی کو آسانیاں عطا کریں، اسے اتنا زیادہ شکرادا کرنا چاہیے اور اُس سے مزید خیر و برکت کی دعا کرتے رہنا چاہیے۔

فرمایا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿٣٠﴾ یقیناً اس (واقعہ) میں بہت سی نشانیاں ہیں اور ہم ضرور (یہ نشانیاں دکھا کر) آزمائش کرتے ہیں۔ اور فرمایا کہ یقیناً نوح علیہ السلام کے اس واقعہ میں بہت سی سبق آموز باتیں ہیں۔ بہت سی نشانیاں، نصیحت پکڑنے والوں کے لیے ہیں، عظمتِ الٰہی کی نشانیاں ہیں کہ اللہ ربّ العالمین ہے جس نے ایمان والوں کو طوفان سے بچایا، کفّار کے ظلم سے بچایا، کشتی میں محفوظ رکھا اور پھر بحفاظت زمین پر اتار کر پھر سے آباد کیا۔

اس کے بعد یہ بھی یقینی ہے کہ انسان کی آزمائش جاری رہے گی کہ وہ نعمتوں کے لیے ربّ کا شکرادا کرتے ہیں یا نہیں۔ نعمت کو اپنی کوشش کا نتیجہ سمجھنے کی بجائے ربّ کی عطا سمجھنا اور اس کا صحیح استعمال کرنا، دینے والے کی حمد و ثنا کرنا شکر کہلاتا ہے۔

فرمایا: ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿٣١﴾ پھر ہم نے ان کے بعد ایک اور گروہ پیدا فرمایا۔ پھر اُن (قومِ نوح) کے بعد ہم نے بڑی بڑی قومیں پیدا فرمائیں۔ خاندان بنے پھر اقوام بنیں، حکومتیں، ریاستیں بنیں اور یوں یہ معمورۂ عالم آباد ہوگیا۔ طوفانِ نوح میں زمین پر جہاں جہاں انسانی آبادی تھی، غرقِ آب ہوگئی۔ کشتی پر سوار اہلِ ایمان کے سوا کوئی نہ بچ سکا۔ پھر ان لوگوں میں سے بھی سوائے حضرت نوحؑ کے کسی کی نسل آگے نہیں چلی۔ اسی لیے اُنہیں آدمِ ثانی کہا جاتا ہے۔ یہ بڑی بڑی قومیں، حکومتیں اور ریاستیں نوح علیہ السلام

کے بیٹوں کی اولادیں تھیں۔دنیا کے آباد ہوجانے کے بعد فَاَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ۔۔۔پھر ہم نے ان کی طرف، اُن ہی میں سے رسول بھیجے، آبادیاں قائم ہونے کے بعد ایک بار پھر رُشد و ہدایت کا کام نئے سرے سے شروع کر دیا گیا اور اُن قوموں، قبیلوں میں انبیاؑ مبعوث کیے گئے جو انہی قوموں قبیلوں کے فرد تھے۔اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ۔۔۔(جنھوں نے ان سے فرمایا) کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔

ہر نبی کی تعلیم کی بنیادی بات یہ تھی کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔اللہ کے علاوہ کوئی ہستی اس قابل نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے۔اللہ کے سوا جو کچھ بھی اس کائنات میں ہے، وہ مخلوق ہے۔مخلوق اپنے وجود کے لیے محتاج ہے،اپنی ذات میں محتاج ہے، اپنی بقا کے لیے محتاج ہے۔جو ہر لحاظ سے خود محتاج ہے، وہ عبادت کروانے کا حق دار کیسے ہوسکتا ہے۔اسے تو خود اس ذات کی عبادت کرنی چاہیے جس کا وہ محتاج ہے کو خالق کے سامنے سربسجود ہونا چاہیے۔عبادت صرف اس کی کرنی چاہیے جس کی بندگی اس کائنات کا ہر ذرّہ کر رہا ہے۔اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ پس کیا تم ڈرتے نہیں؟

کیا تمہیں اے انسانو! اپنے اور اپنے اللہ کے درمیان کے تعلق کے معاملے میں ڈر نہیں لگتا؟ اس نے تمہیں زندگی دی، وجود بخشا، شکل وصورت، رزق دیا۔اولاد، عہدے، دولت دی۔کیا تمہیں اس بات سے ڈر نہیں لگتا کہ وہ کریم اللہ جو ہر لحاظ سے میرا محسن ہے، میری نافرمانیوں سے کہیں میرا اُس کا تعلق بگڑ نہ جائے۔اس تعلق کے خراب ہونے سے ڈرو اور ہمہ وقت اس کی رضا تلاش کرو۔

## سورۃ المومنون رکوع 3 آیات 33 تا 50

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ
وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَأْكُلُ مِمَّا
تَأْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ ۙ
اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿٣٤﴾ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا
اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿٣٥﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿٣٦﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا
الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿٣٧﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ افْتَرٰى عَلَى
اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٣٨﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿٣٩﴾ قَالَ
عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿٤٠﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ
غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤١﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا
اٰخَرِيْنَ ﴿٤٢﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿٤٣﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا
رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا
وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٤٤﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى
وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٤٥﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ
فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿٤٦﴾ فَقَالُوْا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا
وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿٤٧﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿٤٨﴾ وَلَقَدْ
اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿٤٩﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ اٰيَةً

وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾

اور ان کی قوم کے سرداروں نے جو کافر تھے اور آخرت کی ملاقات کو جھوٹ سمجھتے تھے اور ہم نے ان کو دنیا کی زندگی میں دولت بخشی تھی، کہا یہ تو تمہاری ہی طرح ایک آدمی ہے جیسا تم کھاتے ہو ویسا یہ بھی کھاتا ہے اور جیسا (پانی) تم پیتے ہو ویسا یہ بھی پیتا ہے ﴿۳۳﴾ اور اگر تم اپنے جیسے ایک آدمی کے کہنے پر چلنے لگو تو بے شک تم گھاٹے میں پڑ گئے ﴿۳۴﴾ کیا یہ تم سے وعدہ کرتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم (دوبارہ زندہ کر کے زمین میں سے) نکالے جاؤ گے ﴿۳۵﴾ بہت ہی بعید ہے، بہت ہی بعید ہے جو بات تم سے کی جاتی ہے ﴿۳۶﴾ صرف یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے (اسی میں) ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم اٹھائے نہ جائیں گے ﴿۳۷﴾ یہ ایک ایسا شخص ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھ رہا ہے اور ہم اس کو ہرگز نہ مانیں گے ﴿۳۸﴾ انہوں نے دعا کی اے میرے پروردگار! انہوں نے مجھے جھوٹا کہا تو آپ میری مدد فرمایے ﴿۳۹﴾ فرمایا یہ تھوڑے ہی وقت میں پریشان ہو کر رہ جائیں گے ﴿۴۰﴾ سو ان کو ایک سخت آواز نے وعدۂ برحق کے مطابق آ پکڑا۔ پس ہم نے ان کو کوڑا کرکٹ (کی طرح پامال) کر ڈالا، سو (اللہ کی) مار ہو غلط کار لوگوں پر ﴿۴۱﴾ پھر ان (عاد وثمود) کے (ہلاک ہونے کے) بعد ہم نے اور امتوں کو پیدا فرمایا ﴿۴۲﴾ کوئی امت اپنے وقت سے نہ آگے جا سکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے ﴿۴۳﴾ پھر ہم نے اپنے پیغمبروں کو یکے بعد دیگرے بھیجا جب کسی امت کے پاس اس کا پیغمبر آیا تو انہوں نے اس کو جھٹلایا تو ہم بھی بعض کو (ہلاک کرنے میں) بعض کے پیچھے لاتے رہے اور ہم نے ان کی کہانیاں بنا دیں سو (اللہ کی) مار ہو ان پر جو (انبیاءؑ کے سمجھانے پر بھی) ایمان نہ لاتے تھے ﴿۴۴﴾ پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون (علیہما السلام) کو اپنی نشانیاں اور دلیلِ ظاہر دے کر بھیجا ﴿۴۵﴾ فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ سرکش لوگ تھے ﴿۴۶﴾ تو کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے

جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں اور ان کی قوم کے لوگ تو ہمارے خدمت گار ہیں ﴿۴۷﴾ غرض وہ لوگ ان دونوں کی تکذیب ہی کرتے رہے سو ہلاک ہونے والوں میں سے ہو گئے ﴿۴۸﴾ اور (ان کی ہلاکت کے بعد) ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب عطا فرمائی تا کہ وہ لوگ (بنی اسرائیل) ہدایت پائیں ﴿۴۹﴾ اور ہم نے مریم (علیہا السلام) کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) اور ان کی والدہ کو (اپنی) نشانی بنایا اور ایک اونچی جگہ پر لے جا کر رہنے کی جگہ دی جو رہنے کے قابل تھی اور جہاں (نتھرا ہوا) پانی جاری ﴿۵۰﴾

# تفسیر و معارف

جب کفار نے یہ اعتراض کیا کہ یہ نبی اور رسول (علیہ السلام) ہمارے جیسا ہی ایک انسان ہے تو اللہ کریم نے ان کے اعتراض کی قلعی کھول دی۔ صاف ظاہر ہے انسان کی ہدایت کے لیے جو نبیؑ آئیں گے وہ انسانوں میں سے ہی ہوں گے۔ اگر اللہ فرشتے کو بھیجتا تو فرشتہ کی نہ کوئی بات سن سکتا نہ سمجھ سکتا۔ انسان فرشتے کو نہ دیکھ پاتے نہ اس کی بات سن پاتے۔ اور اگر فرشتہ انسانی شکل میں آ کر بات کرتا تو پھر اس تکلف کی کیا ضرورت تھی انسان ہی کیوں نہ اللہ کا پیغام اللہ کے بندوں کو پہنچا دے؟ اگر زمین پر فرشتے بسا کرتے تو پھر نبیؑ بھی فرشتوں میں سے ہوتے لیکن یہ شرف اللہ نے انسانوں کو بخشا۔ اس قدر وضاحت کے باوجود کفار اپنی بات پر اڑے رہے۔

## گمراہی کے تین بڑے سبب:

فرمایا: وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ وَأَتْرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ ۙ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ ﴿٣٣﴾ اور ان کی قوم کے سرداروں نے جو کافر تھے اور آخرت کی ملاقات کو جھوٹ سمجھتے تھے اور ہم نے ان کو دنیا کی زندگی میں دولت بخشی تھی، کہا یہ تو تمہاری ہی طرح ایک آدمی ہے جیسا تم کھاتے ہو ویسا یہ بھی کھاتا ہے اور جیسا (پانی) تم پیتے ہو ویسا یہ بھی پیتا ہے۔

آیہء مبارکہ بتا رہی ہے کہ ان میں تین باتیں جمع ہو گئی تھیں۔ ایک تو ان کے پاس قوم کی قیادت تھی، معتبری تھی، بڑائی تھی، لوگ ان کے پیچھے چلتے تھے، اُن کی بات سنتے تھے۔ جس سے ان میں تکبر پیدا ہو گیا۔ انسان میں اپنی

بڑائی کا عنصر ایک بیماری ہے۔ بادشاہ سے لے کر گدا تک ہر بندے میں اپنی بڑائی اور برتری کا احساس ہے۔ یہ چیز ان کے لیے امتحان بن گئی تھی۔ دوسری چیز یہ تھی کہ وہ آخرت سے غافل تھے اور تیسری مصیبت ان کے لیے یہ بن گئی کہ اللہ نے انہیں دولتِ دنیا بھی دے دی۔ ان کا گمان یہی تھا کہ بس دنیا کی زندگی ہی ہے اور اس میں وہ بڑے کامیاب جا رہے ہیں۔ انہیں کمانے، کھانے، خرچ کرنے، شان بنانے اور شان بڑھانے نے مشغول کر رکھا تھا۔ اتنے محو تھے کہ آخرت سے بالکل بے خبر تھے۔

## آخرت سے غفلت نیکی سے محرومی کا سبب ہے:

قرآن حکیم نے گمراہی کے جو اسباب بتائے ہیں اس میں پہلا سبب انانیت ہے۔ یہ ایسی بیماری ہے جس میں بادشاہ سے لے کر گدا تک سب شامل ہیں۔ ہر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ بہت بڑی ہستی ہے۔ کسی جھگی والے، ریچھ نچانے والے کو دیکھ لیں۔ وہ بیٹیوں کو جہیز میں ریچھ دیتے ہیں۔ وہ بھی باہم تفاخر کرتے ہیں۔ ایک بڑے فخر سے کہتا ہے کہ میں نے بیٹی کو جہیز میں دو ریچھ دیے تھے۔ کوئی دوسرا دکھاؤ جس نے دو ریچھ دیے ہوں۔ یہ مانگ کر کھانے والوں کا حال ہے۔ ہر سطح اور ہر طبقے میں یہ بات موجود ہے کہ میں اس سے اچھا ہوں۔ یہی روش حق کو جھٹلانے کا باعث ہوتی ہے۔ بندہ تکبر میں مبتلا ہو کر حق کو جھٹلاتا ہے اور اپنی رائے کو ہی بہتر سمجھتا ہے۔ اگر اسے عظمتِ باری کا ادراک ہو جائے تو وہ اپنے مقام پر آ جاتا ہے۔ اللہ کی اطاعت کو اپنی رائے پر مقدم کر لیتا ہے۔

دوسرا سبب آخرت پر یقین نہ ہونا تھا۔ یہ آیت تو کفار کے حالات بتا رہی ہے لیکن ہمیں اس سے سبق حاصل کرنا ہے لہٰذا دوسروں کو چھوڑیے آج ہم اپنی زندگی کو دیکھیں۔ اپنی مصروفیات کو دیکھیں۔ آنکھ کھلتے ہی ہمیں یہ فکر ہوتی ہے کہ آج کیا، کیا کرنا ہے؟ کیا آئے گا، ضروریات اتنی ہیں، ان کا انتظام کرنا ہے۔ بچوں کی فیسیں، علاج معالجہ، اخراجات ہی اخراجات، ان کے لیے پیسے کا انتظام۔ اسی میں وقت تمام ہو جاتا ہے۔ کیا ہم نے کبھی یہ سوچا ہے کہ مجھے مر کر قبر میں، برزخ میں جانا ہے۔ وہاں کیا ہوگا، وہاں کی ضروریات کیا ہیں؟ ان باتوں کا خیال تک نہیں آتا۔ جنہیں اللہ نے صلوٰۃ اور روزہ کی توفیق دی ہے وہ بھی خانہ پری کرتے ہیں۔ کوئی پروا نہیں کہ بے دھیانی میں پڑھ لی، رکعتیں چھوٹ گئیں، مکمل ہی نہیں ہوئی۔ بڑا احسان کرتے ہیں کہ صلوٰۃ ادا کر لی۔ آخرت سے غفلت دراصل نیکی سے محرومی کا بڑا سبب ہے۔

آخرت کی فکر کرنے والے بھی اسی دنیا میں جیتے ہیں۔ یہی دانہ پانی کھاتے ہیں۔ اسی آب و ہوا میں رہتے ہیں۔ ان کے بھی بیوی بچے ہوتے ہیں والدین اور عزیز ہوتے ہیں۔ معاشرے میں رہتے بستے ہیں لیکن

وہ اپنے سارے کام اللہ کے حکم اور نبی علیہ السلام کے ارشاد کردہ طریقے کے مطابق کرتے ہیں۔اس اطاعت کا فائدہ یہ ہے کہ دنیا بھی اچھی گزرتی ہے اور آخرت مفت میں ملتی رہتی ہے۔ہمیں بتایا جارہا ہے کہ ہم جب اپنے دنیوی کام باتباع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کرتے ہیں تو کام تو وہ دنیا ہی کے ہوتے ہیں جیسے روزگار کمانا، بچے پالنا، معاشرے میں مل جل کر رہنا، بزرگوں کا احترام کرنا، خدمت کرنا۔جب اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کرتے ہیں تو کام بھی بہترین ہوتے ہیں اور آخرت ساتھ میں اللہ کا انعام ہو کر ملتی ہے۔اس میں یہ بات ضروری ہے کہ اپنی مرضی نافذ نہ کریں اللہ کے احکام نافذ کریں۔

## بغیر یقینِ آخرت مال بھی وبال ہے:

گمراہی کا تیسرا بڑا سبب مالدار ہونا ہے۔ہم سب غریبی سے نفرت کرتے ہیں لیکن غریبی بھی ایک طرح کی نعمت ہے۔بے شمار گناہ ایسے ہیں جن سے بندہ غریب ہونے کی وجہ سے بچ جاتا ہے۔غریبی بہت سے گناہوں سے بچا لیتی ہے۔وہی گناہ امیر آدمی آسانی سے کرسکتا ہے۔حق یہ ہے کہ بغیر یقینِ آخرت مال بھی وبال ہے۔آج تو لوگوں کے مزاج بدل گئے ہیں۔کسی کے پاس زیادہ دولت ہو تو کہتے ہیں اللہ اس پر بڑا راضی ہے۔معیار ہی الٹ گیا۔اللہ تو ایمان اور عملِ صالح پر راضی ہوتا ہے۔دولت تو اللہ نے بڑے بڑے کافروں، بدکاروں کو دی تھی۔فرعون، نمرود، ہامان اور قارون کو دی تھی۔فرعون کے تو غلام سونے کے کپڑے پہنتے تھے۔اس کے چوکیدار سونے میں لدے پھندے رہتے تھے۔تو کیا فرعون پر اللہ کی رحمت تھی؟ دولت دنیا جس قدر بڑھتی جائے اتنی ہی ذمہ داریاں بڑھتی جاتی ہیں۔اگر اللہ کی اطاعت نصیب ہو تو اس پر اللہ کا رحم و کرم ہوتا ہے وہ مال و دولت کے ذریعے بھلائیاں کرتا ہے اور اگر عظمتِ باری کا احساس نہ ہو تو امراء میں بہت اکڑ آجاتی ہے۔یہ اکڑ حق کو قبول کرنے سے مانع ہوتی ہے۔

قرآن حکیم ہر زمانے کے لیے ہے۔آیاتِ مبارکہ کے آئینے میں اپنا کردار دیکھنے اور اسے درست کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے تاکہ دنیا کی مہلت میں ہی اپنا کردار حق اور شریعت میں ڈھال لیں اور کفار کی روش سے بچ جائیں۔

فرمایا، اقتدار کا نشہ، آخرت سے بے خبری اور مال و دولت کی فراوانی ان تین مصیبتوں میں مبتلا ہو کر وہ کہنے لگے کہ نبی کون ہے، اس کی حیثیت کیا ہے؟ سوائے اس کے کہ جیسے تم انسان ہو ویسا یہ انسان ہے۔جیسے تم کھاتے پیتے ہو، زندہ رہنے کے لیے غذا کے محتاج ہو ویسا ہی یہ بھی ہے تو یہ نبی کیسے ہوگیا۔انہوں نے انکار کیا کہ یہ بشر ہے۔بشری حاجات وصفات رکھتا ہے تو بشر نبی نہیں ہوسکتا۔کفار نے نبیؑ کی بشریت کا انکار کر کے نبوت کا انکار کر دیا۔آج ایک طبقہ ایسا بھی موجود ہے جو کہتا ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو نبیؑ مانتے ہیں لیکن نبیؑ بشر

نہیں ہو سکتا گو یا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی بشریت کو نہیں مانتے ۔ ایسا کہنے والوں نے بشریت کا انکار کر کے نبوت کا انکار کر دیا۔ بشر کے بغیر تو کسی کو نبوت ملی ہی نہیں۔ شاید یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جیسے وہ خود بشر ہیں ویسے ہی نبیؑ بشر ہیں اس لیے نبیؑ کی بشریت کا انکار کر دیتے ہیں۔

حق یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی بشریت مثالی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم معیارِ بشریت ہیں۔ جو جتنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا اتباع کرتا ہے اتنا وہ بشر ہے۔ حقیقی بشر صرف اللہ کے نبیؑ ہوتے ہیں۔ باقی جنھوں نے نبیؑ کی غلامی کا حق ادا کیا وہ انسان ہے۔ یہی انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا سبب ہے کہ اللہ نے انبیاؑ انسانوں میں سے مبعوث فرمائے۔

انسان کی سوچ، فکر، عقیدہ اور کردار اگر یہ معیارِ انسانیت یعنی انبیائے کرامؑ کے معیار پر پورے اترتے ہوں تو وہ انسان ہوتا ہے ورنہ حیوان بن جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے: اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔۔۔ (الاعراف:179) یہ لوگ چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی گئے گزرے۔

اگر انسان دنیا کی ہوس میں دین کی پروانہ کرے تو یہ درندوں جیسا کام ہے کہ وہ پیٹ بھرنے کے لیے کسی کی پروا نہیں کرتے نہ کسی چھوٹے جانور کو چھوڑتے ہیں نہ بڑے کو۔ انسان کا بھی اگر بھوک مٹانے کے لیے، خواہشات نفسانی کے لیے، حصولِ زر کے لیے کوئی معیار نہ ہو تو وہ کسی بھی درندے سے بدتر ہو جاتا ہے۔

انسانی وجود کے اندر جو روح ہے اس کی شکل اس کی خصلتوں جیسی ہو جاتی ہے۔ صوفیائے کرام میں سے جنہیں رویتِ اشکال کا مراقبہ نصیب ہو وہ بتاتے ہیں کہ کیسی بد خصلتوں کے حامل افراد کو کیسے جانوروں کی شکل پر دیکھا جا سکتا ہے۔ شراب خور عموماً خنزیر کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ علمائے تصوف فرماتے ہیں کہ جس کی شکل حلال جانور پر ہو اس میں کم از کم ایمان تو ہے۔ اس کی نجات کی توقع ہے اور جس کی شکل کسی حرام جانور کی طرح ہو جائے۔ کتا، ریچھ، بندر، سانپ یا خنزیر کی ہو جائے تو اس کی نجات کی بھی توقع نہیں رہتی کیونکہ انسانی شکل تب ہی مسخ ہوتی ہے جب ایمان بھی جاتا رہتا ہے۔

ایمان تو اللہ اور اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے اپنی رائے فنا کر دینے کا نام ہے۔ اپنے آپ کو بڑا سمجھنے والے کے لیے نبیؑ کو بڑا ماننا محال ہے۔ یہی انکارِ حق کی وجہ ہے۔ کفار کہنے لگے کہ تم اپنے جیسے ایک انسان کو بڑا مان لو گے تو تمھیں اس کی اطاعت کرنی پڑے گی۔ وہ سربراہ بن جائے گا تم اس کے پیروکار بن کر اس کی رعیت بن جاؤ گے۔ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ ۙ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ اور اگر تم اپنے جیسے ایک آدمی کے کہنے پر چلو گے

تو بے شک تم گھاٹے میں پڑ گئے۔

کہنے لگے، یہ تم کیا کر رہے ہو۔ اپنے ہی جیسے بندے کی اطاعت کر لو گے تو یہ بڑا گھاٹے کا سودا ہوگا۔ یہ بندہ تو ویسے بھی بہت عجیب باتیں بتاتا ہے۔ اَیَعِدُکُمْ اَنَّکُمْ اِذَا مِتُّمْ وَ کُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّکُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ کیا یہ تم سے وعدہ کرتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم (دوبارہ زندہ کر کے زمین سے) نکالے جاؤ گے۔

کفار کہنے لگے یہ ایسی باتیں کرتا ہے جو ناممکنات میں سے ہیں کہتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے، تمہاری ہڈیاں تک ریزہ ریزہ ہو جائیں گی تو تمہیں پھر سے زندہ کر کے کھڑا کر دیا جائے گا۔ یہ کتنے افسوس کی بات ہے۔ کتنے لوگ مرے ہیں، ہمارے آباء واجداد گزر گئے، کتنی نسلیں گزر گئیں کیا کوئی دوبارہ زندہ ہو کر آیا ہے؟ مرنے والوں میں سے کچھ لوگ جل گئے، کچھ کو درندے کھا گئے، کچھ سمندر میں غرق ہو کر مچھلیوں کی خوراک بن گئے تو پھر یہ کیسے زندہ ہوں گے؟

ایسا کہنے والے اپنے خالق، مالک اور ربّ کی عظمت سے آشنا نہیں ہیں۔ جس خالق نے انہیں پہلی بار پیدا فرمایا، یقیناً وہ قادر ہے کہ انہیں موت دے کر دوبارہ زندہ کر دے۔ یہ اپنی تخلیق پر ہی غور کر لیں تو سمجھ آ جائے۔ قدرت باری کس طرح انسانی غذا کو اس کے مقررہ فرد تک پہنچاتی ہے۔ مٹی کے ذرات سے اللہ کریم اناج، پھل، سبزی، غذا، دوا پیدا کرتا ہے۔ جس فرد کا حصہ ہے اس تک پہنچاتا ہے۔ پہلے باپ کے صلب میں محفوظ کر دیتا ہے پھر پیدا ہونے والے بچے کا حصہ ماں کے توسط سے اسے پہنچاتا ہے۔ کس باریکی سے یہ نظام چلتا رہتا ہے تو مر کر انسانی وجود مادے کی ہی کسی نہ کسی شکل میں موجود رہے گا۔ اس قادر کے لیے کیا مشکل ہے کہ انہی ذرات کو دوبارہ انسانی شکل میں ڈھال دے! قرآنِ پاک میں ارشاد ہے کہ اللہ نے تمام انسانوں کو جمع کر کے پوچھا: اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ۔۔۔ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ قَالُوْا بَلٰی۔۔۔(الاعراف:172) سب نے کہا بے شک آپ ہمارے پروردگار ہیں۔ یوم الست کو بھی تمام انسانی وجود مع ارواح کے جمع کیے گئے تو اللہ کریم کے لیے ہرگز مشکل نہیں کہ دوبارہ زندہ کرے۔ جو کام انسانوں سے نہیں ہو سکتا ہم سمجھتے ہیں کہ وہ ممکن ہی نہیں۔ ہم بندے اس کی مخلوق ہیں، عاجز ہیں وہ خالق ہے، ہر چیز پر قادر ہے۔ اس نے پہلے بھی سارے انسانوں کو جمع کیا اور بعد میں بھی وہ سب کو کھڑا کر لے گا۔

اللہ سے دوری انسان کو انسانیت سے عاری کر دیتی ہے۔ کہنے لگے: هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ بہت ہی بعید ہے، بہت ہی بعید ہے جو بات تم سے کی جاتی ہے۔ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا

نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾ صرف یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے (اسی میں) ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم اٹھائے نہ جائیں گے۔

گمراہی کا نتیجہ یہ ہے کہ بندہ حق قبول کرنے پر آمادہ ہی نہیں ہوتا۔ ان کی زبان پر بھی یہ بات جاری تھی کہ بس دنیا ہی ہے اور یہی حقیقی زندگی ہے۔ بندہ پیدا ہوتا ہے زندگی گزارتا ہے، مرجاتا ہے۔ بات ختم ہوگئی۔ کوئی دوبارہ زندہ نہیں کرے گا یہ بندہؐ (معاذ اللہ) جھوٹ کہہ رہا ہے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾ یہ ایک ایسا شخص ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھ رہا ہے اور ہم اس کو ہرگز نہ مانیں گے۔

## ایمان:

اس آیۂ مبارکہ سے پتا چلا کہ بدترین کافر بھی اللہ کو مانتے تھے۔ اللہ کے نبیؐ کا انکار کر رہے ہیں اور ساتھ یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص اللہ پر (معاذ اللہ) جھوٹ باندھ رہا ہے۔ گویا اللہ کو اللہ ماننا لیکن اپنی مرضی سے اس کی ذات وصفات بنالینا، ایسا ماننا ایمان نہیں۔ اللہ کو ماننا ویسے بھی عقلِ انسانی کی مجبوری ہے۔ وہ کسی نام سے مانے اسے ایک ایسی طاقت ماننا پڑتی ہے جو پیدا کرنے والی ہے اور کوئی اس کو پیدا کرنے والا نہیں۔ ایسی ذات ذاتِ حقیقی ہے۔ اس کی کوئی ابتدا نہیں کوئی انتہا نہیں اور وہ اللہ جل جلالہ ہے۔

ایمان یہ ہے کہ اللہ کو ویسا مانا جائے جیسا اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا ہے۔ ورنہ اللہ کو مان کر کفار، کافر کیوں رہے؟ قرآن بتا رہا ہے کہ وہ اس لیے کافر رہے کہ جیسا خود چاہتے تھے ویسا مانتے تھے۔ جیسا اللہ کے نبیؑ بتاتے تھے ویسا نہیں مانتے تھے۔

وہ تو کافر تھے جو اپنے نبیؑ کو جھٹلا رہے تھے اور وجودِ باری تعالیٰ کا اقرار کرنے کے باوجود نبیؑ کو مان کر نہ دے رہے تھے۔ آخرت اور اخروی حقائق کو قبول ہی نہ کرتے تھے۔ آج کے کلمہ گو کیوں برزخ کا انکار کر رہے ہیں؟ آج مسلمانوں میں سے بھی ایسے گروہ ہیں جو کہتے ہیں کہ قبر کا عذاب ثواب کوئی نہیں ہوگا۔ قیامت کو اٹھیں گے تو دیکھا جائے گا۔ قرآن نے تو برزخ کا تذکرہ کیا ہے اور بڑی وضاحت سے کیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برزخ کی ایک ایک تفصیل بتائی ہے۔ شبِ معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برزخ کا مشاہدہ فرمایا اور امت کو ان حقائق سے آگاہ بھی فرمایا۔

حق یہ ہے کہ دنیا میں مکلف بالذات بدن ہے اور روح بدن میں مستور ہے۔ جب وجود کو چوٹ لگے تو چوٹ بدن کو لگتی ہے لیکن دکھ روح کو بھی محسوس ہوتا ہے۔ برزخ میں روح مکلف بالذات ہو جاتی ہے اور بدن اس کے تابع ہو جاتا ہے۔ خواہ مرنے والا ذرّات میں بکھر جائے یا جل کر خاک ہو جائے، مادے کی کوئی نہ کوئی صورت باقی

رہتی ہے۔ مادّہ ختم نہیں ہوتا، کسی دوسری صورت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ جلا دیا جائے تو راکھ میں تبدیل ہو جائے گا، دفن کر دیا جائے تو خاکی ذرات میں تبدیل ہو جائے گا، پانی میں ڈوب جائے تو کسی مچھلی کی غذا بن جائے گا یا گل جائے گا لیکن مادّے کی کسی نہ کسی صورت میں باقی رہے گا۔ جو مادّہ جس روح کا جسم رہا ہو، وہ روح اگر عذاب میں ہو تو مادّے کے ذرات جہاں بھی ہوں ان تک عذاب پہنچتا ہے۔ اور اگر اللہ کی رحمت سے ثواب پا رہا ہو تو بدن کے مادّی ذرّات جہاں بھی ہوں انہیں راحت پہنچتی رہتی ہے۔

برزخ کے عذاب کے بارے قرآن حکیم میں ارشاد ہے: اُغۡرِقُوۡا فَاُدۡخِلُوۡا نَارًا ۔۔۔ (نوح:25) یعنی پانی میں غرق ہوئے اور آگ میں داخل ہو گئے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: اَلنَّارُ یُعۡرَضُوۡنَ عَلَیۡہَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا ۔۔۔ آلِ فرعون زندہ انسان غرق ہوئے تھے۔ ان میں روح بھی تھی اور ان کے بدن بھی تھے۔ دوسری آیت میں بتایا گیا کہ پانی میں غرق ہوئے اور آگ میں داخل ہو گئے۔ کیا پانی میں غرق ہونے والوں کے وجود سمندری جانور نہیں کھا گئے، کیا وہ سمندر میں گل سڑ کر نہیں رہ گئے۔ کیا ساری آلِ فرعوان باہر نکالی گئی؟ سوائے فرعون کی لاش کے اور تو کوئی لاش نکالی نہیں گئی تھی۔ اللہ کریم فرماتے ہیں پانی میں ان کے وجود کے جو ذرّات ہیں ان پر صبح و شام نئی آگ بھیجی جاتی ہے۔ سو برزخ کا اپنا معاملہ ہے۔ اسے ایسا ماننا پڑے گا جیسا قرآن منواتا ہے، جیسا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم منواتے ہیں۔ اگر اس کے عذابوں سے بچنا ہے تو ایمان اور عمل صالح سے اس کی تیاری کرنی پڑے گی۔

نبی علیہ السلام کی ساری محنت کے باوجود وہ لوگ اللہ کے دین کے مخالف ہی رہے۔ اپنے نبیؑ پر بہتان تراشی کی، انہیں ہر طرح سے ایذائیں پہنچائیں۔ جب ان لوگوں کی مخالفت حد سے بڑھ گئی تو نبی علیہ السلام نے اللہ کریم کو پکارا: قَالَ رَبِّ انۡصُرۡنِیۡ بِمَا کَذَّبُوۡنِ ﴿۳۹﴾ اُنہوں نے دعا کی اے میرے پروردگار! انہوں نے مجھے جھوٹا کہا تو آپ میری مدد فرمایے۔

یہاں اللہ کریم کا صفاتی نام ربّ استعمال ہوا ہے۔ پیدا کرنا، موت دینا، رزق دینا، پالنا، بڑھانا، گھٹانا یہ شانِ ربوبیت ہے۔ نبیؑ نے اللہ کریم کی شانِ ربوبیت کو آواز دی کہ اے میرے ربِّ کریم! ان کی گستاخیاں حد سے بڑھ چکی ہیں۔ یہ تیرے پیغام کی تکذیب کرتے ہیں اور مجھے جھوٹا بتاتے ہیں۔ اب ان کے مقابلے میں میری مدد فرما۔ پروردگارِ عالم کی طرف سے ارشاد ہوا: قَالَ عَمَّا قَلِیۡلٍ لَّیُصۡبِحُنَّ نٰدِمِیۡنَ ﴿۴۰﴾ فرمایا یہ تھوڑے ہی وقت میں پریشان ہو کر رہ جائیں گے۔

فرمایا، ان کے پاس بہت تھوڑی مہلت ہے، گنتی کے چند دن ہیں۔ بہت جلد یہ بہت زیادہ پچھتائیں گے۔

جب اللہ کی گرفت آجائے گی، جب عذاب الٰہی آئے گا، جب عذاب شروع ہوجائے گا، جب واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہوگا، توبہ کا وقت ختم ہو چکا ہوگا تب یہ بہت پچھتائیں گے۔

یاد رہے جو مرتے دم تک کفر پر قائم رہے تو موت کا عمل شروع ہونے پر، جب برزخ کھل جائے، فرشتے نظر آنے لگیں تو اس کے لیے توبہ کا وقت گزر چکا ہوتا ہے۔ فرعون نے بھی اس وقت کہا تھا کہ وہ اس پر ایمان لاتا ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے تو اس وقت اس کی توبہ قبول نہیں ہوئی بلکہ اسے بتا دیا گیا کہ ایمان لانے کا وقت عرصۂ دنیا تھا جب اللہ پر، اللہ کے نبیؑ پر ایمان لانے کا مطالبہ تھا۔ بن دیکھے آخرت پر ایمان لانا تھا۔

## ایمان کی برکت:

ایمان کی برکت یہ ہے کہ اگر بندہ توحید و رسالت، انبیاؑ اور الہامی کتابوں پر آخرت، قیامت، برزخ اور تمام ضروریاتِ دین پر ایمان رکھتا ہو تو خواہ کتنا ہی گناہگار ہو، عندالموت اللہ کی توفیق سے توبہ کرلے تو اس کی اس وقت بھی توبہ قبول ہوجاتی ہے۔ ایمان ایسی عظیم نعمت ہے کہ عین وقتِ موت جب برزخ بھی کھل جائے، فرشتے نظر آنے لگیں اور ایمان والا توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول ہوجاتی ہے۔

## اللہ سے بگاڑنے کا نتیجہ:

بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ بندے کو توبہ کی توفیق ہی نہیں ہوتی۔ گناہوں پر ڈٹ جانا، کبھی توبہ نہ کرنا، اس روش کے باعث ایسے حالات ہوجاتے ہیں کہ بندہ بگڑتے بگڑتے اللہ سے بگاڑ لیتا ہے۔ اللہ سے کوئی اتنا نہ بگاڑ لے کہ توبہ کا لفظ بھی اس کے منہ سے نہ نکلے۔ بندے کو چاہیے عظمتِ الٰہی کا احساس رکھے، اس کے لیے کوشش کرنے کو اپنی پہلی ترجیح بنائے۔ صحت اور جوانی میں، مال و دولت اور آسانی کے وقت عظمتِ الٰہی کا خیال رکھے تو عندالموت کی توبہ بھی قبول ہوسکتی ہے اور زندگی بھر کے گناہ اس توبہ سے معاف ہوسکتے ہیں۔ اللہ کی پناہ اگر اللہ سے بگاڑ لی ہو تو بندہ ایمان سے عاری ہوجاتا ہے اور کافر کی توبہ عندالموت قبول نہیں ہوتی۔

نبیؑ کی پکار کے جواب میں اللہ نے ان پر عذاب بھیج دیا۔ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

سو ان کو ایک سخت آواز نے وعدۂ برحق کے مطابق آپکڑا۔ پس ہم نے ان کو کوڑا کرکٹ (کی طرح پامال) کرڈالا ہو (اللہ کی) مار ہو غلط کار لوگوں پر۔

اس قوم کو ایک سخت آواز نے آلیا۔ ایک چنگھاڑ تھی جو ایسی گونجی کہ ہر ذی روح کے کلیجے پھٹ

گئے تڑپ کر مر گئے۔ ہم نے انہیں کوڑا کرکٹ بنا دیا۔ آواز اتنی تنیر تھی کہ ان کے سینے شق ہو گئے وجود ٹوٹ پھوٹ کر خس وخاشاک کی طرح بکھر گئے اس لیے کہ یہ ظالم لوگ تھے، ظلم کرتے تھے۔ ظلم کی تعریف ہے وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَحَلِّہٖ۔ کسی چیز کو وہاں رکھنا جو اس کی جگہ نہ ہو۔ کوئی کام اس طریقے سے کرنا جو جائز نہ ہو، مناسب نہ ہو۔ گویا ہر غلط کاری ظلم ہے خواہ وہ کام چھوٹا ہے یا بڑا۔ اگر کوئی چھوٹے چھوٹے ظلم دن رات، لمحہ لمحہ کرتا رہے تو کتنا بڑا پہاڑ بن جاتا ہے۔ وہ قوم تو خطا کاری کی حدود پھلانگ چکی تھی ان کے گناہ، ان کی سرکشی، ان کی بدکرداری وہ مظالم تھے جو انہیں اس انجام پر لے آئے کہ ان پر اللہ کی مار ہوئی۔ جس پر اللہ کی مار پڑتی ہے وہ اللہ کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے۔ کوئی جتنا رحمتِ الٰہی سے دور جاتا ہے اتنا غضبِ الٰہی کے اندر چلا جاتا ہے۔ رحمتِ الٰہی سے محروم ہو کہ غضبِ الٰہی کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ پھر ان (عاد وثمود) کے (ہلاک ہونے کے) بعد ہم نے اور امتوں کو پیدا فرمایا۔

فرمایا ہم نے تو نظامِ کائنات کو جاری رکھنا تھا، دنیا بسائے رکھنی تھی تو ہم نے اُن کے بعد اور قومیں پیدا کر دیں۔ روئے زمین پر اور لوگ آ گئے۔ دنیا میں کتنے ایسے لوگ تھے جو کہتے تھے کہ ان کے بغیر دنیا کا چلنا محال تھا، اب کہاں ہیں وہ لوگ؟ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ کوئی امت اپنے وقت سے نہ آگے جا سکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے۔

کوئی قوم، کوئی طبقہ اپنے وقت سے پہلے آتا نہیں اور جانے میں تاخیر کرتا نہیں۔ ہر ایک کا آنے اور جانے کا وقت مقرر ہے۔ ہر پیدا ہونے والا وقت پر پیدا ہوتا ہے۔ دنیا میں ہر کام کسی سبب سے ہی ہوتا ہے۔ جیسے بچے پیدا ہونے کے لیے علاج کروالیا۔ یہ درست ہے لیکن پیداوہ اپنے وقت پر ہی ہوتا ہے۔ کوئی اپنے وقت سے پہلے نہیں آتا اور کوئی اپنے وقت سے پہلے نہیں جاتا۔ ہر شئے کا اندازہ اللہ کریم کی طرف سے مقرر ہے۔ تمام قومیں اپنے مقررہ وقت پر آئیں، معین وقت پر دوسری قومیں آگئیں اور معمورۂ عالم آباد ہو گیا۔

## عظمتِ باری کا ادراک نہ رہے تو۔۔۔:

عظمتِ باری کا ادراک نہ رہے تو اپنی بڑائی کا غرور آ جاتا ہے۔ جو اپنی بڑائی میں مبتلا ہو جائے وہ حق کو ماننے سے انکار کر دیتا ہے اور ایسی گمراہی میں پڑ جاتا ہے جس کا انجام ہلاکت ہے۔ فرمایا: ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا

لِّقَوۡمٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ﴿۴۴﴾ پھر ہم نے اپنے پیغمبروں کو یکے بعد دیگرے بھیجا جب کسی امت کے پاس اس کا پیغمبر آیا تو انہوں نے اس کو جھٹلایا تو ہم بھی بعض کو (ہلاک کرنے میں) بعض کے پیچھے لاتے رہے اور ہم ان کی کہانیاں بنا دیں سو (اللہ کی) مار ہو ان پر جو (انبیاؑ کے سمجھانے پر بھی) ایمان نہ لاتے تھے۔

فرمایا، ہمارا کرم دیکھو، ہم نے ان میں مسلسل اپنے نبیؑ بھیجے۔ رسولوںؑ نے ان سے زبردستی نہیں منوایا کہ مانو ورنہ غرق کر دیے جاؤ گے بلکہ ہر بات کے لیے دلائل پیش کیے۔ انبیاؑ نے اللہ کی عظمت پر دلائل دیے، اس کے خالق، مالک، رازق ہونے پر دلائل دیے۔ پہلی قوموں کے کردار اور ان کے نتائج بیان کیے۔ اللہ کے قوانین فطرت کے اٹل ہونے پر دلائل پیش کیے۔ اللہ جل شانہٗ کی رحمت کے تذکرے کیے۔ اُس کے غضب سے ڈرایا لیکن عجیب بات ہے کہ اکثر لوگوں نے انبیاؑ کا انکار کیا۔ وجہ وہی تھی جس کا پہلے بیان ہوا کہ دنیا میں کچھ معتبری مل گئی تھی، دولتِ دنیا حاصل ہو گئی تھی جس کے غرور میں آ کر آخرت سے غافل ہو گئے۔

آج کے حالات دیکھ لیں کہ کوئی شخص مالدار ہو جائے، کچھ عہدہ مل جائے، کہیں اہمیت حاصل ہو جائے تو بندہ وہی ہوتا ہے لیکن ایسا مغرور ہو جاتا ہے کہ ارد گرد کسی کو جینے نہیں دیتا۔ دیکھا گیا ہے کہ دنیوی عہدے، معمولی معمولی سی معتبری مل جائے پھر وہ شخص اس عہدے سے ریٹائر بھی ہو جائے تو بھی اپنی اہمیت کے فریب میں مبتلا رہتا ہے۔ ہر بندے میں یہ بیماری ہے۔ اس کا علاج عظمتِ الٰہی کا حصول ہے اور عظمتِ الٰہی کا ادراک نہ رہے تو بندہ اپنی بڑائی کی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

## ایمان سے دوری دونوں جہانوں کی بربادی ہے:

فرمایا، جب امتوں کے پاس اللہ نے پے در پے اپنے نبی اور رسول علیہم السلام بھیجے اور اکثریت نے انکار ہی کو شعار بنا لیا تو اللہ نے بھی اپنے قانون کو دہرایا۔ جیسا ان سے پہلے منکرین کے ساتھ ہوا ویسا ان کے ساتھ بھی ہوا۔ قانونِ فطرت تو اپنا کام کرتا ہے وہ کسی کا طرف دار نہیں ہوتا۔ جنہوں نے اقرار کیا، ایمان لائے، اتباعِ رسالت کیا وہ عنداللہ سرفراز ہوئے۔ جنہوں نے انکار کیا وہ دنیا میں بھی رسوا ہوئے۔ یہ قانونِ الٰہی ہے کہ گناہ میں سکون نہیں۔ غلط کاری سے کوئی کتنا بھی امیر ہو جائے دل سے کوئی اس کی عزت نہیں کرتا۔ دنیا میں جو کوئی سکون، امن، آرام اور عزت سے جینا چاہتا ہے وہ اللہ کی اطاعت کرے۔ ایک غریب لیکن نیک انسان کو اللہ دنیا میں بھی باعزت زندگی دیتے ہیں، دنیا و آخرت کی سربلندی دیتے ہیں اور یہ دنیا و آخرت کا بہت بڑا اعزاز ہے۔ اللہ کریم بندوں کے عقیدے، اعمال و کردار کے انجام سے باخبر

فرما رہے ہیں کہ ہم نے اچھے لوگوں کو نیک انجام سے ہمکنار کیا اور بُرے لوگوں کو وہی انجام ملا جو ان سے پہلے بُروں کو نصیب ہوا تھا۔ بڑے بڑے نامور حکمران اور بڑی طاقتور قومیں محض قصّے کہانیاں بن کر رہ گئے۔ اللہ کی رحمت سے دور ہوئے جو انبیاؑ کے سمجھانے پر بھی ایمان نہ لائے۔ یقیناً بربادی ہے ایسے لوگوں کے لیے۔ ایمان سے دور رہنا سوائے بربادی اور تباہی کے اور کچھ نہیں۔

فرمایا: ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰی وَ اَخَاہُ ہٰرُوۡنَ ۬ۙ بِاٰیٰتِنَا وَ سُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۴۵﴾ پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں اور دلیلِ ظاہر دے کر بھیجا۔

## طریقۂ تبلیغ:

فرمایا: اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَ مَلَا۠ئِہٖ ۔۔۔ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف۔

موسیٰ اور ہارون علیہم السلام تو پوری قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ بنی اسرائیل اور قبطی دونوں کی طرف لیکن یہاں ارشاد فرمایا گیا کہ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجے گئے۔ اس سے طریقۂ تبلیغ متعین ہوا کہ جب کسی قوم یا طبقے سے بات کرنی ہو تو بات اس قوم کے رؤسا یا قبائل کے سرداروں سے کی جائے۔ انہیں قائل کرنے کی کوشش جائے۔ جو فیصلہ قوم کے سرداروں کا ہوگا، وہ اچھا ہو یا بُرا، لوگ ان کے پیچھے چلیں گے۔ ہر بندہ فیصلہ نہیں کرتا قوم کے لیڈر پر اعتماد کرتا ہے۔ لوگوں کی اکثریت پیروی کرنے والوں کی ہوتی ہے لہٰذا مبلغین کو بااثر اور صاحبِ اقتدار لوگوں پر محنت کرنا چاہیے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قریے، کسی آبادی میں تشریف لے جاتے تو ان کے سرداروں، اکابرین اور ذمہ دار لوگوں سے بات کیا کرتے۔

ایک عام آدمی پر جتنی بھی محنت کی جائے بالآخر اسے اپنے قبیلے کے کسی بڑے کی ہی بات ماننا پڑتی ہے۔ بڑے خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جن کے اکابرین دین دار اور نیک ہوں۔

تبلیغ کے لیے دوسری اہم بات یہ ہے کہ گناہ سے نفرت کی جائے، گناہگار سے نہیں۔ کسی کو گناہ میں مبتلا دیکھ کر اس سے نفرت نہیں کرنی چاہیے بلکہ جتنا ممکن ہو اسے نیکی کا راستہ دکھائیں۔ اگر بدکاروں سے متنفر ہو جائیں گے کوئی ان سے بات ہی نہیں کرے گا تو انہیں بھلائی کی طرف کون لائے گا؟ جس طرح ڈاکٹر مریض سے ہمدردی رکھتا ہے اور اس کے مرض سے مقابلہ کرتا ہے اسی طرح مبلغ کے دل میں گناہگار لوگوں کے لیے ہمدردی ہونا ضروری ہے۔ وہ انہیں اچھا سمجھے، ان کے لیے اس کے دل میں پیار ہو، گنجائش ہو۔ وہ نہایت اچھے طریقے سے بتا سکے کہ غلط کیا جا رہا ہے، صحیح کیا جائے۔

تیسری نہایت ضروری بات یہ ہے کہ انسانی معاشرے میں بات دلائل سے ثابت کی جاتی ہے مسلط نہیں کی جاسکتی۔ انسانی مزاج ایسا ہے کہ اسے قائل کرنا پڑتا ہے۔ زبردستی کرنے سے اس پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ وہ تبدیل نہیں ہوگا۔ جب بات دلائل سے کی جائے، سمجھا کر ذہن نشین کر کے کی جائے تو امید کی جاسکتی ہے کہ کسی کی رائے مثبت ہو جائے۔ اس کا کردار بھلا ہو جائے۔ اللہ کریم نے فرعون جیسے متکبر کے لیے بھی اپنی رحمت کو وا کیا۔ فرعون سے بُرا اور اس کی قوم قبطیوں سے بُرا کون ہوگا لیکن اللہ کریم نے انہیں اپنی رحمت سے محروم نہیں کیا۔ اپنے دو پیغمبر علیہم السلام معجزات دے کر، اپنی نشانیاں یعنی کتابِ ہدایت، عقلی اور نقلی دلائل دے کر فرعون اور اس کے اُمراء کی طرف روانہ فرمایا۔ فَاسْتَكْبَرُوْا ۔۔۔ انہوں نے تکبر کیا۔

## تکبر کیا ہے؟

خود کو دوسروں سے برتر سمجھنا۔ دوسرے کی رائے کو اہمیت نہ دینا خواہ بتانے والا حق بتا رہا ہو۔ ان منکرین نے بھی اپنے آپ کو بڑا سمجھا۔ اپنی رائے کو حق سمجھا۔ نبیؑ کی بات کی پروانہ کی۔ نبیؑ کی بات پر اپنی رائے کو برتر سمجھا۔ اللہ کے حکم، نبیؑ کے ارشاد کے مقابل اپنی رائے کو بہتر سمجھنا، اپنی مرضی کرنا تکبر ہے۔

فرمایا: وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ اور وہ سرکش لوگ تھے۔ یعنی وہ قوم ہی سرکشوں کی تھی۔ مصر پر فرعونوں کی حکومت چار سو سال رہی۔ جو بادشاہِ وقت ہوتا وہ فرعون کہلاتا کیونکہ فرعون اس کا لقب ہوتا تھا۔ فراعنہ مصر کا عہد تقریباً چار سو سال پر محیط ہے۔ اس دوران کئی فرعون آئے اور گئے۔ حتّٰی کہ موسیٰ علیہ السلام کے وقت جو فرعون تھا وہ آپؑ کی زندگی میں ہی مر گیا تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا جو موسیٰ علیہ السلام کا ہم عمر تھا اور انؑ کے ساتھ پلا بڑھا تھا وہ بادشاہ بنا۔ اس کا آپؑ سے مقابلہ ہوا اور وہ غرقِ دریا ہوا۔ آج جو لاش قاہرہ کے عجائب گھر میں رکھی ہے وہ اسی فرعون کی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مقابلے میں غرق ہوا تھا۔

اللہ کریم فرماتے ہیں، میرے نبیوں (علیہم السلام) نے فرعون سے براہ راست بات کی۔ اُسے دلائل دیے۔ معجزات دکھائے۔ اسے اور اس کے سرداروں کو اللہ کی عظمت کی طرف بلایا لیکن وہ اپنی رائے پر مصر رہے۔ وہ اپنی بڑائی میں پڑ کر متکبر ہی رہے اس لیے کہ سرکش قوم تھے۔ صدیوں سے اللہ کی نافرمانی، بغاوت اور سرکشی میں مبتلا رہے اور اسی پر جمے ہوئے تھے۔ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ تو کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں اور ان کی قوم کے لوگ تو ہمارے خدمت گار ہیں۔

تکبر کس طرح انسانی مزاج کو مسخ کر دیتا ہے کہ اللہ نے توان پر رحمت کی کہ انہیں ہدایت کا راستہ دکھانے کے لیے پیغمبرؑ بھیجے لیکن انہوں نے پیغمبروںؑ پر اعتبار نہ کیا۔ نبیوںؑ کو بڑا نہ مانا۔ وہ سرکشی کرتے کرتے خدائی کے دعویدار ہو چکے تھے۔ انہیں اپنی حکومت اور سرداری پر بڑا ناز تھا۔ اگر وہ نبیؑ مان لیتے تو انہیں نبیؑ کی اطاعت کرنا پڑ جاتی وہ مطیع ہو جاتے اور یہ انہیں گوارا نہ تھا تو انہوں نے جواباً کہا کہ ہم اپنے جیسے دو آدمیوں کو کیسے نبی (علیہ السلام) مان لیں یہ تو ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں اور ان کی قوم تو ہماری غلام ہے۔ ہم اپنے خادموں میں سے ان کو اپنا سربراہ بنالیں۔ ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ سوانہوں نے اللہ کی رحمت کو جو اللہ نے اُن کے گھر بھیج دی تھی اس کی تکذیب کر دی۔ ان کا تکبر آڑے آ گیا اور انہوں نے انکار کر دیا۔ فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنَ الْمُهْلَكِينَ ﴿٤٨﴾ غرض وہ لوگ ان دونوں کی تکذیب ہی کرتے رہے سو ہلاک ہونے والوں میں سے ہو گئے۔

ان کے اس انکار کا انجام تاریخ کے صفحات پر ثبت ہے۔ انہوں نے دیکھ بھی لیا، بھگت بھی لیا۔ ان کا انجام بنی نوعِ انسان کے لیے عبرت کا سامان بھی ہے کہ وہ محلات اور عیش و عشرت کو چھوڑ کر غرقِ دریا ہو گئے۔ تباہ ہو گئے۔ ان کا انجام درس دے رہا ہے کہ سربلندی اور عزت اللہ کی کبریائی تسلیم کرنے میں ہے۔ اتباعِ رسالت میں ہے۔ اتباعِ رسات سے باہر تباہی اور بربادی ہے۔ کوئی شخص گمراہ ہو کر سربلند نہیں ہوسکتا۔

## تمام الہامی کتابیں اپنے وقت کی کتابِ ہدایت تھیں:

فرمایا: وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿٤٩﴾ اور (اُن کی ہلاکت کے بعد) ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب عطا فرمائی تاکہ وہ لوگ (بنی اسرائیل) ہدایت پائیں۔

بنی اسرائیل پر اللہ کا کتنا احسان ہوا کہ انہیں امن نصیب ہوا۔ پھر ظالموں کی ہلاکت کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی تاکہ وہ لوگ عظمتِ الٰہی کو مدنظر رکھیں، کتابِ الٰہی کے مطابق اپنی زندگیاں تبدیل کر لیں اور ہدایت پائیں۔ ہر الہامی کتاب اپنے عہد میں کتابِ ہدایت تھی۔ اللہ کریم نے ہر قوم کی ہدایت کا سامان کیا لیکن لوگوں کی اکثریت نے دینِ حق کا انکار کر کے اپنے لیے ہلاکت کا سامان کیا ورنہ اللہ کریم کا مقصد کسی قوم کو ہلاک کرنا نہ تھا۔

یہ آیہ مبارکہ بتارہی ہے کہ اللہ نے انہیں کتاب ہدایت بھیجی تاکہ وہ ہدایت پاسکیں۔ اسی طرح ہمیں دیکھنا

ہے کہ کیا ہم قرآنِ حکیم کو اللہ کی کتاب ہونے کی عظمت دے رہے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر دنیا کی مشکلات اور مصیبتیں تو اپنے لیے ہم خود اکٹھا کر رہے ہیں۔

اللہ کریم نے بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے پھر عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ آپؑ اور آپؑ کی والدہ ماجدہ دونوں اللہ کی نشانی بنائے گئے۔ فرمایا: وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ۝٥٠ اور ہم نے مریم (علیہ السلام) کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) اور ان کی والدہ کو (اپنی) نشانی بنایا اور ایک اونچی جگہ پر لے جا کر رہنے کی جگہ دی جو رہنے کے قابل تھی اور جہاں (نتھرا ہوا) پانی جاری۔

اللہ کریم نے حضرت مریمؑ کو عیسیٰ علیہ السلام معجزانہ طور پر عطا فرمائے۔ بی بی مریمؑ پاکیزہ کنواری تھیں۔ بغیر کسی مرد کے دیکھے محض اللہ کی قدرت سے عیسیٰ علیہ السلام جیسا بیٹا آپؑ کے ہاں تولد ہوا۔ یہ دونوں پاک ہستیاں اللہ کی نشانی بنائی گئیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی والدہ ماجدہ کی گود میں کلام فرمایا۔ اپنی نبوت و رسالت کا اعلان فرمایا، احکام الٰہی ارشاد فرمائے۔ یہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود لوگوں نے قدر نہ کی بلکہ آپؑ کو ایذا پہنچانے کے درپے ہو گئے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ہم نے انہیں ایک بلند جگہ پر جہاں نتھرے ہوئے بہترین پانی کے چشمے تھے، جگہ عطا فرمائی۔

لوگوں کی ایذا سے بچا کر ان دونوں ہستیوں کو شاداب اور اعلیٰ زمین جو بلندی پر تھی میں پناہ عطا فرما دی۔

## سورۃ المومنون رکوع 4 آیات 51 تا 77

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
عَلِيْمٌ ؕ﴿۵۱﴾ وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾ فَتَقَطَّعُوْۤا
اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَذَرْهُمْ فِىْ
غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۵۴﴾ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۙ﴿۵۵﴾
نُسَارِعُ لَهُمْ فِى الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ
رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۙ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۵۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ
بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ۙ﴿۵۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى
رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۙ﴿۶۰﴾ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَا
نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾
بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِىْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا
عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ؕ﴿۶۴﴾ لَا
تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ قف اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِىْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ
فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ۙ﴿۶۶﴾ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖۗ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾
اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۙ﴿۶۸﴾ اَمْ لَمْ
يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۙ﴿۶۹﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ
بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ

السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾ حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾

اے پیغمبرو! (آپ اور آپ کی امتیں) پاکیزہ چیزیں کھائیں اور نیک کام کریں جو عمل آپ لوگ کرتے ہیں یقیناً ہم ان سے خوب واقف ہیں ﴿۵۱﴾ اور یقیناً یہ آپ (پیغمبروں) کی جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں آپ کا پروردگار ہوں، سو مجھ سے ڈرتے رہیں ﴿۵۲﴾ پھر ان لوگوں (کافروں) نے آپس میں (اپنے دین میں) اپنا طریقہ الگ الگ کر کے اختلاف پیدا کرلیا۔ ہر گروہ کے پاس جو (دین) ہے وہ اُسی پر خوش ہے ﴿۵۳﴾ سو آپ ان کو اسی جہالت (غفلت) میں ایک وقت (موت) تک رہنے دیجیے ﴿۵۴﴾ کیا یہ لوگ سوچتے ہیں کہ ہم ان کو (دنیا میں) جو مال اور بیٹوں سے نوازتے ہیں ﴿۵۵﴾ (تو اس سے) ہم ان کی بہتری میں جلدی کر رہے ہیں (نہیں) بلکہ یہ لوگ سمجھتے نہیں ﴿۵۶﴾ بے شک جو لوگ اپنے پروردگار کی ہیبت سے ڈرتے ہیں ﴿۵۷﴾ اور جو لوگ اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں ﴿۵۸﴾ اور جو لوگ (اس ایمان میں) اپنے پروردگار کے ساتھ شرک نہیں کرتے ﴿۵۹﴾ اور جو دے سکتے ہیں وہ (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں اور ان کے دل اس بات سے ڈرتے ہیں کہ انہیں اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے ﴿۶۰﴾ یہی لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور یہی ان (نیک کاموں) کے لیے دوڑ رہے ہیں ﴿۶۱﴾ اور ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کام کرنے کا

حکم نہیں فرماتے اور ہمارے پاس ایک کتاب (دفترِ اعمال) ہے جو سچ سچ بتا دیتی ہے اور ان کے ساتھ زیادتی نہ کی جائے گی ﴿۶۲﴾ بلکہ ان (کافروں) کے قلوب اس بات سے جہالت میں پڑے ہوئے ہیں اور اس کے علاوہ ان لوگوں کے اور (بُرے بُرے) اعمال بھی ہیں جو یہ کرتے رہتے ہیں ﴿۶۳﴾ یہاں تک کہ جب ہم ان کے دولت مند لوگوں کو (بعد موت) عذاب میں پکڑ لیں گے تو وہ تلملا اٹھیں گے ﴿۶۴﴾ (کہا جائے گا) آج مت چلّاؤ ہماری طرف سے تمہاری ہرگز مدد نہ ہوگی ﴿۶۵﴾ ہماری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر (رسول کی زبانی) سنائی جاتی تھیں تو تم الٹے پاؤں بھاگتے تھے ﴿۶۶﴾ تکبر کرتے ہوئے اس (قرآن) کا مشغلہ بناتے ہوئے (اور) بیہودہ باتیں بناتے ہوئے ﴿۶۷﴾ سو کیا انہوں نے اس کلام (قرآن) میں غور نہیں کیا یا ان کے پاس کچھ ایسی چیز آئی ہے جو ان کے اگلے باپ دادا کے پاس نہیں آئی تھی ﴿۶۸﴾ یا یہ لوگ اپنے پیغمبر (کی صفتِ دیانت وامانت) سے واقف نہ تھے پس (اس وجہ سے) وہ ان کے منکر ہو گئے ﴿۶۹﴾ یا یہ لوگ آپ کی نسبت جنون کے قائل ہیں (حالانکہ آپ کا صاحب الرائے ہونا مسلّم ہے) بلکہ (یہ رسول) ان کے پاس حق لے کر آئے ہیں اور ان (منکرین) کے اکثر حق کو ناپسند کرتے ہیں ﴿۷۰﴾ اور (بفرض محال) اگر دینِ حق ان کے خیالات کے تابع ہو جاتا تو تمام آسمان اور زمین اور جو ان میں (آباد) ہیں، سب تباہ ہو جاتے بلکہ ہم نے ان کے پاس ان کی نصیحت کی بات بھیجی سو یہ لوگ اپنی نصیحت سے بھی رُوگردانی کرتے ہیں ﴿۷۱﴾ کیا آپ ان سے (تبلیغ کے صِلے میں) کچھ مال طلب فرماتے ہیں پس دولت تو آپ کے پروردگار کی سب سے بہتر ہے اور وہ سب دینے والوں سے بہت اچھا ہے ﴿۷۲﴾ اور یقیناً آپ تو ان کو سیدھے راستے کی طرف بُلا رہے ہیں ﴿۷۳﴾ اور بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ (سیدھے) راستے سے ہٹتے جاتے ہیں ﴿۷۴﴾ اور اگر ہم ان پر رحم فرمائیں اور جو ان پر تکلیف ہے اس کو ہم دُور بھی کر دیں تو (بھی) اپنی سرکشی پر اڑے رہیں (اور) بھٹکتے

پھریں ﴿۷۵﴾ اور یقیناً ہم نے ان کو عذاب میں پکڑا تو انہوں نے اپنے پروردگار کے سامنے عاجزی (ظاہر) نہ کی اور نہ وہ عاجزی کرتے (ہی) ہیں ﴿۷۶﴾ یہاں تک کہ جب ہم ان پر سخت ترین عذاب کا دروازہ کھول دیں گے تو اس وقت وہ اس میں بالکل ناامید ہو جائیں گے ﴿۷۷﴾

# تفسیر و معارف

گزشتہ رکوع میں ان اقوام کا حال بیان ہوا جن پر عذاب آیا۔ اس گمراہی کے اسباب زیر بحث آئے۔ یہاں ایک اور وجہ بیان ہوئی۔

## افراد اور اقوام کے مزاج کیوں بگڑتے ہیں؟

لوگ آخر کیوں انبیائے کرام علیہم السلام کی عزت نہیں کرتے، معجزات اور دلائل دیکھنے کے باوجود گمراہی پر کیوں قائم رہتے ہیں، کتاب ہدایت کے باوجود ان میں بھلائی کیوں نہیں آتی؟ اس لیے کہ ان کی غذا صالح نہیں ہوتی۔ یہ حرام اور ناپاک کھاتے ہیں۔ اہل نظر علمائے کرام فرماتے ہیں کہ بندے کے مزاج کی تعمیر میں اسّی فیصد حصہ غذا کا ہوتا ہے۔ پندرہ فیصد مزاج اس کا ماحول اور معاشرہ بناتا ہے اور پانچ فیصد والدین کی تربیت کا حصہ ہے۔ اس کے لیے ایک اصول ارشاد فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾ اے پیغمبرو! (آپ اور آپ کی امتیں) پاکیزہ چیزیں کھائیں اور نیک کام کریں جو عمل آپ لوگ کرتے ہیں یقیناً ہم ان سے خوب واقف ہیں۔

## حلال و پاکیزہ رزق، عمل صالح کی بنیاد ہے:

غذا، حلال اور پاک ہوگی تو عملِ صالح کی توفیق اللہ کریم عطا فرمائیں گے۔ فرمایا طیب غذا کھاؤ اور نیک کام کرو۔ طیّب کے معنی ہیں حلال بھی ہو اور پاکیزہ بھی۔ حلال وہ کمائی ہے جو جائز ذرائع، شرعی طریقوں سے کمائی جائے۔ طیّب وہ غذا ہے جس میں کسی طرح کی کوئی ناپاکی شامل نہ ہو۔ غذا تعمیر بدن کے لیے ہے۔ اس سے ہڈیاں بنتی ہیں، خون بنتا ہے۔ وہی خون دل، دماغ، تمام اعضائے بدن میں گردش کرتا ہے۔ جب غذا حلال اور پاکیزہ ہوگی تو جو خون دل کو جائے گا وہاں پاکیزہ جذبات پیدا ہوں گے۔ دماغ کو جائے گا تو نیک خیالات جنم لیں گے۔ آنکھ، کان کو جائے گا تو پاکیزہ باتیں دیکھیں اور سنیں گے۔ تمام اعضاء کو جائے گا تو اعمال پاکیزہ اور کردار مثبت ہوگا۔

جب یہ اصول طے ہو گیا کہ حلال کھانے والے کے کردار میں نیکی آتی ہے اور حرام کھانے والے کے کردار میں برائی در آتی ہے تو پھر آج کا مسلمان اس حال کو کیسے پہنچا؟ آج ہم دنیا کے معاملے میں اندھے ہو چکے ہیں۔ ہمیں صرف دولت چاہیے خواہ کسی طرح ملے۔ رشوت، چوری، ڈاکہ سے ملے یا بد دیانتی سے ملے۔ جس اولاد کو حرام کھلا کر پالتے ہیں پھر وہ نافرمان اور گستاخ ہوتی ہے تو شکوہ کرتے ہیں، اللہ نے سود حرام کیا ہے آج سود وباء کی طرح عام ہے۔ بینکوں میں سود تھا اب عام لوگ کسی کو ادھار دیں تو پہلے طے کر لیتے ہیں کہ اتنے بڑھا کر واپس کرو گے۔ جب کھانا پینا، رہنا سہنا حرام سے ہو تو کردار لازماً بُرا ہو گا۔ آج ہماری قومی سطح پر یہ بے احتیاطی عام ہے کہ کھانے پینے میں ہم حلال، حرام کی پروا نہیں کرتے۔ مردار جانور، حرام جانور ہوٹلوں والے لے جاتے ہیں۔ جب نوبت یہاں تک پہنچ گئی تو پھر سود کو کون بُرا جانے۔

علمائے حق فرماتے ہیں کہ اگر کسی ایمان والے نے دھوکے سے، غلطی سے بھی حرام کھا لیا، بے احتیاطی سے حرام کھا لیا تو اس کے بدن میں جہاں جہاں یہ جزوِ بدن بنا وجود کا اتنا حصہ جہنم کی آگ میں جلایا جائے گا۔ اگر اس کی نجات ہو گئی تو بھی بدن کا جتنا حصہ حرام سے پرورش پایا تھا وہ جہنم میں ہی جلے گا۔ اس کے بعد اللہ اسے جنت میں بھیجیں گے۔ ارشادِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے:

كُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنْ حرامٍ فَالنَّارُ أَوْلَى به۔ انسانی بدن کا جو گوشت پوست حرام سے پرورش پایا اسے جہنم ہی سزاوار ہے۔

آج ناجائز ذرائع آمدن اتنے عام ہیں کہ عبادت گزار بھی اس کی پروا نہیں کرتے حالانکہ جانتے ہیں کہ شریعت مطہرہ نے حرام کمائی کی کس شدت سے ممانعت کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو مسلم شریف میں بیان کیا گیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص طویل سفر کرتا ہو، گرد و غبار سے اَٹا ہوا بیت اللہ پہنچتا ہے، اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرتا ہے، پکارتا ہے، یا رَبِّ، یا رَبِّ۔ اے ربّ، اے ربّ حالانکہ اس کا کھانا حرام کا ہے، اس کا پینا حرام کا ہے، اس کا لباس حرام کا ہے اور اس کی پرورش حرام سے ہوئی تو کیسے اس کی پکار کا جواب دیا جائے گا؟

اس آیۂ مبارکہ سے اس حکم کی اہمیت کس قدر واضح ہوتی ہے۔ فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا۔۔۔ یہاں انبیاؑ و رسل کو مخاطب فرمایا کہ حلال اور پاکیزہ غذا کھاؤ اور بہترین عمل کرو تو جب انبیاؑ کو حکم دیا جا رہا ہے اس کا مطلب ہے کہ کوئی دوسرا اس حکم سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اُمتی ہرگز اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ اور: اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿٥١﴾ یاد رکھو جو عمل بھی آپ لوگ کرتے ہیں، یقیناً ہم اس سے خوب واقف ہیں۔ انسان عمل کرتے ہوئے حضورِ حق کا احساس نہیں رکھتا لیکن حق یہ ہے کہ اللہ کریم سے کوئی چھپ نہیں سکتا۔ ہر کام اللہ کریم کے

سامنے ہو رہا ہوتا ہے۔

## تمام انبیاؑ ایک ہی دین لائے:

فرمایا: وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ﴿۵۲﴾ اور یقیناً تمام (پیغمبروں) کی جماعت ایک ہی جماعت ہے میں آپ کا پروردگار ہوں، سو مجھ سے ڈرتے رہیں۔ سب پیغمبر دینِ حق لے کر آئے۔ توحیدِ باری تعالیٰ، نبوت و رسالت، آخرت، حساب کتاب سب ایک ہی متفقہ عقیدہ تھا۔ امتیں اور اقوام بھی انسان تھے۔ سب میں انسانی خصوصیات اور ضروریات وہی تھیں۔ ایک ہی مطالبہ تھا کہ میرے پیغمبروں کو مانو، میری ذات و صفات جیسی وہ بتاتے ہیں پر ایمان لاؤ، جو احکامِ الٰہی وہ پیش کریں اُن کے مطابق اپنی زندگیاں گزارو اور یہ کہ میں اکیلا تمہارا پروردگار ہوں۔ سب کا پالنہار ہوں، سب کا خالق اور مالک ہوں لہٰذا میری عظمت کا ادراک کرو۔ میرے احکام کی مخالفت سے بچو۔ مجھ سے تعلق نہ ٹوٹ جائے اس سے ڈرتے رہو۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اللہ کے احسانات کو مان کر پیغمبروں کے طریقے پر اتفاق کر کے زندگی خوبصورت انداز سے گزارتے لیکن اپنی انا اور اپنی خواہشات کے پیچھے لگ کر لوگوں نے دین کے ٹکڑے کر دیے۔ فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا۔۔۔ پھر ان لوگوں (کافروں) نے آپس میں (اپنے دین میں) اپنا طریقہ الگ الگ کر کے اختلاف پیدا کر لیا۔

جب لوگ عظمتِ الٰہی سے بیگانہ ہوئے تو پھر لالچِ دنیا رہ گیا۔ لوگوں نے مذہب کو بھی حصولِ دنیا کا ذریعہ بنا لیا۔ ڈھکوسلے بنا لیے، شعبدہ بازی اور تعصب بھڑکا کر گروہ بندی کر لی۔ کچھ چندے آنا شروع ہو گئے کچھ پیروکار مل گئے۔

یاد رہے! تمام انبیائے کرام دینِ حق ہی لے کر آئے۔ تمام اصولِ دین ہر امت کے لیے ایک ہی تھے لہٰذا جب اصول میں اختلاف آئے تو پھر فرقہ دین سے الگ بن جاتا ہے۔ جہاں اصولوں میں اختلاف آتا ہے وہاں دین چلا جاتا ہے۔ دین میں تبدیلی کرنے سے دین نہیں رہتا فرقہ بن جاتا ہے۔

## فروعی اختلافات جائز ہیں، فرقے نہیں:

علمائے حق میں کبھی اصولوں پر اختلاف نہیں ہوتا، فروعات میں ہوتا ہے جس سے دینِ حق پر عمل کے سارے پہلو سامنے آ جاتے ہیں۔ یہ جائز اور مستحسن ہے کہ ایک ایک حکم کے تمام پہلوؤں پر عمل ہو جاتا ہے۔ دین میں اصول ہوتے ہیں اور فروعات ہوتی ہیں۔ اصول یعنی عقائد ضرور یہ بنیاد ہیں۔ فروعات تشریح ہے۔ تشریح انسانی

عقل وشعور کے مطابق ہوتی ہے اس میں شریعت کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے معمولی اختلاف ہوسکتا ہے اسی لیے آئمہ میں ایسے اختلاف ہیں۔ مثلاً اس حکم کو سب مانتے ہیں کہ جب سورۃ الفاتحہ ختم ہوتو آمین کہی جائے۔ اس میں رائے کا اختلاف ہے کہ بلند آواز سے کہی جائے یا آہستہ آواز میں۔ دونوں آراء درست ہیں۔ دونوں کے پاس شرعی دلائل ہیں، تشریح میں اختلاف حق و باطل کا نہیں ہوتا ترجیح کا ہوتا ہے۔ ایک کہتا ہے بلند آواز سے آمین کہنا بہتر ہے۔ دوسرا کہتا ہے آہستہ آواز سے کہنا بہتر ہے۔ یہ فروعی اختلاف ہیں۔ حقیقی اختلاف نہیں۔

جہاں حقیقی اختلاف ہوتا ہے اس کی بنیاد دین فروشی، انا پسندی، حصولِ دنیا ہوتی ہے۔ فرمایا: كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ﴿۵۳﴾ ہر گروہ کے پاس جو (دین) ہے وہ اسی پر خوش ہے، جب مقصد اللہ کی عظمت کا حصول نہ رہا، جب مقصد اطاعتِ پیغمبرؑ نہ رہا تو مقصد حصولِ دنیا ہو گیا۔ اپنی بڑائی منوانا مقصد ہو گیا، اقتدار حاصل کرنا، دولتِ دنیا حاصل کرنا مقصد ہو گیا۔ جس کے ہاتھ جو لگا وہ اس پر خوش ہے۔ جس کو جتنے پیروکار مل گئے وہ اس پر خوش ہو گیا کہ چندہ بھی آ رہا ہے اور لوگ حکم بھی مان رہے ہیں۔ ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ وہ جنت دلا دے گا۔ حالانکہ جنت تو وہ دے گا جو جنت کا مالک ہے۔ جس نے حصولِ جنت کا طریقہ بھی دنیا میں ہی بتا دیا ہے یعنی اللہ اور اللہ کے نبی ورسول علیہم السلام کی صدقِ دل سے اطاعت۔ فرمایا دنیوی خواہشات کی پوجا کرتے ہوئے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے جس کے پاس جو ہے وہ اسی کو درست مانے ہوئے ہے۔

فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ﴿۵۴﴾ سو آپ ان کو اسی جہالت (غفلت) میں ایک وقت (موت) تک رہنے دیجیے۔

یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ گمراہوں کی پروا نہ کیجیے۔ ان پر تنقید کر کے اپنا وقت ضائع کرنے کے بجائے آپ حق بیان کرتے رہیں جس کو توفیق ہوگی وہ سن لے گا۔ علماء اور دین دار طبقے کا کام ہے کہ وہ حق بیان کرتے رہیں۔ دلسوزی سے، لگن اور محبت سے اپنا کام کرتے رہیں۔ تعمیری بات کریں تنقید میں وقت ضائع نہ کریں۔ یہ غفلت میں خوش ہیں۔ نجات کا راستہ اپنانا نہیں چاہتے۔ انہیں ان کے حال میں مست رہنے دیں۔

## علمائے حق کے لیے لائحہ عمل:

علمائے حق کے لیے یہاں دو باتیں ایسی ہیں جن پر عمل اُن کے لیے ضروری ہے۔ اوّل یہ کہ علماء کا گزارا چندوں پر نہیں ہونا چاہیے۔ جتنے پائے کے علماء گزرے ہیں سب کا اپنا روزگار تھا۔ اپنی روزی خود پیدا کرتے تھے۔ چندوں پر گزارا نہیں کرتے تھے۔ دین کا غلام جب چندوں پر آ جائے گا تو حق کی بات نہیں کرے گا نہ اس کی بات میں حق کا اثر رہے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اپنے وقت کو تعمیری گفتگو اور تعمیری کام میں لگائے۔ تنقید اور مذمت میں ضائع

نہ کرے کہ فلاں ایسا کیوں ہے یا فلاں ایسا ہے۔ اپنے وقت کو حق بیان کرنے پر لگائے کہ کہیں سے تو حق کی آواز معاشرے تک پہنچتی رہے۔ حضرت رابعہ بصریؒ سے کسی نے کہا کہ آپ سے کبھی شیطان کی برائی نہیں سنی۔ آپؒ نے فرمایا۔ جتنا وقت اور جتنی قوتِ گویائی شیطان کی برائی بیان کرنے میں لگتی ہے اتنا وقت اور توانائی اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنے میں کیوں نہ لگائی جائے!

## خودفریبی:

فرمایا: اَیَحۡسَبُوۡنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمۡ بِهٖ مِنۡ مَّالٍ وَّبَنِيۡنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمۡ فِى الۡخَيۡرٰتِ ؕ بَلۡ لَّا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۵۶﴾

کیا یہ لوگ سوچتے ہیں کہ ہم ان کو (دنیا میں) جو مال اور بیٹوں سے نوازتے ہیں (تو اس سے) ہم ان کی بہتری میں جلدی کر رہے ہیں (نہیں) بلکہ یہ لوگ سمجھتے نہیں۔

اللہ نے انہیں مال و دولت، اولاد اور دنیوی آسائشیں دے رکھی ہیں تو یہ اس غلط فہمی میں ہیں کہ یہ شاید ان پر اللہ کا انعام ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے ان کے لیے بھلائی ہے۔ فرمایا، اس بات پر خوش نہ ہو جاؤ کہ تمہارے پاس مال و دولت ہے، اولاد ہے، اقتدار ہے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ دنیا کے بدترین کافروں کے پاس بھی دولتِ دنیا کے انبار تھے۔ نمرود، فرعون جو خدائی کے دعویدار تھے ان کے پاس صدیوں حکومت رہی۔ عظیم سلطنت و بادشاہت رہی، ان کی اولاد اور کنبہ وسیع تھا، ٹنوں کے حساب سے سونا اور قیمتی جواہرات تھے۔ تو کیا یہ سب کچھ اللہ کی رضا کی دلیل تھا؟ وہ تو کافر و مشرک تھے۔ مسلمانوں کو ان آیات سے سبق لینا ہے کہ مالِ دنیا کی ہوس اور ناجائز ذرائع سے حاصل کی گئی دولت و اقتدار، حکومت و اختیار اللہ کی رضامندی کی دلیل نہیں۔ اللہ کی رضا کی دلیل اتباعِ رسالت ہے، اطاعتِ الٰہی ہے۔ جس سے اللہ راضی ہوتا ہے اسے اپنی اطاعت کی توفیق دیتا ہے۔ جس سے ناراض ہوتا ہے اسے اپنی اطاعت سے محروم کر دیتا ہے۔ دنیا میں کبھی حالات ایک جیسے نہیں رہتے۔ امیری غریبی، دن رات سب بدلتے رہتے ہیں۔ یہ نظامِ دنیا ہے ہر ایک کو اس کے حصے کا رزق، صحت، آرام، بے آرامی، بیماری سب کچھ اپنے اپنے وقت پر سہنا پڑتی ہے۔ اس کا تعلق اللہ کی رضامندی سے نہیں۔ فرمایا، مال و دولت کے انبار اور دنیوی نعمتوں کو جمع کر لینا اور خوش ہونا کہ یہ ان پر اللہ کا کتنا کرم ہے۔ یہ غلط ہے۔ اللہ کا کرم تو یہ ہے کہ کس کو کتنا اتباعِ رسالت نصیب ہے جو کفر و انکار کے ساتھ مال و دولت پانے پر خوش ہیں ان میں شعور ہی نہیں انہیں سمجھ ہی نہیں۔ یہ دھوکے میں ہیں۔

## بھلے لوگ کون ہیں؟

گزشتہ آیت میں دولت و حکومت کو خواہ وہ ناجائز ذرائع سے ہی کیوں نہ حاصل کی گئی ہو، اللہ کی رضامندی

کی دلیل سمجھنے والوں کی خود فریبی کا ذکر تھا۔ یہاں بتایا جا رہا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جن پر اللہ راضی ہے۔ بھلے لوگ کون ہیں کس پر اللہ کی عنایات ہیں؟ ان آیات میں ایسے لوگوں کی صفات بتائی گئی ہیں۔ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ بے شک جو لوگ اپنے پروردگار کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔

## خشوع:

یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب عظمتِ الٰہی سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔ وہ اپنی حیثیت کے مطابق اللہ کی عظمت سے آشنا ہیں۔ یہ ان پر اللہ کی رحمت ہے۔ ایسے لوگ نیکی کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ ان کی نیکی اللہ کریم کی عظیم بارگاہ کے لائق نہیں۔ انہیں یہ احساس دامن گیر رہتا ہے کہ اللہ کے دربار میں پیش ہونا ہے۔ یہ کتنی بڑی بارگاہ ہے۔ فرمایا میرے ان بندوں کے دل میں ایسی ہیبتِ الٰہی ہوتی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں ان کی نیکی کہاں اس قابل ہے کہ اللہ کی عظیم بارگاہ میں پیش ہو۔

## یقینِ کامل:

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝ اور جو لوگ اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ انہیں اللہ کی آیات پر مکمل یقین ہوتا ہے۔ ایسا یقین جو خلوصِ دل سے عمل کرنے پر مجبور کر دے۔ ایسے یقین کے لیے آیاتِ الٰہی کو سننا اور جاننا ضروری ہے۔ اللہ کے نازل کردہ احکام پر ایمان و یقین تو تب آتا ہے جب انہیں پڑھیں گے، سنیں گے اور سمجھیں گے۔ اللہ کی رضامندی کو حاصل کرنے والے آیاتِ الٰہی پر کامل یقین رکھتے ہیں۔

## شرک سے بیزاری:

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ۝ (اس ایمان میں) اپنے پروردگار کے ساتھ شرک نہیں کرتے، جب انہیں معرفتِ الٰہی نصیب ہوتی ہے تو وہ اللہ کی ذات و صفات میں کسی کو ہرگز شریک نہیں کرتے۔ ان کی نظر میں کوئی دوسرا ہوتا ہی نہیں۔ شرک کرنے والے سارے کے سارے ہمیشہ معرفتِ الٰہی سے محروم ہوتے ہیں۔ وہ جانتے ہی نہیں کہ اللہ کی عظمت کیا ہے اس لیے دوسروں کو اس کا شریک بناتے ہیں۔ فرمایا، میرے بندوں کے دلوں پر عظمتِ الٰہی ہویدا ہوتی ہے تو وہ پھر کسی کو اس کا ہمسر نہیں بناتے۔

## خرچ میں حکمِ الٰہی کے پابند:

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا ۔۔۔ اور جو دے سکتے ہیں وہ (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں۔ میرے بندوں کا

حال یہ ہے کہ جب وہ خرچ کرنے پر آتے ہیں تو میرے احکام کو مدِ نظر رکھتے ہیں۔ اللہ انہیں جو رزق دیتا ہے وہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ کسی نیک بندے کے پاس جتنا رزق ہو وہ سارا خیرات میں بانٹ دے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادِ عالی کا مفہوم ہے کہ مومن حلال کما کر لاتا ہے، بیوی بچوں کو کھلاتا ہے تو اہل وعیال پر خرچ کرنے سے عنداللہ اس کے لیے صدقہ کرنا شمار ہوتا ہے۔ عبادت شمار ہوتا ہے۔ اپنے آپ پر خرچ کرتا ہے، لباس بناتا ہے، سواری رکھتا ہے، گھر بناتا ہے، ذاتی ضرورتوں پر شرعی حدود کے اندر خرچ کرتا ہے تو یہ سب عبادت ہے۔ فرمایا، میرے بندے اپنی مرضی سے نہیں میرے حکم پر اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

## حضورِ حق میں پیش ہونے کا احساس:

فرمایا، میرے بندے خلوصِ دل سے اطاعت کرتے ہیں اس سب کے باوجود وَقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿٦٠﴾ اور ان کے دل اس بات سے ڈرتے ہیں کہ انہیں اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ ان کے دل میں یہ احساس جاگزیں رہتا ہے کہ انہیں حضورِ حق میں پیش ہونا ہے۔ مجھے اس بارگاہ میں جا کر کھڑا ہونا ہے اور اپنے اعمال پیش کرنے ہیں جس بارگاہ میں انبیائے کرام علیہم السلام کی عبادتیں ہوں گی، صحابہ کرامؓ کی عبادتیں ہوں گی، اللہ کے نیک بندوں کے سجدے ہوں گے۔ وہاں میں کیا لے کر جاؤں گا؟ میرے دامن میں کیا ہے؟

کیسی لطیف بات ارشاد فرمائی گئی کہ نیک لوگ نیکی کر کے لرزاں وترساں رہتے ہیں کیونکہ انہیں اس بارگاہ کی عظمت کا احساس اور اس بارگاہ میں حاضر ہونے کا احساس دامن گیر رہتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿٦١﴾ یہی لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور یہی ان (نیک کاموں) کے لیے دوڑ رہے ہیں۔

یہی نیک اور کامیاب لوگ ہیں کہ یہ نیکی اور بھلائی کی طرف لپکتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ نیکی کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔ یہ بھلے کاموں میں سبقت لے جاتے ہیں یہی نیکی میں اللہ کی رضا حاصل کرنے والے لوگ ہیں۔

یہ ہماری رحمت ہے کہ جس کام کے کرنے کی استعداد بندے میں نہ ہو وہ کام کرنے کا ہم اسے حکم ہی نہیں دیتے۔ کسی متنفس کو ہم کوئی ایسا حکم نہیں دیتے جس کے بجا لانے کی اس میں ہمت نہ ہو۔ فرمایا: وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔۔۔ اور ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کام کرنے کا حکم نہیں فرماتے۔

## یہاں تکلیف شرعی مراد ہے:

اس آیہء مبارکہ پر بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ اللہ تو فرما رہے ہیں کہ کسی جان کو اس کی برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے لیکن لوگوں کو تو بڑی نا قابلِ برداشت بیماریاں ہو جاتی ہیں؟ یہ سوال قرآنِ حکیم سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ انتہائی کم فہمی کی نشانی ہے۔ اس آیہء مبارکہ میں کسی بیماری اور صحت کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا حکم کسی کو شرعاً نہیں دیا جاتا جس کے پورا کرنے کی اس میں طاقت نہ ہو۔ جیسے روزہ فرض ہے لیکن جس میں بیماری یا کمزوری یا کسی عذرِ شرعی کے باعث روزہ رکھنے کی ہمت طاقت نہیں تو وہ فدیہ دے دے۔ رکھ سکتا ہے تو رکھنا بہت بہتر ہے۔ اسی طرح صلوٰۃ میں قیام، رکوع، سجود یہ سارے فرائض ہیں لیکن معذور شخص کے لیے رعایت ہے کہ وہ بیٹھ کر پڑھ لے یا اشارے سے ادا کر لے۔ یعنی کوئی شرعی تکلیف ایسی نہیں دی جاتی کہ جس کام کے کرنے میں کسی کی ہمت نہ ہو۔

عربی زبان میں لفظ 'تکلیف'، مکلف سے ہے یعنی ذمہ داری، مکلف یعنی ذمہ دار بنایا گیا۔ اردو میں تکلیف، بیماری یا دکھ کو کہتے ہیں۔ عربی میں مکلف ہونا سے مراد ہے ذمہ دار ہونا۔ کسی کام کی جواب طلبی ہو تو وہ ذمہ داری ہوتی ہے۔ یہاں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کریم کسی ایسے کام کا حکم نہیں دیتے جس کی بندے میں طاقت نہ ہو۔ زکوٰۃ فرض ہے لیکن صرف صاحبِ نصاب پر۔ جس کے پاس نصاب نہیں وہ اس تکلیفِ شرعی سے مستثنٰی ہے۔ وہ مکلف نہیں اس پر وہ ذمہ داری نہیں۔ ہر بندے کے لیے جو تکلیف شرعی ہے وہی ہے جس کے کرنے کی اس میں ہمت ہے۔ ایک شخص کے ہوش و حواس سلامت ہوں تو وہ شریعت کا مکلف ہے۔ اگر خدانخواستہ وہ حواس کھو بیٹھے تو وہ احکام کا مکلف نہیں رہتا۔ اللہ ایسا کریم ہے کہ اگر کوئی شخص عبادت کرتا رہتا ہے۔ کسی مرض کی وجہ سے جو عبادت چھوٹتی ہے جیسے حواس کا کھو بیٹھنا تو جو عبادات وہ کیا کرتا تھا اس کا ثواب جاری رہتا ہے۔ جیسے کہ وہ ابھی بھی کر رہا ہے۔

شریعت پر عمل بہت آسان ہے کہ جو کام کوئی کر نہیں سکتا۔ اسے اس کام کے کرنے کا حکم ہی نہیں۔ اسے چھٹی ہے، معانی ہے لیکن یہ یاد رہے **وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ** ﴿۶۲﴾ اور ہمارے پاس ایک کتاب (دفترِ اعمال) ہے جو سچ سچ بتا دیتی ہے اور ان کے ساتھ زیادتی نہ کی جائے گی۔

فرمایا، ہمارے پاس کتاب ہے جس میں اعمال، نیتیں، ارادے سب کچھ موجود ہے۔ جو لفظ تمہارے منہ سے نکلتا ہے، جو عمل تم کرتے ہو، تمہارا دماغ جو سوچتا ہے، تمہارے دل میں جو چھپا ہے سب اس میں درج ہے۔ اور وہ ایسا دفترِ اعمال ہے جو سچ سچ بولتا ہے نہ کسی سے رعایت کرتا ہے کہ اس کے کچھ گناہ چھپا لے۔ کسی سے

زیادتی نہیں کرتا کہ اس کی کوئی نیکی ضائع کر دے۔ اور لوگوں کے ساتھ کبھی زیادتی نہ کیجائے گی۔ اعمال کی جوابدہی میں، میدان حشر میں، قیامت کے روز کسی سے زیادتی نہیں ہوگی۔ جو کرے گا وہی پائے گا۔ وہاں بھی اللہ کریم کا یہ کرم ہوگا کہ نیکی کا اجر بڑھا کر دیا جائے گا اور برائی کی سزا وہی دی جائے گی جتنا اس نے حرام کیا ہوگا۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر جرم کی سزا بہت بھیانک ہے۔

سوال یہ ہے کہ جب اللہ کریم نے ایک ایک بات واضح کر کے قرآن میں ارشاد فرما دی، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل فرمایا تو لوگ کیوں اس کا احساس نہیں کرتے؟ حرام حلال واضح ہے، پاک ناپاک واضح ہے۔ فرائض، واجبات، سنن واضح ہیں۔ اللہ کے بندے دن رات بتا رہے ہیں۔ مدارس میں پڑھایا جا رہا ہے، جمعہ کے خطبات، دینی مجالس کے ذریعے تبلیغ ہو رہی ہے۔ بے شمار کتابیں، رسائل شائع ہو رہے ہیں۔ الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے تبلیغ ہو رہی ہے تو لوگ اس پر عمل کیوں نہیں کرتے؟

## بات، دل میں نہیں اتری:

فرمایا: بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ بلکہ ان (کافروں) کے قلوب اس بات سے جہالت میں پڑے ہوئے ہیں اور اس کے علاوہ ان لوگوں کے اور (برے برے) اعمال بھی ہیں جو یہ کرتے رہتے ہیں۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ کام دل کا ہے عقل کا نہیں۔ یہ لوگ دین سے، احکام الٰہی سے، قرآن کریم سے، سنتِ حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم سے غافل اس لیے ہو گئے ہیں کہ ان کے دل جہالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ علوم ان کے دلوں میں اترے نہیں نہ یہ باتیں ان کے دلوں میں اتری ہیں۔ قرآنِ کریم تو اپنے نزول سے ساڑھے چودہ سو سال سے یہ ارشادات فرما رہا ہے لیکن چودہ صدیاں سائنس اس بات پہ اڑی رہی کہ یہ سوچنا سمجھنا یہ فیصلے کرنا یہ دماغ کا کام ہے، دل تو بدن میں خون پمپ کرنے کی مشین ہے، خون آیا صاف ہو کے دوبارہ بدن میں بھیج دیا۔ اب آ کر سائنس ساڑھے چودہ سو سال بعد اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ نہیں دل سوچتا بھی ہے دل سمجھتا بھی ہے اور دل فیصلے بھی کرتا ہے اور جو فیصلہ دل کرتا ہے وہ دماغ کو بھی ماننا پڑتا ہے اور اعضاء و جوارح کو بھی ماننا پڑتا ہے جو فیصلے دماغ کرتا ہے دل نہ مانے تو وہ رد ہو جاتے ہیں لیکن جو فیصلے دل کرتا ہے انہیں کوئی رد نہیں کر سکتا تو اللہ کریم نے فرمایا کہ یہ اس قدر آسان دین ہے یعنی جتنے دین کے احکام ہیں اُن میں یہ رعایت ہے کہ جو کام کوئی نہیں کر سکتا وہ نہ کرے اور جو کر سکتا ہے وہ تو کرے پھر لوگ کیوں نہیں کرتے فرمایا اس لئے کہ ان کے دل جو ہیں وہ اس حقیقت سے بے خبر نہیں۔

دلوں میں یہ حقیقت نہیں اتری اور جب یہ حقیقت دلوں میں نہیں اتری تو پھر اَعۡمَالٌ مِّنۡ دُوۡنِ ذٰلِكَ هُمۡ لَهَا عٰمِلُوۡنَ﴿۶۳﴾ پھر یہ احکام الٰہی کے علاوہ جو نظامِ حیات اللہ نے دیا ہے اس کے علاوہ دوسری راہ اختیار کر لیتے ہیں۔ زندگی بسر کرنے کی کردار کی اعمال کی گفتار کی کاروبار کی ،غرض ہر شعبے میں شریعت کے خلاف چلے جاتے ہیں دوسری راہ پر چلے جاتے ہیں اور عجیب بات یہ کہ اکثریت ہم میں سے جو ہم کوشش کرتے ہیں بتوفیقِ الٰہی جو مسلمان نماز روزے کی نیکی کی کسی حد تک کوشش کرتے ہیں۔ انہیں بھی اس بات کی خبر نہیں ہے کہ یہ حقائق دل میں نہ اتریں تو اداکاری رہ جاتی ہے عمل نہیں رہتا۔ بندہ تلاوت قرآن پاک کی کر رہا ہوتا ہے ذہن کہیں اور ہوتا ہے اسے پتا نہیں چلتا کہ میں نے کون سی آیت پڑھی، اس کا مفہوم کیا ہے۔ سوچ کچھ اور رہا ہوتا ہے، نماز ادا کر رہا ہوتا ہے اللہ کے حضور وضو کر کے قبلہ رو کھڑا ہوتا ہے رکعتیں بھول جاتا ہے، سوچ کچھ اور رہا ہوتا ہے ذہن کہیں اور ہوتا ہے۔ تو اگر یہ چیزیں دل میں اتر جائیں تو بات بنے۔

ذہنِ انسانی کی بھی ایک مجبوری ہے یہ بیک وقت دو طرح متوجہ نہیں ہوسکتا۔ آپ کوئی بات سوچنا شروع کر دیں (تو) جو کام کر رہے ہیں اس میں آپ کو غلطی لگ جائے گی آپ بھول جائیں گے۔ کچھ لکھ رہے ہیں کچھ اور سوچنا شروع کر دیں تو وہاں غلط لکھ جائیں گے۔ کچھ پڑھ رہے ہیں کچھ اور سوچنا شروع کر دیں تو وہ بھول جائے گا۔ یعنی دماغ بھی ایک وقت میں ایک طرف رہتا ہے اس لئے علماء فرماتے ہیں کہ کم از کم نماز کے معنی بندے کو یاد کر لینے چاہیں کہ جب نماز ادا کر رہا ہے تو اس کے معنی پر غور کرتا رہے اس کی توجہ نماز ہی کی طرف رہے۔ دماغ کچھ اور سوچنا نہ شروع کردے اور یہ بھی بہت اچھی بات ہے لیکن حقیقی نماز کا لطف بھی جب آتا ہے کہ جب دل بھی ساتھ شامل ہو جائے۔

دل کی اپنی حیات ہے جس کی ابتدا نورِ ایمان سے ہوتی ہے، جو بھی کلمہ پڑھتا، ایمان قبول کرتا ہے، مسلمان ہوتا ہے اس کا دل زندہ ہو جاتا ہے لیکن زندہ کو پھر صحت مند ہونا، بروقت صالح غذا کا ملنا، کوئی بیماری آئے پھر دوا کر لینا یہ بھی ہر زندہ فرد کی ضرورت ہے، دل کا بھی صرف زندہ ہونا کافی نہیں ہے اس کا باہوش وحواس اس کا دانا ترین ہونا اس کا صحت مند ہونا یہ ساری ضرورتیں دل کی بھی ہیں اور ان کا دارومدار اتباعِ شریعت پر اور ان فیوضات وبرکات پر ہے جو قلبِ اطہر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تقسیم ہوتی ہیں۔ تو میرے خیال میں اتنا تکلف کرتا کون ہے۔

## جب تک بات دل میں نہ اترے حقیقتاً اس پر عمل نہیں ہوتا:

دنیا کے بڑے بعض مشکل کام بھی ہم کر لیتے ہیں۔ سارا سرمایہ لوگ گھر بیچ کر لگا دیتے ہیں کہ یہ کام کرنا ہے چلو کہیں سے تو نفع کی اُمید ہوتی ہے یہ بچوں کی شادیاں کرتے ہیں تو قرضے لے کر زمین بیچ کر گھر بیچ کر لگا دیتے ہیں۔

اس سے وصولی تو کچھ نہیں ہوتی صرف اپنی ذہنی تسکین ہوتی ہے ہم نے بڑا معرکہ مارا، کیوں کرتے ہیں ہم ایسا، دل کرتا ہے۔ دل چاہتا ہے ایسا کریں تو اگر دل چاہے عبادات کو بھی دل سمجھے اور دل کو اس بات پر فخر ہو الحمدللہ میں نے اللہ کی بارگاہ میں سجدہ کرلیا الحمدللہ میں نے رزقِ حلال حاصل کرلیا اللہ کریم کا احسان ہے کہ میں حرام سے بچ گیا۔ چوری سے جھوٹ سے بچ گیا یہ چیزیں دل میں ہوں تو پھر عمل کرنے کا مزہ آتا ہے اور یہ انکار کیوں کرتے ہیں فرمایا شاید دماغ تو ان کے بھی سمجھتے ہوں۔ دل میں ان کے بات نہیں اُتری، ان کے قلوب جہالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ کفر پر قائم ہیں اور ان کے اعمال شریعت کے خلاف ہیں، رات دن محنت تو یہ بھی کرتے ہیں۔ رات دن یہ بھی کسی نہ کسی کی پوجا بھی کرتے ہیں، عبادت کے نام پر کچھ کرتے ہیں روزی بھی کماتے ہیں۔ بچے بھی پالتے ہیں گھر بھی بناتے ہیں، زندگی میں فارغ تو کوئی بھی نہیں بیٹھا ہوا۔ کام میں تو یہ بھی لگے ہوئے ہیں چوبیس گھنٹے کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں لیکن ان کے کام شریعت سے ہٹ کر ہوتے ہیں۔ انہوں نے طرزِ حیات وہ اپنایا ہے جس کا حکم اللہ نے نہیں دیا جس کی تربیت حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے نہیں فرمائی، ایسا نہیں ہے کہ جو ایمان نہیں لاتا وہ بڑے مزے میں بیٹھا ہوا ہے اور مفت میں کھانا کھا رہا ہے اسے بھی محنت کرنا پڑتی ہے۔

## دل دانا نہ ہو تو عقل الٹ جاتی ہے:

فرمایا: حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْــَٔرُوْنَ ﴿٦٤﴾ جب ان کے بڑوں بڑوں کو، ان کے راہنماؤں کو اور ان کو اس راستے پر لگانے والوں کو اللہ کی گرفت آجاتی ہے اور اللہ کے عذاب میں پکڑے جاتے ہیں تو پھر بڑے تلملاتے ہیں، تڑپتے ہیں اور شور کرتے ہیں لیکن توبہ نہیں کرتے۔ دینِ حق کو اپنانے کا فیصلہ نہیں کرتے اس لیے کہ جس کا دل دانا نہ ہو، محض دماغ فیصلے کرے تو ایسے ہی الٹ پلٹ فیصلے کرتا ہے۔

پھر ارشادِ باری ہوتا ہے: لَا تَجْــَٔرُوا الْيَوْمَ ۔۔۔ آج مت تلملاؤ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿٦٥﴾ تمہیں ہماری طرف سے کوئی مدد نہیں دی جائے گی۔ جب دکھ میں تکلیف میں گرفتار ہوتے ہیں تو تلملاتے ہیں۔ کیسی عجیب بات ہے کہ مشرکین مکہ نے تیرہ برس حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو بے پناہ ایذائیں دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہ کرامؓ کا کوئی لحاظ نہیں کیا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے تھے کہ کم ازکم رشتہ داری کا لحاظ تو رکھو۔ یہ لحاظ تو کرو کہ میں قبیلہ قریش بنی ہاشم میں سے ہوں۔ بنو ہاشم کی ساری شاخیں ہیں جو مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں تو رشتہ داری کا تو کچھ پاس رکھو لیکن کسی نے نہیں رکھا۔ اگر تم مجھے نبی نہیں سمجھتے اگر تم مجھے اچھا نہیں سمجھتے، میری تعلیمات کو تم قبول نہیں کرتے تو ایذا دینا، پتھر پھینکنا، راستے میں کانٹے پھینکنا اور طعنے دینا یہ تو نہ کرو کم ازکم تمہاری میری جو رشتہ داری قبائل کی ہے اس کا حیا تو کرو۔ وہ بھی کوئی نہیں کرتا تھا آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہجرت فرمائی۔ وہاں بھی چڑھ دوڑے۔ بدر میں شکست

ہوئی، مارے گئے، اللہ کے عذاب میں پکڑے گئے، ستر مارے گئے، ستر قید تھے۔ بہت بڑی شکست ہوئی۔ عجیب بات ہے واپس مکہ مکرمہ گئے تو قحط سالی نے آلیا۔

جب قحط سالی میں مرنے لگے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے گڑگڑائے۔ دُعا فرمائیں اللہ ہم سے قحط دور کرے ہم توبہ کرلیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے دعا فرمائی اللہ نے قحط دور کردیا مصیبت ختم ہوگئی۔ مصیبت ختم ہوگئی تو پھر جنگ کرنے کی تیاری کرنے لگے۔ یعنی یہ عجیب قوم ہے جسے اللہ کی عظمت کی سمجھ نہ آئے۔ تو پھر اُسے کچھ سمجھ نہیں آتی۔ ان سے کہا جائے گا آج مت چلاؤ آج تمہاری کوئی مدد نہ کی جائے گی کیونکہ تم وہ لوگ ہو، فرمایا: قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِیْ تُتْلٰى عَلَیْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾ ہماری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر (رسول کی زبانی) سنائی جاتی تھیں توتم الٹے پاؤں بھاگتے تھے۔ تمہیں عقیدے نظریے سے لے کر کردار تک ایک ایک بات بتائی جاتی تھی پوری زندگی کا وہ نصاب دے دیا جاتا تھا جو ہر دکھ سے پاک اور ہمیشہ پرلطف زندگی کا راستہ ہے دنیا میں بھی قبر میں بھی، برزخ میں بھی، آخرت میں بھی کامیابی کی ضمانت ہے تو اس وقت تو تم الٹے پاؤں گھوم جاتے تھے کہ ہمیں اس کی ضرورت ہی نہیں۔ ہمیں ان باتوں کی سمجھ ہی نہیں آتی جو تم کہتے ہو، پتا نہیں تم کیا کہتے ہو۔ کبھی ایسا بھی ہوا؟ تو جب تم پر تعلیمات الٰہی پیش ہوتی تھیں: مُسْتَكْبِرِیْنَ۔۔۔ تو تم تکبر کرتے ہوئے۔ اکڑتے ہوئے الٹے قدموں چلے جاتے تھے۔ نہ صرف تعلیمات سے بے رخی کرتے تھے بلکہ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ الٹی سیدھی اور بے ہودہ باتیں بھی بناتے تھے۔ گستاخیاں کرتے تھے اور تعلیمات الٰہی کا مذاق اُڑاتے تھے آج جب اللہ کی گرفت میں آگئے تو آج تمہیں تلملانے کا اور دعائیں کرنے کا حق کہاں سے مل گیا؟ تم وہی لوگ ہو جن پر اللہ کی آیات پیش کی گئیں تو تم نے مذاق اُڑایا اور بے ہودہ باتیں کیں۔

اَفَلَمْ یَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ یَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۶۸﴾ سو کیا انہوں نے اس کلام (قرآن) میں غور نہیں کیا یا ان کے پاس کوئی ایسی چیز آئی ہے جو ان کے اگلے باپ دادوں کے پاس نہیں آئی تھی، کیا تمہارے پاس کوئی نئی بات آگئی جو پہلوں کے پاس نہیں آئی تھی۔ تم نے تو تاریخ عالم یاد کررکھی ہے۔ تم جانتے ہو کہ انسانیت کی راہنمائی کے لیے ہر قوم میں انبیاؑ مبعوث ہوتے رہتے یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ یہ کوئی نیا کام تو نہیں ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم مبعوث ہوگئے تو تمہیں اچنبھا ہوگیا۔ تمہارے پاس پہلے انبیاؑ کی تاریخ موجود ہے۔ بعض انبیاؑ کی اطاعت کے تم مدعی ہو جیسا کہ مشرکین کہتے تھے کہ ہمارا دین دینِ ابراہیمی ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کون تھے؟ وہ بھی تو اللہ کے نبی تھے۔ اللہ کے رسول علیہ السلام تھے۔ آپؑ بھی تو اسی طرح مبعوث ہوئے۔ آپؑ بھی انسانوں میں سے تھے۔ بنی آدم میں سے تھے۔ اللہ نے انہیں نبوت عطا کی۔ اُس سے پہلے کے واقعات تمہارے علم

میں ہیں۔ نوح علیہ السلام کو دیگر انبیاؑ کو تم جانتے ہو۔ یوسف علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام آئے اور بے شمار انبیاؑ آئے جن کا قرآن کریم نے ذکر کیا ہے۔ تاریخ میں تو سب کے حالات ملتے ہیں چلو تاریخ میں حالات غلط ہوں گے یا واقعات کی صحت مشکوک ہوگی لیکن اُن کا ذکرِ خیر تو قرآن میں ہے۔ تمہیں پتا تو ہے کہ قوموں میں انبیاؑ مبعوث ہوتے ہیں اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلّم مبعوث ہو گئے تو کون سی انوکھی بات ہوگئی۔ کس بات پر تمہیں حیرت ہے؟ تمہارے پاس اور تمہارے آباؤاجداد کے پاس یہ ساری باتیں آئیں نہیں؟

## قبل بعثت کی پاکیزہ زندگی دلیلِ نبوت ہے:

اَمۡ لَمۡ یَعۡرِفُوۡا رَسُوۡلَہُمۡ ۔۔۔ یا یہ لوگ اپنے پیغمبر کی (صفتِ دیانت وامانت) سے واقف نہ تھے۔ یا پھر کیا تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے واقف نہیں۔ ان کے خاندان سے واقف نہیں ہو۔ ان کی چالیس برس کی عمر عزیز جو تم میں بسر ہوئی اس سے واقف نہیں ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا کردار جو قبل از اعلانِ نبوت ہے اس سے تم واقف نہیں ہو؟ تمہارے قبیلے کا فرد ہے۔ چالیس برس تمہارے ساتھ بسر کر چکا ہے۔ جو شخص تمہارے شہر میں تمہارے معاشرے میں، تمہاری برادری میں، تمہارے ماحول میں چالیس برس بسر کر چکا ہے تم کیا اس سے واقف نہیں ہو کہ کس معیار کا انسان ہے! کتنا سچا، کھرا، کتنا صالح، نیک سچا انسان ہے، تم نہیں جانتے؟ فَہُمۡ لَہٗ مُنۡکِرُوۡنَ ﴿۶۹﴾ کیا تم اس لیے انکار کر رہے ہو کہ تم ان سے واقف نہیں ہو؟ تم بہت اچھی طرح جانتے ہو۔ اللہ اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی چالیس برس کی حیاتِ طیبہ اتنی پاکیزہ اتنی صاف ستھری اتنی کھری، اتنی سچی ہے کہ قرآنِ کریم نے قبل از نبوت کی چالیس برس کی حیاتِ مبارکہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نبوت پر دلیل کے طور پر ارشاد فرمایا۔ چونکہ جس معاشرے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے عمرِ عزیز بسر فرمائی وہی معاشرہ قرآن کا پہلا مخاطب ہوا اور جب قرآن کریم کی وہ تعلیمات دنیا پر پھیلیں تو تاریخ نے سیرتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی دنیا میں یہ ساتھ پھیلا دیں جب قرآن کی تعلیمات عام ہوئیں تو ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی حیاتِ طیبہ کی پوری تاریخ بھی عام ہوگئی۔ جہاں جہاں تعلیماتِ قرآن پہنچیں وہاں وہاں برکاتِ نبوت اور حیات نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھی تمام اوراق پہنچ گئے۔ اور ہر بندے کو پتا چل گیا، تو فرمایا کیا ایسا بندہ جو انتہائی قریب بھی ہے جسے تم مشرکین مکہ صادق اور امین بھی کہتے ہو۔ سچا بھی ہے امانت دار بھی ہے اس نے آج تک کسی پر جھوٹ نہیں بولا، آج کیا یکا یک وہ اللہ پر جھوٹ بولنا شروع کر دے گا وہ جس نے کسی فرد پر جھوٹ نہیں بولا۔ انسان پر جھوٹ نہیں بولا وہ ربّ العالمین پر جھوٹ کیوں بولے گا؟ کیا یہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کو پہچانتے نہیں؟ یہاں الحمدللہ ایک اور نکتہ سمجھ میں آیا ہے۔

## ایمان کی بنیاد معرفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ہے:

جب تک کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ عالی سے واقف نہیں ہوتا تب تک اس کا یقین اس طرح مستحکم نہیں ہوتا جس طرح اس کا مستحکم ہے جو حیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم واقف ہے۔ ہمیں اپنے لیڈروں کا انتخاب کرتے وقت، اپنے روحانی استاد بناتے وقت یہی معیار سامنے رکھنا چاہیے۔ اپنا پیشوا بناتے وقت اس فرد کی پوری زندگی کا جائزہ لیا جانا چاہیے کہ وہ کتنا کھرا کتنا سچا اور کتنا امانت دار ہے، اسے کس قدر معرفتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نصیب ہے۔

## سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کا مطالعہ، محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کا ذریعہ:

معرفتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم یعنی آپ کی ذات، آپ کی برکات آپ کے اوصافِ عالیہ آپ کا حُسنِ ظاہر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا جمالِ باطن، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے کمالات کی جسے جتنی خبر ہوگی اتنا اس کا ایمان مضبوط ہوتا چلا جائے گا۔ اس کے لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ سیرتِ عالیہ کا مطالعہ کرتا رہا کرے۔ خود کو سیرت عالی سے مستغنی کوئی بھی نہ سمجھے بلکہ علماء نے لکھا ہے کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے محبت چاہتے ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت کا مطالعہ کیا کرو۔ آپ کی سیرتِ عالی میں اتنی کشش ہے اتنا نور، اتنی روشنی، اتنی برکات ہیں کہ وہ دلوں کو جذب کر لیتی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے محبت بڑھنے لگتی ہے۔ محبت شدید ہونے لگتی ہے اور جب محبت ہوتی ہے تو محبوب کی اطاعت پر مجبور کر دیتی ہے۔ محبت کرنے والا محبوب کی بات کی مخالفت نہیں کرتا۔ اس کی بات کو مانتا ہے اس پر عمل کرتا ہے۔

فرمایا کیا یہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم سے واقف نہیں ہیں اس سے انکار کر رہے ہیں۔ یعنی واقف ہیں۔ لیکن یہ ان کی بدبختی، بدنصیبی ہے کہ انکار کر رہے ہیں۔ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۝ یہ لوگ آپ کی نسبت جنون کے قائل ہیں (حالانکہ آپ کا صائب الرائے ہونا مسلّم ہے) بلکہ (یہ رسول) ان کے پاس حق لے کر آئے ہیں اور ان (منکرین) کے اکثر حق کو ناپسند کرتے ہیں۔ منکرین تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے بارے طرح طرح کی بے بنیاد باتیں اڑاتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم تو حق کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں اور نہ ماننے والوں کی اکثریت حق سے نفرت کرتی ہے۔ ان کے دلوں میں باطل کی محبت راسخ ہو چکی ہے۔ یہ دوسروں کے حقوق چھین کر، دولت جمع کرنا چاہتے ہیں یہ دوسروں کو غلام بنا کر ان پر حکمرانی کرنا چاہتے ہیں۔ یہ دوسروں کے اوقات کار میں مخل ہوتے ہیں۔ یہ اپنے حق پر قائم نہیں رہتے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم حق پر مبعوث ہوئے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے جو تعلیم دی ہے وہ ساری حق پر مبنی ہے اور انہیں حق سے نفرت ہے یہ کہتے ہیں جہاں ہاتھ

پاؤں چلیں جتنا ہو جائے چوری زوری، رشوت کسی طرح سے دولت سمیٹتے چلے جاؤ تعلیمات نبوی سے ان کے مفادات پر زد پڑتی ہے تو اس سے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی نبوت کا ہی انکار کر دیتے ہیں۔ طرح طرح کے اعتراض کرتے ہیں اور پھر یہ ایسے عجیب لوگ ہیں کہ یہ پھر رائے دیتے ہیں کہ شریعت کا یہ حکم اس طرح نہیں اُس طرح ہونا چاہیے تھا۔ قرآن کی یہ آیت اس طرح نہیں اُس طرح ہونا چاہیے تھی یعنی یہ اپنے مفادات کو مدِ نظر رکھ کر دین میں بھی مشورے دیتے ہیں۔ یہی کفر کا فلسفہ ہے۔

فرمایا: وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ اور (بفرض محال) اگر دینِ حق ان کے خیالات کے تابع ہو جاتا تو تمام آسمان اور زمین اور جو ان میں (آباد) ہیں سب تباہ ہو جاتے بلکہ ہم نے ان کے پاس ان کی نصیحت کی بات بھیجی سو یہ لوگ اپنی نصیحت سے بھی روگردانی کرتے ہیں۔ اللہ کسی کے مشوروں کا محتاج نہیں ہے۔ فیصلے اس کے اپنے ہیں۔ اگر دین حق میں ان کے مشوروں پر جو فضول ہیں عمل ہونے لگے تو زمین و آسمان تباہ ہو جائیں اور ان میں جو مخلوق ہے وہ تباہ ہو جائے۔ فرمایا: بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ ۔۔۔ بلکہ ہم نے ان کے پاس ان کی نصیحت کی بات بھیجی۔ ہم نے انہیں ذکر یعنی نصیحت دی، یادِ الٰہی کا تحفہ بھیجا، نبی علیہ السلام کے ارشادات دعوتِ حق، قبولِ حق سب ذکرِ الٰہی ہے۔ اتنی بڑی کتاب ذکرِ الٰہی ہے، زندگی کا ہر وہ فعل جو اللہ کے حکم کے مطابق کیا جائے عملاً ذکرِ الٰہی ہے تو ہم نے انہیں اللہ کی یاد کی نصیحت کرنے والی کتاب بھیجی فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ لیکن یہ اللہ کی دی ہوئی نصیحت سے بھی روگردانی کرتے ہیں۔ اس کو نہیں مانتے۔

یہ آیت تو کافروں کے لیے ہے لیکن ہم میں سے بھی بعض یہ غلطی کر جاتے ہیں کہ اللہ کو مشورے دینے لگتے ہیں۔ بعض لوگوں کو یہ وہم ہوتا ہے کہ ان کی دعا کیوں قبول نہیں ہوتی؟ نام تو اس کا دعا ہوتا ہے حقیقت میں وہ اللہ کو ایک مشورہ دیتا ہے کہ یہ کام یوں نہ کیا جائے، یوں کیا جائے۔ ہم جو دعا کرتے ہیں تو ایسی ہی کرتے ہیں۔ اللہ سے عرض کرنا، مانگنا ثواب ہے لیکن فیصلہ اللہ کا ہے اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ دعا کرنے والے کو اللہ سے بات کرنے کا شرف حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ بڑی سعادت ہے لیکن یہ شکوہ کرنا کہ میں نے دعا کی تھی ویسا نہیں ہوا یہ سرے سے غلط ہے۔ اللہ کریم جو فیصلے فرماتے ہیں وہ زمین و آسمان میں بسنے والی ساری مخلوق کے سارے مفادات کے مطابق فرماتے ہیں۔ ہماری دعا صرف اپنی ذات کی خواہشات سے متعلق ہوتی ہے۔ ہمارے نفع و نقصان کو پوری طرح جاننے والی ذات صرف اللہ کی ہے۔ ہم تو خود اپنا بھلا بُرا پوری طرح نہیں جانتے۔ اللہ کریم کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں دعا کی اجازت دی اور اس پر انعام بھی عطا فرمایا۔ وہ انعامات تو دیتا ہے اس میں ہمارا مشورہ نہیں مانگتا۔ یہ ضروری نہیں کہ ہم

اسے کہیں کہ فلاں جگہ بارش ہونی چاہیے اور فلاں جگہ نہیں ہونی چاہیے۔ یہ صرف وہی جانتا ہے کہ کس جگہ کو سیرابی کی ضرورت ہے۔ کس کو زمین کی کس تہہ میں رزق پہنچانا ہے۔

یہ میرا ذاتی تجربہ ہے۔ میں زمینوں پر کنواں کھدوا رہا تھا۔ پندرہ فٹ کے بعد چٹانیں آ گئیں۔ اسے ہم نے بارود سے کاٹا۔ نوے فٹ گہرائی سے زیادہ اندر بارود سے چٹانیں اڑا رہے تھے۔ اسی دوران جب ایک چٹان بلاسٹ کی تو اس میں سے ایک پتھر کا گولا نکلا جو گیند کی طرح مکمل بند تھا۔ مزدوروں نے اسے ٹھکور کر کھولا تو وہ درمیان سے دو ٹکڑے ہو گیا۔ اس میں ایک تتلی سی پل رہی تھی۔ گول دائرہ بنا ہوا تھا اور درمیان میں خلا سا تھا۔ اس وقت موبائل فون میں کیمرہ نہیں تھا ورنہ تصویر بنا لیتے۔ غور کا مقام یہ ہے کہ چٹانوں کے نیچے نوے فٹ کی گہرائی میں پتھر کے بند گولے میں ایک کیڑے کو وہ پال رہا ہے، کیسا قادر ہے! کیسا خالق، کیسا رازق ہے! اس کے فیصلے اپنے ہیں وہ جو فیصلے کرتا ہے ساری کائنات میں ہر ایک کے مفاد کو دیکھ کر کرتا ہے تو ہم اسے مشورے دینے کے کیسے مجاز ہو گئے جو اپنے بارے بھی درست فیصلے نہیں کرتے۔ بات تو یہاں کفار کی ہو رہی ہے لیکن یہ غلطی ہم بھی کر جاتے ہیں کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جیسے میں دعا کرتا ہوں ویسا ہی ہو جائے۔

دعا کیا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الدعا مخ العبادہ (ترمذی) کہ دعا عبادت کا مغز ہے، حاصل ہے، نچوڑ ہے۔ دعا، اللہ کریم کی عبادت ہے۔ اللہ کریم کی اطاعت اور اطاعت کے واسطے سے اللہ کریم سے رابطہ رکھنا ہے۔ دعا تو اللہ کریم سے براہ راست تخاطب ہے، رابطہ ہے، عبادت ہے۔ اس کا اپنا اجر ہے۔

ان کفار کو چاہیے تھا کہ اللہ کی نعمت دینِ حق کی قدر کرتے۔ اسے اپنا کر خود کو اللہ کے کرم کے حصار میں لے آتے لیکن یہ تو مان کر نہیں دیتے، اسے اختیار ہی نہیں کرتے۔ فرمایا: اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾ کیا آپ ان سے (تبلیغ کے صلے میں) کچھ مال طلب فرماتے ہیں پس دولت تو آپ کے پروردگار کی سب سے بہتر ہے اور وہ سب دینے والوں سے بہت اچھا ہے۔

فرمایا، یہ کیوں دین قبول نہیں کرتے، کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان پر کوئی بوجھ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کوئی خراج مانگتے ہیں، معاوضہ طلب کرتے ہیں؟ دولت تو وہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے دی ہے۔ اللہ کا دیا ہوا رزق سب سے بہتر ہے۔

## احسن طریقہ:

مبلغین کو اس احسن طریقے کو اپنانا چاہیے۔ احسن یہ ہے کہ ہر فرد اپنی روزی خود پیدا کرے۔ رزق حلال کمانے کے لیے کام کرے۔ اپنی روزی کام سے حاصل کرے اور دین کا کام اللہ کی رضا کے لیے کرے۔ جہاں

ضرورت ہوگی اللہ کریم مدد فرما دیں گے۔ بے شک اللہ بہترین رزق دینے والا ہے۔ علماء و مبلغین کہ اپنی روزی کا بندوبست الگ سے کریں اور دینی کام محض اللہ کی رضا کے لیے کریں۔ ہاں! خود اپنی مرضی سے کوئی ان کی مدد کرتا ہے تو درست ہے۔ قوم کو چاہیے کہ ایسے لوگوں کی مدد کریں لیکن دینی کام کرنے والوں کے لیے یہ درست نہیں کہ وہ مطالبات کریں کہ ان کے لیے فلاں فلاں سہولتیں یا اتنی رقم دیں گے جو دین بتانے آؤں گا ورنہ نہیں۔

دین بتانا علمائے حق کی ذمہ داری ہے۔ اس کا اجر انہوں نے اللہ کریم سے لینا ہے۔ دین بیچ کر اپنی روزی پیدا نہ کی جائے۔ جس طرح عام آدمی جائز ذرائع سے روزی کماتا ہے۔ دینی کام کرنے والوں کو بھی اسی طرح اپنے لیے رزق کمانا چاہیے۔

فرمایا: وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾ اور یقیناً آپ تو ان کو سیدھے راستے کی طرف بلا رہے ہیں۔ ان جاہلوں پر اللہ کا تو یہ احسانِ عظیم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم تو انہیں سیدھے راستے کی طرف بلا رہے ہیں لیکن یہ اپنی منزل کھوٹی کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ وہ شخص جسے کوئی ہاتھ پکڑ کر سیدھے راستے پر ڈال دے، اسے بتائے کہ وہ غلط راستے پر ہے، وہ منزل سے دور ہو رہا ہے تو وہ شخص ایسے راہنما کا کتنا شکر گزار ہوگا کہ اس نے اس کی منزل کھوٹی ہونے سے بچالی لیکن یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا احسان ماننے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سے خفا ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اس پورے سفرِ حیات کا سیدھا راستہ بناتے ہیں اور یہ کیسے عجیب لوگ ہیں کہ یہ چڑتے ہیں اور غلط راستے پر ہی چلتے ہیں، اسی پر چلنا چاہتے ہیں۔ ان کی عقلیں پھر گئی ہیں۔

## یقینِ آخرت نہ ہونا عظیم خسارے کا سبب:

فرمایا: وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾ اور بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ (سیدھے) راستے سے ہٹتے جاتے ہیں۔

اصل مصیبت یہ ہے کہ ان کے سامنے صرف دنیوی زندگی ہے۔ آخرت کا انہیں یقین نہیں۔ اخروی نجات کا اعتبار ہوتا تو اس کے لیے سیدھا راستہ اختیار کرے لیکن یہ سمجھتے ہیں کہ یہی زندگی ہے۔ کھائیں پئیں، دولت کمائیں، عیش کریں، بچوں کو مال و دولت دے کر مر جائیں۔ زندگی ختم قصہ ختم۔ یہاں کفار کی بات ہو رہی ہے لیکن ہمارے معاشرے میں ایسے دانشور نما لوگ موجود ہیں جو کہتے ہیں کہ جب آخرت میں پہنچیں گے تب ہی خبر ہوگی۔ پھر دیکھا جائے گا۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ بتاتا ہوں۔ میرے پاس یہاں ہر طرح کے لوگ آتے ہیں۔ ایک صاحب تشریف لائے۔ پسِ مرگ کی بات ہوئی تو کہنے لگے میں اپنی روٹین کے مطابق سو جاتا ہوں۔ اٹھ جاتا ہوں۔ میں سو

رہا تھا تو میرے گھر کے قریب دھما کہ ہوا میں نیند میں تھا مجھے سنائی نہیں دیا۔ بیوی نے صبح بتایا۔ یہ واقعہ بیان کر کے کہنے لگے میرا خیال ہے موت بھی اسی طرح ہوگی۔ ہم مر جائیں گے تو اسی طرح بے خبر ہو جائیں گے بس بات ختم۔ میں نے کہا ہمارا ایمان یہ ہے کہ موت بے خبر نہیں کرتی مرنے کے بعد بندہ زیادہ باخبر ہو جاتا ہے۔ جس بندے کو آخرت کا یقین ہی نہیں وہ آخرت کی تیاری کرے گا؟

فرمایا، کفار کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ انہیں آخرت کا یقین نہیں ہے اس لیے وہ دین پر چلنے سے غفلت کرتے ہیں اور الٹے منہ پھر جاتے ہیں۔ **وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ﴿۷۵﴾** اور اگر ہم ان پر رحم فرمائیں اور جو ان پر تکلیف ہے اس ہم دور بھی کر دیں تو (بھی) اپنی سرکشی پر اڑے رہیں اور بھٹکتے پھریں۔

فرمایا، جب ہم ان پر کرم فرماتے ہیں دنیوی مصیبتیں ہٹا دیتے ہیں تو یہ برائی میں مزید آگے بڑھ جاتے ہیں۔ جیسے مشرکین مکہ بطور سزا قحط میں مبتلا ہوئے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمتِ عالی میں عرض گزار ہوئے کہ ہمارے لیے دعا فرمائیں کہ قحط ختم ہو جائے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی دعا کے طفیل قحط ختم ہو گیا تو پھر بھی عاجزی اختیار نہ کی بلکہ مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور شورشوں میں لگ گئے۔

قرآن حکیم کی ہر آیت دعوتِ فکر دیتی ہے۔ غلط کاروں کے غلط کردار سے بچنے کے لیے اُن کی غلط کاریوں کی نشاندہی کرتی ہے۔ ہمیں دیکھنا چاہیے اور سبق حاصل کرنا چاہیے۔ دنیا میں انسانوں پر تکلیفیں، بیماریاں، مجبوریاں آتی رہتی ہیں۔ اللہ عافیت ہی بخشے، اپنا رحم ہی کرے۔ ہر بات کے مثبت، منفی دو پہلو ہوتے ہیں۔ مثبت بات یہ ہے کہ انسان کے بہت سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ مالی فراخی نہ ہونا بہت سے گناہوں سے بچنے کا سبب بن جاتا ہے۔ بیماریاں بندے کو کتنی یادِ اللہ کرا دیتی ہیں۔ بندہ اللہ سے توبہ کرتا ہے، دعائیں مانگتا ہے۔ اللہ رحم کرے اور ایسی تنگدستی نہ بھیجے جو ایمان کے لیے خطرہ بن جائے اور ایسی فراخی سے محفوظ فرمائے جو اللہ سے ہی دور کر دے۔

## گرفتارِ عذاب ہونے کی وجہ:

فرمایا: **وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا یَتَضَرَّعُوْنَ﴿۷۶﴾** اور یقیناً ہم نے ان کو عذاب میں پکڑا تو انہوں نے اپنے پروردگار کے سامنے عاجزی (ظاہر) نہ کی اور نہ وہ عاجزی کرتے (ہی) ہیں۔

یہ اس لیے عذاب میں پکڑے جاتے ہیں کہ اللہ کی بارگاہ میں عجز نہیں کرتے۔ اپنے آپ کو اللہ کا محتاج نہیں سمجھتے۔ خود کو اللہ کریم کے سامنے جوابدہ نہیں سمجھتے۔ کفر اور گناہ کا بنیادی فلسفہ بھی یہی ہے۔ جب احساسِ جوابدہی نہ ہو تو بندہ جو جی چاہے کر گزرتا ہے۔

دنیا میں بھی یہی اصول کارگر ہوتا ہے۔ نظامِ عدل مضبوط ہو، جوابدہی کا ڈر ہو تو لوگ جرم نہیں کرتے۔ سزا کا خوف ہو، سزا کے ملنے کا یقین ہو تو جرم سے ڈرتے ہیں، اسی طرح آخرت کی جوابدہی کا ڈر ہو۔ اللہ کے عدل کا سامنا ہونے کا یقین ہو تو اللہ کی توفیق سے بندہ گناہ سے بچ جاتا ہے۔ فرمایا: حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ﴿۷۷﴾ یہاں تک کہ جب ہم ان پر سخت ترین عذاب کا دروازہ کھول دیں گے تو اس وقت وہ اس میں بالکل ناامید ہو جائیں گے۔

یہ لوگ کر لیں گناہ اور جس نے کفر کی راہ اپنانا ہے گناہ کرتا ہے تو کر کے دیکھ لے۔ جب پکڑا جائے گا، عذابوں کا دروازہ جب اس پر کھل جائے اور عذاب بھی شدید ہوں جن میں یہ مبتلا ہوں گے پھر انہیں سمجھ آئے گی لیکن اس سمجھ آنے کا کیا فائدہ؟ زندگی بیت چکی ہوگی۔ دار العمل ختم ہو چکا ہوگا۔ دار الجزا شروع ہو جائے گا۔ وہاں مانا تو کیا مانا! وہاں تو ہر کوئی مانے لے گا۔ بات تو ایمان بالغیب کی ہے کہ نبئ صادق و امین صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر ایمان لاتے ہوئے عظمتِ الٰہی پر ایمان ہو۔ آخرت پر یقین ہو۔ جوابدہی کا احساس ہو۔ حضورِ حق کا احساس ہو کہ میرا اللہ میرے پاس ہے، وہ دیکھ رہا ہے، جان رہا ہے اور میں کیا کر رہا ہوں۔ یہ سب ہو تو بات بنتی ہے۔ تب کہیں بندہ راہ حق پر گامزن ہوتا ہے۔

## سورۃ المومنون رکوع 5 آیات 78 تا 92

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ وَهُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ﴿۸۶﴾ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْۢ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰی تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾

اور وہی (اللہ) ہے جس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے۔ (مگر) تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو ﴿۷۸﴾ اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں پھیلا رکھا ہے اور تم سب اُسی کے پاس لائے جاؤ گے ﴿۷۹﴾ اور وہی ہے جو زندگی بخشتا ہے

اور موت دیتا ہے اور اسی کے اختیار میں ہے رات اور دن کا گھٹنا بڑھنا تو کیا تم (اتنی سی بات) نہیں سمجھتے؟ ﴿۸۰﴾ بلکہ یہ بھی اُسی طرح (کی بات) کہتے ہیں جو اگلے (کافر) کہتے تھے ﴿۸۱﴾ کہتے ہیں کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے؟ ﴿۸۲﴾ بے شک اس بات کا تو ہم سے اور ہمارے باپ دادوں سے پہلے سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے یہ تو صرف اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ﴿۸۳﴾ فرما دیجیے کہ یہ زمین اور جو اس پر رہتے ہیں سب کس کے ہیں اگر تم جانتے ہو تو (بتاؤ)؟ ﴿۸۴﴾ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ کے ہیں (تو) فرمایے پھر تم کیوں غور نہیں کرتے؟ ﴿۸۵﴾ فرمایے کہ سات آسمانوں کا مالک اور عرشِ عظیم کا مالک کون ہے؟ ﴿۸۶﴾ وہ ضرور (یہی) جواب دیں گے 'اللہ' آپ فرمایے پھر تم (اس سے) کیوں نہیں ڈرتے؟ ﴿۸۷﴾ فرمایے وہ کون (ہستی) ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابل کوئی پناہ نہیں دیتا اگر تم کو کچھ خبر ہے تو؟ ﴿۸۸﴾ وہ ضرور (یہی) کہیں گے (یہ سب صفات تو) اللہ کی ہیں۔ فرما دیجیے پھر تم پر کہاں سے جادو پڑ جاتا ہے؟ ﴿۸۹﴾ بلکہ ہم نے ان کو سچی بات پہنچائی ہے اور یقیناً یہ جھوٹے ہیں ﴿۹۰﴾ اللہ نے کسی کو اولاد قرار نہیں دیا اور نہ اُس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی مخلوق کو (تقسیم کر کے) جدا کر لیتا اور ضرور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں ﴿۹۱﴾ جاننے والا ہے سب پوشیدہ اور ظاہر کا۔ یہ جو اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ تو اس کی شان اس سے بہت بلند ہے ﴿۹۲﴾

# تفسیر و معارف

## دعوتِ فکر:

فرمایا: وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ اور وہی (اللہ) ہے جس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے (مگر) تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔

یہاں اللہ کریم نے اپنی عنایات، اپنی نعمتوں کا ذکر فرما کر عظمتِ باری کی دعوت کو انسانیت کے لیے واضح کر دیا ہے کہ وہ ذات جس نے انسان کو اتنے اعلیٰ حواس، اتنا حساس آلہ دل عطا فرمایا وہی ذات حقیقی ذات ہے۔ خالق و مالک، پروردگارِ عالم ہے اتنی نعمتوں کو پانے کے بعد انسان کو اللہ کا، منعم حقیقی کا شکرگزار ہونا چاہیے لیکن بہت تھوڑے لوگ ہیں جو اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

فرمایا، وہ کیسا عجیب کاریگر ہے اور کس قدر عالیشان ہر طرح سے پاک اور ہر چیز پر قادر ہے کہ اُس نے خاکی ذرات کو کتنی مختلف صورتوں سے گزارا۔ اتنے طویل اور وسیع لائحہ عمل سے قدرت ان خاکی ذرات کو گزارتی ہے جس سے انسان کے وجود اور اس میں موجود نظام کی تعمیر ونشوونما ہوتی ہے۔ فرمایا، اس نے تمہارے لیے سماعت کا نظام بنا دیا یہ اتنا نازک نظام ہے کہ کان میں ایک بڑا ہلکا سا نازک سا خفیف سا پردہ ہے اُس کے ساتھ جو آواز آ کر ٹکراتی ہے۔ ایک سنسناہٹ پیدا کرتی ہے پھر وہاں آگے ایک ٹیوب ہے۔ جس میں ایک محلول سا ہوتا ہے۔ اس میں سے گزرتی ہوئی دماغ تک جاتی برقی رو میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ بجلی سی بن جاتی ہے۔ روشنیاں سی بن جاتی ہیں پھر وہ دماغ کے مختلف حصوں پر وہ بجلی چمکتی ہے اور وہ حصے اُس کو analyse کر کے دماغ کو بتاتے ہیں تب جا کر آدمی آواز سنتا ہے۔ تب آدمی کو احساس ہوتا ہے کہ یہ اس نے سنا۔ یہ سب کچھ چشمِ زون میں ہو جاتا ہے۔ ادھر ہونٹ ہلے ادھر آواز سنائی دی۔ یہ نظام اتنا ہی نازک بھی ہے۔ اتنا نازک نظام ہے کہ کہیں ذرا اُس ٹیوب میں خلل آ جائے یا کان کا پردہ ذرا سا خراب ہو جائے تو سارا سسٹم بیٹھ جاتا۔ اللہ کریم دعوتِ فکر دے رہے ہیں کہ ایسی نعمت اللہ نے عطا فرما دی اور انسان زندگی بھر اسے استعمال کرتا رہتا ہے تو اس پر کتنا شکر واجب ہے!

قرآنِ کریم دعوت دیتا ہے کہ اُس کی صنعت پر غور کرو۔ اسی لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ علم کے دو حصے ہیں کُل علم جو ہے اُس کے دو حصے ہیں عقائد۔ ایمانیات کا علم اور ابدان کا علم یعنی سائنس، جدید علوم۔ یہ سب مسلمان کو جاننے چاہئیں اور یہ سب اُس کی تربیت کا حصہ ہیں، اُس کی وراثت ہیں۔ فرمایا وہ ایسا کاریگر ہے۔ جس نے اُنہی خاکی ذرات میں سے تمہارے جسم میں سماعت کی قوت پیدا کر دی ہر بات سُن سکتے ہو۔ وَالْاَبْصَارَ دیکھنے کی طاقت دے دی۔ آنکھ میں یہ جو عدسے لگے ہوئے ہیں یہ ایک نہیں ہے یہ بے شمار ہیں چھوٹے چھوٹے بہت سے ہیں۔ ہر چیز کا ہر زاویہ دیکھتے ہیں۔ پھر یہ بھی آگے دماغ کو پیغام منتقل کرتے ہیں۔ دماغ اُس کا تجزیہ کرتا ہے۔ تب ہمیں سمجھ آتی ہے کہ یہ انسان کھڑا ہے۔ یہ درخت ہے، یہ دیوار ہے، آنکھ کے پردے سے لے کر دماغی تجزیے تک اس میں کوئی لمحہ نہیں لگتا۔ سارا پروسس (Process) ایک لمحے میں بلکہ اُس سے بھی کم وقت میں ہو جاتا ہے۔ ہم جیسے ہی آنکھ کھولتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں میں دیکھ رہا ہوں کوئی وقفہ نہیں

آ تا۔ وہ ایسا کاریگر ہے کہ انہی ذرات سے تمہارے ہاتھ پاؤں بنے انہی ذرات سے بازو ٹانگیں بنیں۔ پیٹ، معدہ، جگر بنا انہی ذرات سے بصارت بھی بنا دی۔ بصارت کیسی عجیب چیز ہے۔ وَالْاَفْـِٕدَةَ۔ اَفۡـِٕدَہ دل کے اندر موجود لطیفۂ ربانی ہے۔ یہ حساس ترین حصہ ہے۔

دل بظاہر خون پہنچانے کی مشین ہے۔ سارے بدن میں خون بھیجتی ہے اور صاف کر کے بدن میں واپس بھیجتی ہے۔ دل کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ خون کو باہر دھکیلتا ہے۔ دوسرا حصہ اندر کھینچتا ہے جو خون باہر جاتا ہے وہ ایک ایک نس میں پھر جلد کے ایک ایک ذرے میں وجود کے ایک ایک ذرے میں جاتا ہے۔ پھر دل کا دوسرا حصہ اُسے واپس کھینچتا ہے۔ واپس آنے تک وہ میلا ہو چکا ہوتا ہے پھر سانس کی آمد و رفت اور پھیپھڑے کا کام ہے کہ اُسے پھر آکسیجن دے کر اُسے صاف کرے اور اُس میں جو کاربن ڈائی آکسائیڈ بن گئی ہے جو میل شامل ہوگئی ہے اُسے باہر خارج کر دے تو یوں پھیپھڑوں کے ذریعے سانس کا نظام جاری رہتا ہے۔ دل کی دھڑکن کے ذریعے ایک ایک ذرے ایک ایک نس تک حتیٰ کہ جلد کے خلیوں تک کو خون پہنچتا رہتا ہے۔ یہ اتنا باریک نظام ہے کہ جلد کے ایک ایک خلیے تک وہ جاتا ہے۔ بدن کے ایک ایک ذرے میں سرایت کرتا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں جو جانور ذبح کر دیا جاتا ہے۔ تب تک اُسے کاٹا نہیں جاتا۔ جب تک خون بدن سے خارج نہ ہو جائے اُسے دمِ مسفوح کہتے ہیں وہ حرام ہے لیکن جو قومیں ذبح نہیں کرتیں۔ مشین سے کاٹ دیتی ہیں یا جھٹکا کر دیتی ہیں۔ ایک دم سے گردن کاٹ دی اور گوشت بنانے میں لگ گئے تو وہ گوشت صحت کے لیے مضر ہے۔ ذبح میں بھی یہ حکم ہے کہ گردن میں جو سفید سا ایک تسمہ سا ہوتا ہے وہ نہ کاٹا جائے کیونکہ اگر وہ کٹ جائے تو حرام مغز کٹ جائے تو دل کی دھڑکن رُک جاتی ہے۔ سارا خون باہر نہیں جاتا اس لیے ذبح کرنے میں بھی یہ خیال رکھنا چاہیے۔ بڑے جانور تو قصاب ذبح کرتا ہے۔ پرندے وغیرہ تو ہم ذبح کرتے رہتے ہیں۔ خیال رکھتے ہیں کہ گردن بالکل نہ کٹے حرام مغز نہ کٹے حرام مغز کا کٹنا مکروہ ہوتا ہے۔ جب تک حرام مغز رہتا ہے۔ ایک حد تک دل میں دھڑکن رہتی ہے۔ جب تک دل میں دھڑکن رہتی ہے خون باہر نکلتا رہتا ہے اور آپ نے کبھی ذبح کے وقت جانور کو دیکھا ہو تو دل کی دھڑکن کا پتا چلتا ہے۔ شرعی طریقے پر ذبح کریں تو خون فوارے کی طرح ابلتا ہوا نکلتا ہے اور نس نس سے خون نکل جاتا ہے۔ لیکن جو لوگ ذبح نہیں کرتے اور پورا خون نہیں نکالتے تو اُن کا گوشت اگر پکا ہوا بھی ہو تو آپ چند بوٹیاں رکھ کر اُس میں پلیٹ میں پانی ڈال دیں تھوڑی دیر اُنہیں ہلائیں سارا پانی سرخ ہو جائے گا۔ اس لیے کہ ہر ذرّے میں خون ہوتا ہے۔ آج مغرب میں بھی یہ طے ہوا ہے۔ قانوناً یہ لازم ہوگیا ہے کہ جانور کا گلا کاٹ کر لٹکا دیا جائے جب تک خون آتا رہے اُسے مت اتارا جائے سارا خون نکال کر پھر اُس کی کھال اتاری جائے اور پھر اس کا گوشت بنایا جائے اب غیر مسلم بھی مان گئے ہیں کہ مشینی ذبح کرنے سے گوشت میں خون کے اجزاء

رہ جاتے ہیں اس لیے کہ جو خون کے اجزاء رہ جاتے ہیں گوشت میں وہ انسان کی صحت کے لیے سخت مضر ہیں۔

چلو اللہ کا نام نہیں لیتے لیکن اسلام کے طریقہء ذبح کو آج سائنس کو بھی اپنانا پڑا۔ ساڑھے چودہ سو سال دھکے کھانے کے بعد سائنس وہاں پہنچی جہاں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو روزِ اوّل پہنچا دیا۔

یہ کام تو دل کا ہے۔ جو ایک گوشت کا لوتھڑا ہے اُسے عربی میں قلب کہتے ہیں۔ اَفْئِدَہ لطیفہء ربانی ہے جس کو انگریزی میں Subtle Heart کہتے ہیں۔ سائنس بھی اسے مانتی ہے۔

لطیف اُس شئے کو کہتے ہیں جو سماعت و بصارت کی قید میں نہ آئے جسے ہم دیکھ نہ سکیں وہ چیز لطیف ہے جسے ہم سُن نہ سکیں وہ آواز لطیف ہے تو اَفْئِدَہ ایک نظر نہ آنے والا لطیفہء ربانی ہے جو نور ہے وہ بھی اسی دل کے اندر رکھا گیا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں میری تخلیق دیکھو اُنہی ذرات سے جن سے تمہارے وجود کے اعضاء بنے انہی ذرات سے دل بنا۔ جس میں اللہ نے لطیفہء ربانی رکھا۔ دل اور اس کی دھڑکن اتنا کام کر رہی ہے کہ ماں کے پیٹ سے سب سے پہلا کام وجود کا جو حصہ شروع کرتا ہے وہ دل کی دھڑکن ہے۔ اعضاء مکمل بعد میں ہوتے ہیں۔ دماغ بعد میں بنتا ہے۔ آنکھیں کان بعد میں بنتے ہیں پہلے دل بنتا ہے اور روزِ اول سے دھڑکنا شروع کر دیتا ہے اور اُس کے خون سپلائی کرنے سے باقی اعضاء و جوارح بنتے رہتے ہیں۔ ماں کے پیٹ سے شروع ہو کر لبِ گور تک رُکتا نہیں کوئی ستانے کا موقع نہیں ہے اس کے پاس جب رُکتا ہے تو زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے اندر لطیفہء ربانی رکھ دیا۔ اَفْئِدَہ دل کی گہرائی میں کوئی چیز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بخاری و مسلم) انسان کے بدن میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر وہ لوتھڑا ٹھیک رہے تو سارا بدن ٹھیک رہتا ہے اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے۔

یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ قلب استعمال فرمایا قلب کے اندر اَفْئِدَہ ہے۔ قلب دھڑکنے والا دل ہے اس کے کام کے دو شعبے ہو گئے۔ ایک شعبہ تو خون پہنچانے کا۔ اگر وہ صحیح رہے تو بدن کی جسمانی صحت صحیح رہے گی۔ دوسرا شعبہ وہ نورانی لطیفہء ربانی ہے اگر وہ صحیح رہے تو انسان کا عقیدہ ایمان اور کردار صحیح رہے گا جہاں خرابی دل میں آئی وہاں باقی عمارت تباہ ہو جائے گی، ہر دل میں دِیا بھی ہے اُس میں تیل بھی ہے۔ اُس میں بتی بھی ہے یہ اَفْئِدَہ ہے لیکن کیا وہ چراغ از خود روشن ہو جائے گا ہر گز نہیں۔ اُسے نورِ نبوت کی روشنی چاہیے۔ جب اللہ کے نبیؑ کے ساتھ کوئی ایمان

لاتا ہے تو وہ چراغ روشن ہو جاتا ہے۔ جب چراغ جل اُٹھتے ہیں پھر اُن کی حفاظت کرنا پڑتی ہے۔ کوئی ایسا جھونکا ہوا کا نہ آئے جو اُسے بجھا دے۔ اُس کی بتی خراب نہ ہو جائے۔ اُس میں تیل ختم نہ ہو جائے۔ جس طرح دل دھڑکتا ہے۔ زندگی کی نمو ہوتی ہے اس طرح انسان پیدا ہوتے ہی بھوک کے لیے تڑپ اُٹھتا ہے۔ ماں کے پیٹ میں تو اللہ کریم نے نظام کر رکھا تھا۔ ماں کی غذا سے اُسے غذا مل رہی تھی۔ پیدا ہوتے ہی جانور کا بچہ ہو یا انسان کا ہو اُسے بھوک لگ جاتی ہے۔ کھانے پینے سے اس کا جسم توانا ہوتا ہے۔ وہ بڑھتا ہے، پھلتا پھولتا ہے، جوان ہو جاتا ہے، طاقتور ہو جاتا ہے۔ عقل مند دانا و بینا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اَفْئِدَہ کا چراغ نورِ ایمان سے جلتا ہے تو اس کی یہ حالت اس کا بچپن ہے پھر حُسنِ کردار اُس کی تربیت کرتا ہے۔ وہ اس کی غذا بھی ہے اس کی دوا بھی ہے۔ جتنا کوئی شریعت پر عمل کرتا ہے اور جتنے خلوص سے کرتا ہے اُتنی اُس کی دوا اور غذا خالص ہوتی جاتی ہے وہ پلتا بڑھتا جوان ہوتا جاتا ہے۔ اگر ساتھ وہ بھی جوان ہو جائے تو جسم کو بھی منور کر دیتا ہے۔ اسے برائی سے نفرت ہو جاتی ہے نیکی سے محبت ہو جاتی ہے۔ اس کا کردار سنور جاتا ہے اور یہ ہے مومن کی زندگی اور مکمل زندگی۔

اب اگر کسی نے مسلمانوں کے گھر پیدا ہونے کی وجہ سے کلمہ سُنا کلمہ پڑھ لیا اللہ اس کا اسلام بھی قبول فرمائے پھر ساری زندگی پروا نہیں کی۔ حلال حرام کی تمیز نہیں رکھی پاک پلید کو نہیں دیکھا۔ جائز ناجائز کو نہیں دیکھا۔ عبادات ترک کر دیں۔ معاملات ترک کر دیے تو پھر یہ چراغ دھیما پڑتا جاتا ہے اور کبھی بجھ بھی جاتا ہے۔ ہم جب چھوٹے تھے پاکستان نہیں بنا تھا تو یہ متعدد فرقے نہیں تھے۔ ہم سے بہت پہلے کی بات تو بہت اچھی ہوگی۔ مسلمانوں میں فرقہ بندیاں بہت کم تھیں کوئی مذہبی لڑائی نہیں ہوتی تھی۔ ہم نے اپنی زندگی میں دیکھا۔ آج عجیب حال ہے اب ایک گھر میں پانچ چھ افراد ہیں تو فرقے بھی پانچ چھ ہیں ماں ایک اور عقیدے پر ہے باپ ایک اور نظریے پر ہے بیٹا اور پر ہے بہو اور پر ہے۔ بیٹی اور ہی کچھ سوچ رہی ہے۔ یہ کیا ہو گیا ہے؟ پہلے لوگ سادہ تھے سادگی پسند تھے۔ سچا کھرا سوچتے تھے۔

اسلام سادہ سا لوگوں کو آتا تھا۔ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ اللہ کے سارے نبیؑ سچے تھے قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ موت برحق ہے۔ قیامت کو حساب کتاب ہوگا۔ برزخ میں جزا و سزا ہے۔ فرشتے ہیں یہ سادہ سی پانچ سات چیزیں ہر مسلمان کو یاد ہوتی تھیں۔ صلوٰۃ ادا کرنی ہے، روزہ رکھنا ہے۔ میں زندگی میں غالباً تین بار گرمیوں کے روزے دیکھ چکا ہوں۔ پہلی مرتبہ جب گرمیوں میں روزے آئے تو ہم چھوٹے تھے تو لوگ فصلیں بھی کاٹتے تھے۔ فصلیں اُگاتے بھی تھے کام بھی سارا کرتے تھے۔ روزہ بھی رکھتے تھے۔ سخت گرمی ہوتی تھی پھر دوسری مرتبہ آئے، پھر بھی دیکھا بظاہر روزہ کوئی نہیں چھوڑتا تھا۔ اگر کوئی نہیں بھی رکھتا تھا بڑا چوری چھپے کہیں اُس نے

پانی پی لیا۔نہیں تو کام بھی کرتے تھے اور اکثر کاشتکار رات کو فصلیں کاٹتے تھے۔سحری روزہ بند کر کے شروع ہو گئے۔ آٹھ نو بجے چھٹی کر دی۔شام کو عشاء کے بعد شروع ہو گئے۔جب چاند روشن ہو جاتا تھا تو راتوں کو کر لیتے تھے۔لیکن روزہ رکھتے تھے۔صلوٰۃ ادا کرتے تھے۔اب لوگ کچھ بھی نہیں کرتے۔صلوٰۃ ہی ادا کرتے ہیں نہ روزہ رکھتے ہیں۔ جن زمینداروں کی زمینداری ہے وہ بھی اب مشینی دور آ گیا ہے۔مشینیں ہی فصلیں کاٹتی ہیں، بوتی مشینیں ہیں اور صاف مشینیں کرتی ہیں لیکن پھر بھی لوگ دین سے بیزار ہو گئے ہیں۔ایک ایک گھر میں دس دس عقیدے کیوں ہو گئے ہیں؟اگر آپ کبھی بیٹھ کر غور کریں گے تو آپ کو سمجھ آئے گی کہ جس کا دِیا بُجھ جائے تو وہ کسی دوسری راہ پر چل پڑتا ہے۔ہمارے کھانے میں حلال نہیں رہا۔حرام کھانا ایسا ہی ہے۔جیسے لطیفہء قلب کو زہر دینا۔تھوڑا تھوڑا زہر بھی کسی کو دیتے رہنے سے جسے انگریزی میں (Slow Poisoning) آہستہ آہستہ تھوڑا تھوڑا زہر کھلاتے رہنا تو بالآخر وہ مر جاتا ہے۔یہ حرام کی کمائی ناپاک غذا ہے یہ جب تھوڑی تھوڑی کھاتے رہتے ہیں تو رفتہ رفتہ وہ دیا بُجھ جاتا ہے۔اسی طرح نظریات وعقائد میں جب غیر شرعی تبدیلیاں لاتے ہیں بدعات کو اپنا لیتے ہیں دین کو چھوڑ کر رواجات میں کھو جاتے ہیں تو وہ چراغ بجھ جاتا ہے۔جس کا چراغ بجھ جائے اس کا جدھر جی چاہے منہ اُٹھا کے چل دے اُسے کسی دلیل کی کیا ضرورت ہے۔

فرمایا اللہ تو ایسا کاریگر ہے کہ اُس نے تمہارے لیے کان بنائے سننے کی قوت بنائی۔دیکھنے کی طاقت عطا کی اور سب سے بڑی بات اَفۡـِٕدَۃ نہاں خانہء دل میں بھی ایک لطیفہ رکھ دیا۔دل خود وجود کا اہم جُز اور اہم پُرزہ ہے جس طرح بدن کی صحت وتندرستی کے لیے اس کا صحت مند ہونا ضروری ہے۔جس طرح دل کی ضرورت ہے، قلب کی ضرورت ہے کہ وہ صحت مند ہو اور خون پمپ کرتا رہے۔صاف کرتا رہے۔اسی طرح روح کو بالیدگی حاصل کرنے کے لیے اَفۡـِٕدَۃ کی ضرورت ہے کہ اُس میں نور بڑھتا رہے۔وہ نور روشن ہوتا ہے نبیؐ پر ایمان لانے سے اور اُس میں تیل اور بتی ٹھیک ہوتی رہتی ہے۔نبیؐ کا اتباع کرنے سے دین پر عمل کرنے سے وہ بھی طاقتور ہوتا رہتا ہے۔جس طرح بدن بڑھتا ہے اسی طرح وہ بھی جوان ہوتا جاتا ہے۔بدن پر بُڑھاپا آ جاتا ہے۔لیکن اس پر بڑھاپے میں اور جوانی آتی ہے وہ اور طاقتور ہوتا جاتا ہے۔فرمایا میں نے تو یہ نعمتیں ساری اولادِ آدم کو دی ہیں لیکن بہت تھوڑے ہیں جوان کا شکر ادا کرتے ہیں۔میں نے تو ہر بندے میں تخلیقی طور پر یہ ساری نعمتیں سمو دیں۔حق تو یہ تھا سارے سربسجود رہتے اور شکر ادا کرتے رہتے لیکن قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ بہت تھوڑے لوگ ہیں جو شکر ادا کرتے ہیں۔

## دعوتِ فکر کا نیا انداز:

وَهُوَ الَّذِىْ ذَرَاَكُمْ فِى الْاَرْضِ ۔۔۔اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں پھیلا رکھا ہے جس زمین پر تم

نازاں ہو۔ جن گھروں پر تم فرحاں ہو جن محلوں پر تمہیں ناز ہے۔ جس قوتِ حکمرانی میں تم ڈوبے ہوئے ہو۔ جس کا تمہیں نشہ ہے جس دولت پر تمہیں بڑا فخر ہے۔ یہ سب کچھ تم نے کہاں سے لیا۔ یہ کسی نے دیا ہے۔ اس مالک نے دیا جس نے تمہیں پیدا کیا اور اتنی خصوصیات عطا فرمائیں۔ وَهُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ ۔۔۔ پھر اُس نے تمہیں زمین پر بسا دیا۔ روئے زمین کو تمہارا گھر بنا دیا اُس پر ایسا ماحول بنایا جس میں تم سانس لے سکو، زندہ رہ سکو، بس سکو۔ اُس میں ایسے وسائل بنائے جن میں تمہاری ضروریات کی ہر چیز سمو دی۔ تمہاری غذا بھی، خوراک بھی، لباس بھی، دوا بھی۔ ہر چیز۔ نباتات میں، پودوں میں، درختوں میں اور جانوروں میں سمو دی وہ ہی قادرِ مطلق ہے جس نے تمہیں زمین پر بسایا ہے۔ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ﴿۷۹﴾ اور تم سب اسی کے پاس لائے جاؤ گے۔ یہ مت بھولو تمہیں مڑ کر اُس کی بارگاہ میں جانا ہے۔ زمین پر تمہیں ہمیشہ نہیں رہنا۔ انسان کا گھر بنیادی طور پر جنت میں ہے لیکن جنت جانے سے پہلے اُسے دنیا میں بھیج دیا گیا۔ اللہ کریم نے دنیا کا نظام بنایا، انسان کو یہاں بسایا چھوٹے چھوٹے خلیوں کو جوڑ کر ایک کائنات بنا دی اُس میں تمہیں بسا دیا یہ بِلا مقصد نہیں ہے۔ یہ تمہارا گھر نہیں ہے۔ اُس نے تمہیں یہاں سے تمہارے گھر کا راستہ بتایا ہے۔ وہ ہے نورِ ایمان کی روشنی میں اتباعِ نبوت میں چل کر تمہیں اپنے گھر پہنچنا ہے۔ اب جو نورِ ایمان کی روشنی بھی چھوڑ دے اتباعِ رسالت کا راستہ بھی چھوڑ دے تو بھٹکتا پھرے۔ بھٹکنے والوں کے لیے دوزخ ہے۔ دو ہی گھر ہیں۔ ہر بندے کو ایک میں پہنچنا ہے۔ زندگی ضائع کرو گے، بھٹکتے رہو گے، دھکے کھاتے دنیا میں بھی ذلیل و رسوا ہوتے ہوئے جہنم میں جا گرو گے۔ زندگی کی قدر کرو گے۔ اللہ کی نعمتوں کی قدر کرو گے۔ اس کا شکر کرو گے۔ اس کی اطاعت کرو گے اُس کے نبیؐ کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ گے تو اپنے گھر جنت میں بخیریت پہنچ جاؤ گے۔

وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴿۸۰﴾ جو زندگی بخشتا ہے اور موت دیتا ہے اور اسی کے اختیار میں ہے رات اور دن کا گھٹنا بڑھنا تو کیا تم (اتنی سی بات) نہیں سمجھتے؟ فرمایا تم میں اتنی عقل بھی نہیں ہے تم نہیں دیکھتے کہ کون حیات دیتا ہے، زندگی کون دیتا ہے، کون موت دے دیتا ہے؟ اگر اطباء، حکیم، دانشور، سائنٹسٹ زندگی دیتے پھر موت کو بھی ٹال سکتے اگر یہ موت دے سکتے تو کوئی پیدا ہی نہ ہوتا پیدائش کو روک دیتے لیکن جو اللہ پاک پیدا فرمانا چاہے اُسے کون روک سکتا ہے۔ یقیناً اللہ ہی زندگی دیتا ہے اور وہ واحد و لاشریک ہی موت دیتا ہے۔ اسی کی قدرتِ کاملہ سے رات دن میں اختلاف ہے۔ اگر صرف رات ہی رہتی یا صرف دن ہی رہتا تو زندگی محال ہو جاتی۔ ذرا سوچو! سورج، چاند، ستارے، سیارے جوِ سماوی کو ان سے بھر دیا۔ ان میں کہکشائیں ہیں۔ ان پر تحقیق کرنے والے کہتے ہیں کہ اربوں کہکشائیں ایسی ہیں جو ابھی تک دریافت نہیں ہوئیں۔ ہر کہکشاں میں کتنے ستارے ہیں یہ کوئی گن نہیں سکا۔ اتنی وسیع کائنات کا حاصل کیا ہے؟ آسمان کی

ساری تخلیقات کی پوری توجہ اس زمین پر ہے جس پر انسان بستے ہیں۔ سورج، چاند، ستاروں اور کہکشاؤں کو اللہ نے انسان کی خدمت پر لگا رکھا ہے۔ ان کے اطراف سے زمین پر انسانی زندگی کی ضروریات کی تکمیل ہوتی ہے۔ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ﴿۸۰﴾ کیا تم میں اتنی عقل بھی نہیں۔ تم نے کبھی اس کی عظمت کے بارے سوچا۔ اس کائنات کو دیکھ کر اس جہاں کو دیکھ کر اپنے ربّ کو پہچانا، جو عظیم ہے جس کا کوئی ثانی نہیں کوئی شریک نہیں۔

بَلۡ قَالُوۡا مِثۡلَ مَا قَالَ الۡاَوَّلُوۡنَ﴿۸۱﴾ بلکہ یہ بھی اس طرح (کی بات) کہتے ہیں جو اگلے (کافر) کہتے تھے۔ فرمایا انسان آسان راہیں تلاش کرتا ہے۔ جو پہلوں نے کہہ دیا وہ ہی کہہ دیا کہ چلو یہ آسان راستہ ہے۔ نہ غور کرنا پڑا نہ سوچنا پڑا نہ کوئی تبدیلی کرنی پڑی نہ اپنا کردار درست کرنا پڑا نہ نظریات درست کرنے پڑے جو باپ دادا کہتے تھے بزرگ کہتے تھے وہ ٹھیک ہے۔ یہاں کفار کو خطاب ہے کہ تمہارے بزرگ، باپ دادا تو کافر تھے۔

قَالُوۡۤا ءَاِذَا مِتۡنَا وَ کُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ﴿۸۲﴾ کہتے ہیں کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے؟ فرمایا، یہ کہتے ہیں کہ جب مرجائیں گے تو مٹی ہو جائیں گے۔ یہ گوشت گل سڑ کر خاک ہوجائے گا۔ ہڈیاں بکھر جائیں گی کیا دوبارہ زندہ ہوجائیں گے؟ یعنی اُن کے لیے یہ عجیب بات تھی۔ فرمایا، روز تمہارے سامنے اسی خاک سے ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں گھاس کے تنکے سرسبز نکلتے ہیں۔ درختوں کے پتے پہلے اُگتے ہیں پھر جھڑ جاتے ہیں۔ بہار آتی ہے تو اُسی مٹی سے غذا حاصل کر کے اور زیادہ پتے نکل آتے ہیں۔ کون بناتا ہے؟ یہ تمہارے سامنے پورے نظام میں شکست ریخت ہو رہی ہے تولید و ولادت بھی ہے۔ انسان مر رہے ہیں۔ پیدا ہو رہے ہیں۔ جو پیدا ہو رہے ہیں وہ بھی مٹی سے ہیں جو مر رہے ہیں وہ بھی مٹی میں جا رہے ہیں لیکن تم اس پر سوچتے نہیں! جو پہلے کافروں نے کہہ دیا وہ دُہرا دیتے ہو کہ یہ آسان سا راستہ ہے۔

فرمایا: لَقَدۡ وُعِدۡنَا نَحۡنُ وَ اٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ﴿۸۳﴾ بے شک اس بات کا تو ہم سے اور ہمارے باپ دادوں سے پہلے سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے یہ تو صرف اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

کہتے ہیں ہمارے باپ دادا کو بھی یہ کہا گیا کہ تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ کب سے لوگ مر رہے ہیں کیا کوئی زندہ ہوا؟ واپس تو کوئی نہیں آیا۔ کیا کسی نے دیکھا ہے کوئی واپس آیا ہے؟ یہ محض قصے کہانیوں کی بات ہے جو پرانے زمانے کے لوگوں نے قصے کہانیاں جوڑے تھے اُنہیں یہ دہراتے رہتے ہیں۔

قرآن کریم نے دوسرا انداز، خوبصورت انداز اختیار فرمایا۔ فرمایا، ان سے پوچھیے یہ جو کہتے ہیں کہ کوئی نہیں واپس آیا تو حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک کے دوبارہ زندہ ہونے کا اللہ کریم نے ایک وقت مقرر کیا

ہے۔ جو مرتا جا رہا ہے وہ انتظار گاہ میں ہے۔ سب انتظار میں بیٹھتے جا رہے ہیں۔ جب قیامت کا وقت ہوگا سب آ جائیں گے۔ تم بھی آ جاؤ گے۔

فرمایا، میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم!) ان کافروں کو قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ فرما دیجیے کہ یہ زمین اور جو اس پر رہتے ہیں سب کس کے ہیں اگر تم جانتے ہو تو (بتاؤ)؟ ذرا یہ تو بتاؤ کہ یہ زمین اور اس میں سارے جو عجائبات ہیں یہ کس کے ہیں، کس نے بنائے؟ اب کفر کی مجبوری یہ ہے کہ آخر اُسے ایک طاقت ماننا پڑتی ہے۔ جو پیدا کرتی ہے۔ جو پیدا کرنے والی ہے۔ جسے کسی نے پیدا نہیں کیا۔ کیونکہ تسلسل آ جاتا ہے یہ چیز کس نے بنائی؟ مستری نے بنائی۔ مستری نے کس سے بنائی؟ لکڑی سے۔ لکڑی کہاں سے آئی؟ درخت سے۔ درخت کہاں سے آیا؟ زمین سے۔ زمین کہاں سے آئی، کس نے بنائی؟ پھر مستری کون ہے اُسے کس نے بنایا؟ اس طرح آخر ایک طاقت ماننا پڑتی ہے۔ اگر کہیں اللہ نے بنایا۔ تو اللہ کو کس نے بنایا؟ وہ اپنے آپ قائم ہے۔ اُسے کسی نے نہیں بنایا۔ وہاں عقل کو یہ ماننا پڑتا ہے اور یہ ایمان نہیں ہے۔ ایمان یہ ہے کہ اللہ کو ویسا مانا جائے جیسا اللہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ماننے کا حکم دیتے ہیں۔ اُس کی ذات بھی ویسی مانی جائے۔ اُس کی صفات بھی ویسی مانی جائیں ورنہ تو بالآخر ہار کر عقل کو ایک ایسی طاقت ماننا پڑتی ہے جو سب کو پیدا کرتی ہے اور جسے کوئی پیدا نہیں کرتا۔ جو خود ہے۔ اس کا نام اللہ رکھ لیں۔ اگر تم میں کوئی دانش ہے کوئی علم ہے۔ کچھ چیزیں جانتے ہو کچھ خبر ہے تو بتاؤ یہ زمین پر عجائبات کس کی ہیں۔ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ کے ہیں (تو) فرمایئے پھر تم کیوں غور نہیں کرتے؟ تو انہیں کہنا پڑے گا کہ یہ اللہ کی ہیں اور کوئی جواب ہی نہیں بنتا۔ انہیں مجبوراً ماننا پڑے گا۔ فرمایئے تو کیا تم پھر نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ تم خود جس کی مخلوق ہو، ساری کائنات جس کی مخلوق ہے۔ جس سے فائدہ حاصل کر رہے ہو۔ جس کی بنائی دنیا میں زندگی بسر کر رہے ہو۔ اُس کی نافرمانی کرو گے، اُس کی فرماں برداری نہیں کرو گے؟ تمہیں کوئی عقل نہیں ہے۔ تمہیں نصیحت نہیں آتی!

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ فرمایئے کہ سات آسمانوں کا مالک اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ ان سے ایک اور سوال کیجیے کہ تم تو سات آسمانوں کے قائل ہو آسمانوں میں ایک الگ حیات قائم ہے۔ وہاں کی ایک الگ مخلوق ہے۔ اُن کا کھانا پینا الگ طرح کا ہے اُن کی صحت و بیماری کچھ اور سی ہے۔ ہم سے ہر طرح سے الگ وہ کوئی نوری مخلوق ہے۔ آسمانوں پر وہ کیا کرتی ہے، کیا ہوتا ہے، کیا نظام ہے؟ اُن سب کا ربّ اُن سب کا بنانے والا، اُن سب کو قائم رکھنے والا اور سارے نظام کو چلانے والا کون ہے؟ کون ہے عرشِ عظیم کا رب؟ عرشِ عظیم سیکرٹریٹ ہے کائنات کا۔ سارے فیصلے اللہ کی طرف سے عرش پر نازل ہوتے ہیں اور تمام احکام

فرشتوں کو وہاں سے تقسیم ہوتے ہیں یہ سارے نظام کا مرکز جو ہے اُس کے بنانے، اُس کے چلانے والا خالقِ مطلق، قادرِ مطلق کون ہے؟ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ وہ ضرور (یہی) جواب دیں گے 'اللہ' آپ فرمایئے پھر تم اس سے کیوں نہیں ڈرتے؟ انہیں کہنا پڑے گا کہ اللہ ہی ہے، وہ ہی واحد و لاشریک ہے، ہر چیز کا خالق بھی ہے، مالک بھی ہے۔ اور ہر ایک کا ربّ بھی ہے۔ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ انہیں کہہ دیجیے کہ تمہیں اللہ سے حیا نہیں آتی تمہیں اُس کی عظمت کا کوئی ادراک نہیں ہوتا! تم اُس سے مخالفت کرنا چاہتے ہو۔ اُس کی نافرمانی کرنا چاہتے ہو۔

قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ فرمایئے وہ کون (ہستی) ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابل کوئی پناہ نہیں دیتا اگر تم کو کچھ خبر ہے تو؟

پھر فرمایا تو ان سے پوچھیے میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلّم!) یہ آسمان، عالمِ بالا، زمین، سمندر، خشکی، تری، فضا، سورج ان سب کی حکومت کس کے پاس ہے؟ کون ایسا ہے جس نے سورج کو سیاروں کو ستاروں کو اپنی اپنی جگہ پر اپنے اپنے مدار میں چلا رکھا ہے؟ ایک سیارہ ایک ستارہ اپنے مدار سے ہٹ جائے تو ساری دنیا تباہ ہو جائے۔ سارا نظام تباہ ہو جائے۔ سب کچھ تباہ ہو جائے۔ صدیاں بیت گئیں کروڑوں سال بیت گئے۔ انسانی تاریخ حتمی طور پر معلوم نہیں، انسان سے اربوں سال پہلے سے یہ زمین و آسمان ستارے سیارے چل رہے ہیں۔ خود سائنس کہتی ہے۔ کہ کسی سیارے کسی ستارے کی گردش میں رائی برابر فرق بھی آنا شروع ہو جائے تو کائنات کو تباہ کر دے۔ ہر چیز اپنے اپنے مدار، اپنے مقررہ راستے پر اپنے مقررہ وقت کے مطابق چل رہی ہے۔

## ایک لطیف نکتہ:

دیکھیں ہر آیت کے ساتھ۔ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ آیا ہے۔ یعنی اگر تم کچھ علم رکھتے ہو۔ یہاں کفار پر سوال کیا جا رہا ہے جنہیں کچھ اب ج آتا ہے۔ اس کا مطلب ہے۔ علومِ ظاہری بھی انسان کی ضرورت ہیں۔ اور مسلمان کی بدرجہ اولیٰ ضرورت ہیں کہ جو سمجھ علم والے کو ہوتی ہے عظمتِ باری کی وہ اَن پڑھ کو نہیں ہو سکتی۔ اُس طرح سے نہیں سمجھ سکتا علم دینی تو ضرورت ہے ہی علمِ دنیا بھی ضروری ہے۔

فرمایا ان سب کا اختیار ملکوت حکومت کس کے پاس ہے؟ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ وہ ضرور (یہی) کہیں گے (یہ سب صفات تو) اللہ کی ہیں۔ فرما دیجیے پھر تم پر کہاں سے جادو پڑ جاتا ہے؟ قدرت باری کے مظاہر سے عظمتِ باری عیاں ہے تو یہ سب جان کر بھی اس کی نافرمانی کرتے ہو تو کیا تم پر کوئی جادو ہو گیا ہے؟

## تمام قوتیں اسی مالک حقیقی کے تابع ہیں:

اس آیۂ مبارکہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ کائنات کی ہر شئے اللہ ربّ العزت کی ملکیت ہے اس کے تابع ہے۔ اُس کی بات مانی جاتی ہے۔ اُن سے بات منوائی نہیں جاسکتی یہ اللہ کے اوصاف میں سے ہے کہ آپ کو اللہ کی بات ماننا ہے، اپنی بات منوانا نہیں ہے۔ کائنات کی ہر شے اُس کا حکم مانتی ہے، اُس سے اپنی بات منواتی نہیں ہے۔ یہ میں اُن لوگوں کے لیے کہہ رہا ہوں جن کے خطوط آتے ہیں کہ میں نے روزے بھی رکھے، حج بھی پانچ کیے، عمرے پندرہ کر لیے ہیں، نمازیں بھی پڑھتا ہوں لیکن میری دعا قبول نہیں ہوتی۔ جواب یہ ہے کہ پھر آپ دعا کے قائل تو نہ ہوئے۔ آپ دعا کو حکم سمجھتے ہیں کہ میں نے کہہ دیا یہ ہو جانا چاہیے۔ یہ حکم ہوتا ہے یہ دعا نہیں ہوتی۔ دعا ایک عاجزانہ درخواست ہوتی ہے اور دعا کی خصوصیت یہ ہے کہ دعا کے طفیل بندے کو اللہ کی بارگاہ میں حاضری اور اللہ سے شرفِ کلامی نصیب ہو جاتا ہے۔ کام جیسا وہ چاہے گا ہوگا۔ آپ جیسا چاہیں ایسا نہیں ہوگا۔ اگر آپ کی خواہش کے مطابق ہو گیا تو یہ نہ سمجھیں میری خواہش کے مطابق ہوا ہے۔ بلکہ وہ اس کام کو ایسا ہی کرنا چاہتا تھا۔ آپ کے دل میں خواہش اُس کے مطابق آگئی۔ آپ کی آرزو اُس کے مطابق ہو گئی۔ آپ کی خواہش اُس کے احکام میں تبدیلی پیدا نہیں کر سکتی لہٰذا دعا کرنا عبادت ہے، منوانا نہیں ہے۔ دعا کرنا خود ایک بڑی سعادت ہے۔ کتنا خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو ذرا تکلیف ہوتی ہے تو وہ اللہ کو پکارتا ہے۔ ذرا ضرورت ہوتی ہے اللہ کو یاد کرتا ہے۔ ذرا سی بات کرنا ہوتی ہے تو اللہ سے بات کر لیتا ہے تو کتنا خوش نصیب ہے وہ شخص! فرمایا، وہ ذات ایسی ہے جس کے حکم مانے جاتے ہیں جس کو حکم دیا نہیں جاتا۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اُس کے حکم کا تابعدار ہے۔ اُس پر حکم چلا نہیں سکتا۔

فرمایا: بَلۡ اَتَيۡنٰهُمۡ بِالۡحَقِّ وَاِنَّهُمۡ لَـكٰذِبُوۡنَ ۝۹۰ بلکہ ہم نے ان کو سچی بات پہنچائی اور یقیناً یہ جھوٹے ہیں۔

اللہ کریم فرماتے ہیں، ہم نے تو ان تک دینِ حق پہنچایا۔ انبیاء مبعوث فرمائے، کتابیں نازل کیں، حق پہنچایا لیکن انہوں نے جھوٹ کو شعار بنایا۔ ہر چیز کے واضح ہو جانے کے بعد بھی نہ مانا انکار کیا۔ یہ جھوٹ بولتے ہیں کہ کبھی کسی کو اللہ کی بیٹیاں بنا دیا کسی کو بیٹا بنا دیا۔ ہر طرح کے عقلی اور نقلی دلائل اللہ کی عظمت، قدرت، مالک حقیقی ہونے پر دال ہیں لیکن یہ اللہ کی ذات وصفات میں دوسروں کو شریک کر کے جھوٹ بولتے ہیں۔ کہتے ہیں فلاں جگہ جاؤ بیماریاں ٹھیک ہوتی ہیں، وہاں سلام کر آؤ تو روزگار مل جاتا ہے۔ فلاں خانقاہ پر جاؤ، فلاں بُت پر چڑھاوا چڑھاؤ تو اولاد ہو جاتی۔ یہ سارے کام اللہ کے ہیں۔ اللہ کے نیک بندوں کے کرنے کے نہیں۔ اللہ کے نیک بندے اس لیے ہوتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ سے ملا دیں۔ کسی نیک کے پاس جاؤ تو وہاں مزید اللہ کو یاد کرو اپنی اصلاح کرو۔ اللہ کے کسی نیک

بندے کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ روزی کسی کو کہاں پہنچائے گا یا فلاں کی اولاد ہوگی یا نہیں۔ یہ بندوں کی ذمہ داری نہیں ہے۔ یہ اللہ رب العالمین کی ذمہ داری ہے۔ اللہ کے نیک بندوں کے پاس نیکی سیکھنے کے لیے جانا چاہیے۔

فرمایا، یہ جھوٹ بولتے ہیں۔ اللہ کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ وہ پاک ہے، ان چیزوں سے وہ بالاتر ہے۔ یہ مخلوق کے اوصاف ہیں انسان کا بیٹا انسان ہوتا ہے۔ پرندے کا بچہ پرندہ ہوتا ہے۔ حیوان کا بچہ حیوان ہوتا ہے۔ اللہ کا بیٹا ہو تو وہ بھی اللہ ہی ہوتا۔ پھر اللہ واحد و لاشریک نہ ہوتا۔ اولاد والد کی جنس سے ہوتی ہے۔ اللہ کا بیٹا ہوتا تو وہ بھی اللہ ہی ہوتا۔ جو ممکن نہیں ہے۔ کائنات میں وہ واحد ہے لاشریک ہے۔ کائنات اُس کی تخلیق ہے۔ وہ اس کا واحد مالک ہے۔ بنا رہا ہے۔ چلا رہا ہے۔ فرمایا: مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٩١﴾ اللہ نے کسی کو اولاد قرار نہیں دیا اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی مخلوق کو (تقسیم) کر کے جدا کر لیتا اور ضرور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا، اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں۔

اللہ کی شان بلند ہے اس کی کوئی اولاد نہیں اور اُس کے ساتھ کوئی دوسرا بھی معبود نہیں ہے تم جن کی پوجا کرتے ہو جن کے آگے ماتھا ٹیکتے ہو جن کے نام کی نیازیں دیتے ہو یہ اللہ کی الوہیت میں شریک نہیں ہیں وہ واحد ہے لاشریک ہے۔ اور اگر کئی اللہ ہوتے، کئی معبود ہوتے تو کوئی صحت دینے والا ہوتا کوئی عمر دینے والا ہوتا۔ کوئی روزی دینے والا ہوتا۔ کوئی اور بارش برسانے والا ہوتا کوئی اور فصل اُگانے والا ہوتا تو ہر کوئی اپنی اپنی تخلیق الگ کر لیتا اور ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے۔ فصل بیجنے والا کہتا میں فصل اُگا رہا ہوں۔ بارش والا کہتا میں بارش نہیں برساتا۔ جاؤ اُگا کے دیکھ لو۔ اب اپنا اپنا کام ہے وہ کہتا بارش تو میں برساتا ہوں اور معتبر تم بنے ہوئے ہو۔ جاؤ میں نہیں برساتا اور بغیر بارش کے کھیتی اُگا کر دکھاؤ۔ زندگی دینے والا اور ہوتا، موت دینے والا اور ہوتا۔ زندگی دینے والا کہتا میں اسے زندگی دے رہا ہوں۔ موت دینے والا کہتا میں اس کی زندگی چھین رہا ہوں۔ یہ تو ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے نظامِ کائنات تباہ ہو جاتا۔ فرمایا، اللہ ایک ہے، واحد ہے، لاشریک ہے جو سارے فیصلے کرتا ہے اور جس کے فیصلوں میں کوئی شریک نہیں ہے لہٰذا کسی کو اس کا شریک مت بناؤ۔ اللہ پاک ہے اُن چیزوں سے جو تم اپنی عقل سے جوڑ کر اُس کی طرف منسوب کرتے رہتے ہو۔ اللہ کو تلاش کرنا ہے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق اللہ کی ذات کو مانو، اللہ کی صفات کو مانو۔ اللہ کی عبادت ویسے ہوگی جیسے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے۔ میں، آپ یا کوئی اور یہ حق نہیں رکھتا کہ عبادت ایجاد کرے۔ پھر یہ عبادتِ الٰہی نہیں ہوگی۔ بدعت ہوگی، گمراہی ہوگی۔ آج کلمہ گو لوگوں کی اکثریت رسومات اور بدعات کی اسیر ہو چکی ہے۔ خود ساختہ عبادات، وظائف میں پڑ کر اللہ اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے عائد کردہ فرائض، واجبات، سنن سے ہٹ چکے ہیں۔ یاد رہے عبادت صرف وہی ہے جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے تعلیم فرمایا۔ ہماری عجیب کمزوری یہ ہے کہ ہمیں جب کوئی رواج یا رسم بتاتا ہے تو ہم کسی سے دلیل نہیں پوچھتے کہ بتاؤ شریعت میں اس کا کیا جواز ہے اور شریعت کا حکم بتایا جائے تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ نئی بات ہے یعنی شریعت سے ہم اتنے دور جا چکے ہیں کہ کہتے ہیں شریعت کی بات ہمیں نئی لگتی ہے رسومات ہمیں باپ دادا کی وراثت لگتی ہیں۔ رسومات سے بچو اور خالص شریعتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر عمل کرو۔ یاد رکھو یہ چھوٹی چھوٹی رسومات فرائض واجبات کو لے ڈوبتی ہیں اور عقائد ونظریات کو لے ڈوبتی ہیں۔

فرمایا اگر بہت سے معبود ہوتے تو مخلوق کے بہت سے خالق اور مالک ہوتے۔ ہر کوئی اپنی مخلوق الگ لیے فوج بنائے کھڑا ہوتا۔ ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے۔ سُبۡحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ﴿۹۱﴾ اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو تم جوڑ لیتے ہو۔ اُن سے بالاتر ہے۔

عٰلِمِ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۹۲﴾ جاننے والا ہے سب پوشیدہ اور ظاہر کا۔ یہ جو اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں تو اس کی شان اس سے بہت بلند ہے۔ فرمایا، ہر چیز جسے تم غیب سمجھتے ہو اُس کے سامنے وہ بھی حاضر ہے جسے تم حاضر سمجھتے ہو اُس کے سامنے وہ بھی حاضر ہے۔ تمام ظاہر اور چھپے سارے بھیدوں کو ساری چیزوں کو ساری باتوں کو وہ جانتا ہے۔

اُس کی ذات بہت بلند ہے۔ جو لوگ اُس کی ذات یا اُس کی صفات میں شرک کرتے ہیں۔ جھوٹ بولتے ہیں۔ غلط کہتے ہیں۔ اُس کی ذات اتنی اعلیٰ و بلند ہے کہ کوئی اس کا شریک ہوسکتا ہی نہیں۔ یہ ممکنات میں سے نہیں کہ کوئی اُس کی صفات اور ذات میں شریک ہو سکے۔

## سورۃ المومنون رکوع 6 آیات 93 تا 118

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ
اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ط نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ
هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ
اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ
كَلَّا ط اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ط وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾
فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَمَنْ
ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ
فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ
وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ
فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا
ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَئُوْا
فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا
فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى
اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا
صَبَرُوْٓا لا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ

سِنِيْنَ ﴿١١٢﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿١١٣﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١١٤﴾ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿١١٥﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿١١٦﴾ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿١١٧﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿١١٨﴾

آپ دعا کیجیے کہ اے میرے پروردگار! جس (عذاب) کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے اگر آپ (میری زندگی میں نازل کر کے) مجھے دکھا دیں ﴿۹۳﴾ اے میرے پروردگار! پس مجھ کو ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کیجیے ﴿۹۴﴾ اور بے شک ہم اس بات پر قادر ہیں کہ ان سے جو وعدہ کر رہے ہیں آپ کو بھی دکھا دیں ﴿۹۵﴾ آپ (ان کی) بدی کا جواب ایسے برتاؤ سے دیجیے جو بہت اچھا ہو۔ ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ (آپ کی نسبت) کہا کرتے ہیں ﴿۹۶﴾ آپ یوں دعا کیجیے کہ اے میرے پروردگار! میں شیطانوں کے وسوسوں سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں ﴿۹۷﴾ اور اے میرے پروردگار! میں اس بات سے بھی آپ کی پناہ مانگتا ہوں کہ وہ (شیطان) میرے پاس آئیں ﴿۹۸﴾ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آ کھڑی ہوتی ہے (اس وقت) کہتا ہے کہ میرے پروردگار! مجھے (دنیا میں واپس بھیج دے ﴿۹۹﴾ تاکہ میں جس (دنیا) کو چھوڑ آیا ہوں اُس میں پھر جا کر نیک کام کروں ہرگز نہیں (ایسا نہیں ہوگا) یقیناً یہ (اس کی) ایک بات ہے جو وہ کہے جا رہا ہے اور ان کے آگے ایک پردہ (برزخ) ہے (جس میں یہ) اس دن تک (رہیں گے) کہ دوبارہ اٹھائے جائیں ﴿۱۰۰﴾ پھر جب صُور پھونکا جائے گا تو اس روز ان میں باہمی رشتے نہ رہیں گے اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا ﴿۱۰۱﴾ پس جس شخص کا (نیکی کا) پلڑا بھاری ہوگا تو ایسے لوگ ہی کامیاب ہوں گے ﴿۱۰۲﴾ اور جس

شخص کا (نیکی یا ایمان کا) پلڑا ہلکا ہوگا سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کرلیا (اور) جہنم میں ہمیشہ کے لیے رہیں گے ﴿۱۰۳﴾ ان کے چہروں کو آگ جھلسا دے گی اور اس میں ان کے منہ بگڑے ہوئے ہوں گے ﴿۱۰۴﴾ کیا تم کو (دنیا میں) میری آیات پڑھ کر سنائی نہ جایا کرتی تھیں پھر تم ان کو جھٹلایا کرتے تھے ﴿۱۰۵﴾ وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار! ہماری بدبختی نے ہم کو گھیر لیا تھا اور (بے شک) ہم گمراہ لوگ تھے ﴿۱۰۶﴾ اے ہمارے پروردگار! اس (جہنم) سے (ایک بار) ہم کو نکال دیجیے تو اگر ہم پھر ایسا ہی کریں تو یقیناً ہم غلط کار ہوں گے ﴿۱۰۷﴾ ارشاد ہوگا اسی میں اوندھے پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو ﴿۱۰۸﴾ بے شک میرے بندوں میں ایک گروہ تھا جو (مجھ سے) عرض کیا کرتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے سو ہم کو بخش دیجیے اور ہم پر رحم فرمایے اور آپ رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں ﴿۱۰۹﴾ (یعنی آپ جیسا کوئی نہیں)۔ تو تم ان کا مذاق اڑاتے تھے یہاں تک کہ تم میری یاد (ذکر) بھی بھول گئے اور تم ان سے ہنسی مذاق کرتے رہے ﴿۱۱۰﴾ بے شک آج میں نے ان لوگوں کو ان کے صبر کا بدلہ دیا ہے کہ وہی کامیاب ہوئے ہیں ﴿۱۱۱﴾ (اللہ) پوچھیں گے کہ تم زمین میں کتنے برس رہے ﴿۱۱۲﴾ وہ کہیں گے کہ ہم ایک دن یا دن سے بھی کچھ کم رہے ہیں سو شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجیے ﴿۱۱۳﴾ ارشاد ہوگا کہ تم بہت ہی تھوڑا (عرصہ) رہے کاش کہ تم جانتے ہوتے ﴿۱۱۴﴾ سو کیا تم خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے مقصد پیدا فرمایا ہے اور یہ کہ تم پلٹ کر ہمارے پاس نہیں آؤ گے؟ ﴿۱۱۵﴾ پس اللہ بہت ہی عالی شان والا ہے جو حقیقی بادشاہ ہے اُس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں (اور وہ) بزرگ عرش کا مالک ہے ﴿۱۱۶﴾ اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارتا ہے جس کی اُس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اُس کا حساب اُس کے پروردگار کے ہاں ہوگا یقیناً کافر کامیاب نہ ہوں گے ﴿۱۱۷﴾ اور آپ یوں دعا کیجیے

اے میرے پروردگار! (مجھے) بخش دیجیے اور (مجھ پر) رحم فرمایے اور آپ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے ہیں ﴿۱۱۸﴾

# تفسیر ومعارف

اس رکوع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی وساطت سے امتیوں کو تین بہترین دعائیں عطا کی گئی ہیں۔ تین ایسے امور کا ارشاد ہے جو مومنین کے لیے نہایت اہم ہیں۔ انسانی نفسیات کے عین مطابق تعلیم فرمائی گئی ہیں۔ فرمایا: قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿٩٣﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٩٤﴾ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿٩٥﴾ آپ دعا کیجیے کہ اے میرے پروردگار! جس (عذاب) کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہے اگر آپ (میری زندگی میں نازل کر کے) مجھے دکھادیں۔ اے میرے پروردگار! پس مجھ کو ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کیجیے۔ اور بے شک ہم اس پر قادر ہیں کہ ان سے جو وعدہ کر رہے ہیں وہ آپ کو بھی دکھادیں۔

کفار ومشرکین نے دین حق اور نبیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلّم کی مخالفت پر کمر کس لی تھی اور ایذا پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑتے تھے تو اللہ کریم ان کے ان کرتوتوں پر انہیں بدترین عذاب کی وعید دیتے رہے۔ آیت مذکورہ کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اور چشمِ عالم نے بھی دیکھا کہ ان لوگوں پر مکہ معظمہ میں عذاب نازل ہوئے۔ قحط سالیاں آئیں۔ بدر میں، احد میں مارے گئے، شکست کھاتے رہے۔ بالآخر اسلام غالب آگیا۔ مکہ مکرمہ فتح ہوگیا۔ کفر رسوا ہوا اور یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بچشمِ خود دیکھا۔

یہاں اللہ کریم نے اپنے ایمان دار بندوں کو سکھانے کے لیے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبانِ مبارک سے یہ دعائیہ الفاظ کہلوائے کہ اے میرے پروردگار! اگر ان ظالموں پر آپ کا عذاب میرے سامنے آنا ہے تو مجھے ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کیجیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم معصوم عن الخطا ہیں۔ یقینی طور پر عذاب سے محفوظ ہیں پھر بھی یہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے ہوا تاکہ امت کے لیے تاکید ہوجائے کہ جس کام کا حکم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیا جارہا ہے وہ پوری امت کے لیے لازم ہے۔ اس سے امت کا کوئی فرد مستثنیٰ نہیں۔

اس دعا میں فرمایا گیا کہ اے میرے ربّ مجھے کافروں سے الگ رکھ۔ یعنی جو نتائج کفار بھگت رہے ہوں مجھے ان سے پناہ عطا فرما۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ مومن کو بتایا جارہا ہے کہ مومن کا کردار کافر سے الگ ہونا چاہیے۔ معاشرت، معیشت، تہذیب، حلیہ ہر چیز کافر سے الگ ہو۔ جب کفر پر مرتب ہونے والے عذاب سے الگ رہنے کی درخواست ہے تو کافرانہ تہذیب، حلیہ، ہر چیز کافر سے الگ ہونی چاہیے۔ جہاں دعا ضروری ہے وہاں ہر فرد کے لیے یہ

بھی ضروری ہے کہ وہ خود کو کفار سے الگ رکھے۔ اپنے کاروباری اصولوں میں، لین دین میں، بول چال، لباس معاشرت، معاملات میں ان سے ممتاز رہے۔اس کی ہر چیز شریعت کے مطابق ہو۔

## کافر اور مسلمان کی زندگی کا بنیادی فرق:

کفر ایسی مصیبت ہے کہ یہ دنیا کی زندگی کو بھی عذاب ہی عذاب میں گھیرے رکھتی ہے۔ کافرانہ اور اسلامی زندگی کا بنیادی فرق یہ ہے کہ کافر دنیا میں اپنی مرضی سے جینا چاہتا ہے۔ اپنی پسند نافذ کرنا چاہتا ہے۔ اپنی پسند کی چیزیں حاصل کرنا چاہتا ہے۔ دنیا کا نظام مالکِ کائنات کی مرضی سے چلتا ہے۔ اکثر اوقات انسان چاہتا کچھ اور ہے ہوتا کچھ اور ہے۔ جب انسان کی خواہش کے برعکس ہو تو کافر کو بڑی تکلیف ہوتی ہے کہ اس کی مرضی پوری نہیں ہوئی۔ کافر کی ساری زندگی اسی عذاب میں گزرتی ہے۔ اس کی تمناؤں کا خون ہوتا رہتا ہے۔ اس کی آرزوئیں پوری نہیں ہوتیں۔ یوں ہی ہر لمحہ تڑپتے زندگی گزارتا ہے اور عذابِ آخرت تو اس کے لیے یقینی ہیں۔

ایمان ایسی دولت ہے جو اللہ کریم کے مالکِ کائنات ہونے کا یقین عطا کرتی ہے۔ مومن بھی آرزو کرتا ہے، تمنا رکھتا ہے کہ فلاں کام ایسے ہوجائے لیکن اس کے لیے جائز وسائل اختیار کرتا ہے اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیتا ہے کہ وہ ہوگا جو اللہ کریم کو منظور ہوگا۔ مومن کی آرزو اور تمنا پوری نہ ہو تو اسے یہ تکلیف نہیں ہوتی کہ اس کی خواہش کیوں پوری نہیں ہوئی؟ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا ربّ اس کے حال سے واقف ہے، وہ مہربان ہے۔ ربّ کریم کو ایسا ہی منظور تھا تو ایسا ہوگیا۔ الحمدللہ

یہ آیۂ مبارکہ بتارہی ہے کہ نتائج کردار پر، عمل پر مرتب ہوتے ہیں صرف کہنے سے نہیں۔ اس لیے جہاں دعا کا حکم ہے وہاں کفار کے طرز بود و باش اور طور اطوار سے علیحدہ ہو کر اپنی شناخت رکھنے کی ضرورت ہے لیکن آج کے معاشرے میں کلمہ پڑھنے والے لوگ کفار جیسا دکھائی دینے، کفار جیسی تہذیب اپنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں تو پھر یہ آیۂ مبارکہ بتارہی ہے کہ جو عذاب کفار پر آئیں گے ان کا حصّہ کفار جیسا بن کر فخر کرنے والوں کے حصّے میں بھی آئے گا۔ جو شخص لمبی عمر کی دعا کرے گا وہ ہرگز زہر نہیں کھائے گا۔ اور اگر زہر کھاتا رہے اور دعا بھی طویل عمر کے لیے کرتا رہے تو زہر اثر دکھائے گا اور وہ موت کے منہ میں چلا جائے گا لہٰذا جب اللہ سے دعا کی جائے کہ کافروں پر عذاب کے وقت ہمیں الگ رکھنا وہاں وہ اپنی مقدور بھر کوشش کرے کہ کافروں کے اندازِ زندگی سے دور رہے۔

آج ہر شخص پریشان ہے۔ وجہ کیا ہے؟ سود لے رکھا ہے۔ کوشش تو یہ تھی کہ سود پر قرض لے کر کاروباری حالات اچھے ہوجائیں۔ بہتری ہوجائے گی تو لوٹا دیں گے لیکن حالات ابتر ہوگئے۔ قرآن کہتا ہے کہ سود لینا اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ جنگ ہے۔ جو کام اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم سے جنگ ہے اس میں بہتری کیسے ہوگی؟ ایک مسلمان نے یہ کیسے سوچ لیا وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم سے جنگ کر کے منافع کما

لے گا، بہتری ہو جائے گی؟ یہ چیزیں سمجھنے کی ہیں۔ اپنے کردار کو درست کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ نتائج کردار پر مرتب ہوتے ہیں۔

فرمایا: وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اور بے شک ہم اس بات پر قادر ہیں کہ ان سے جو وعدہ کر رہے ہیں آپ کو بھی دکھا دیں۔

فرمایا، یقیناً ہم یہ کر سکتے ہیں کہ کافروں سے ان کے کفر کے سبب جو وعدے ہوئے انہیں پورا کر دیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ کفار پر سختیاں آئیں، عذاب آئے، بالآخر مفتوح بھی ہوئے۔ جو کفر کی حالت پر رہے وہ اسی حال میں قتل ہوئے، مر گئے۔ اللہ کریم کے عذابوں کو انہوں نے پالیا اور چشمِ عالم نے دیکھ لیا۔

## اسلام کا ایک خوب صورت اصول:

یہاں اللہ کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے امت کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دے رہے ہیں۔ فرمایا: اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾

اور آپ (ان کی) بدی کا جواب ایسے برتاؤ سے دیجیے جو بہت اچھا ہو۔ ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ (آپ کی نسبت) کہا کرتے ہیں۔

کافر کا تو کام ہی یہی ہے کہ وہ بُرا کام کرے اور بری باتیں کہے۔ دونوں صورتوں میں آپ کا جواب بھلائی پر مبنی ہو۔ جواب میں آپ اچھا کام کریں اور بھلی بات کہیں کیونکہ برائی کے بدلے برائی کرنے سے برائی پھیلے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت برائی کو ختم کرنے کے لیے ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تو شانِ عالی یہ ہے کہ کوئی زیادتی کرتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر احسان فرماتے ہیں۔ جن لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذائیں دیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ہدایت کی دعا فرمائی۔

یہ سنت طریقہ ہے۔ اگر ہم اسے اپنی زندگی میں لے آئیں۔ کوئی ہم سے زیادتی کرے اور ہم درگزر کریں، اس کے حق میں دعا کریں کہ اللہ اسے زیادتی کرنے سے باز رکھ تو اگر اس میں کوئی رمق انسانیت کی ہوگی تو سدھر جائے گا۔

مجھے ایک خاتون کی Mail آئی کہ ہمارے گھر میں ہم میاں بیوی کا آئے روز جھگڑا ہوتا رہتا ہے۔ ہم ایک دوسرے کو بھلا برا کہتے رہتے ہیں۔ میں نے اسے لکھا کہ تم تو ذکر اللہ کرتی ہو تمہیں تو زیب نہیں دیتا کہ تم آگے سے بدزبانی کرو یا توہین آمیز کلمات کہو، گالیاں دو۔ کم از کم تم تو خاموش رہو۔ اُسے کرنے دو۔ دیکھیں کیا ہوتا ہے؟ پھر کچھ دنوں بعد دوبارہ Mail آئی کہ گھر میں جھگڑے ختم ہو گئے ہیں۔ اب ہم میاں بیوی کی لڑائی نہیں ہوتی۔ جب ایک

بدزبانی کرتا ہے دوسرا جواب نہیں دیتا تو اکیلا کب تک لڑے گا۔ اس طرح ایک بدکلامی کرے دوسرا جواباً بدکلامی کرے اس میں اضافہ ہی ہوتا جائے گا۔ نوبت گھروں کی تباہی تک پہنچ جاتی ہے۔ فرمایا، اگر برائی ختم کرنی ہے تو برائی کا جواب بھلائی سے دو۔ ہر ایک نے اللہ کو اپنے کیے کا جواب دینا ہے۔ جو برائی کرے گا اس کی جواب طلبی ہوگی۔ اس کی برائی کی باز پرس ہوگی۔ برائی کا جواب بھلائی سے دینے والے کو اس کی بھلائی کا انعام دیا جائے گا۔

## غصّہ کا علاج:

جب کوئی ناپسندیدہ بات کہہ دیتا ہے یا کوئی ایسا کام کر دیتا ہے تو غصہ آتا ہے اور غصّے کی حالت میں شیطان انسان کے دل میں وسوسے ڈال دیتا ہے۔ اس پر غلبہ پالیتا ہے۔ غصّے کی حالت میں عقل سمجھ میں کمزوری آجاتی ہے۔ جب کوئی بری بات کہے گا تو یقیناً انسان کو غصہ تو آئے گا۔ غصہ آئے گا تو حواس میں ابتری آئے گی اس وقت شیطان اپنی باتیں ڈالنے کی کوشش کرے گا تو اس وقت کے لیے دعا سکھائی جارہی ہے۔ یہ دعا بھی براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے مخاطب ہوکر ارشاد فرمائی گئی جو امام الانبیاء ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سے غلطی کا امکان ہی نہیں تو اس کا مطلب ہے کہ یہ ایسی ضروری دعائیں ہیں جن کی ہر مومن کو ضرورت ہے۔ تعلیمِ انبیاؑ سے مراد یہ ہوتی ہے کہ پوری امت کے ہر فرد کے لیے وہ تعلیم ضروری ہے۔

فرمایا: وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿٩٧﴾ وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿٩٨﴾ آپ یوں دعا کیجیے کہ اے میرے پروردگار! میں شیطانوں کے وسوسوں سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔ اور اے میرے پروردگار! میں اس بات سے بھی آپ کی پناہ مانگتا ہوں کہ وہ (شیطان) میرے پاس آئیں۔

جن لوگوں کو زیادہ وساوس آتے ہیں وہ ان آیات کو پڑھا کریں تو وسوسے ختم ہوجاتے ہیں۔

## وساوس کے دور کرنے کا وظیفہ:

اگر کسی نے بطور وظیفہ پڑھنا ہو تو اوّل آخر طاق اعداد میں درود شریف پڑھ کر یہ دعائیں تین بار، سات، گیارہ یا تیرہ یعنی طاق اعداد میں پڑھ کر دعا کرلیا جائے تو جو عام وساوس آتے ہیں یا کسی کو شکایت ہے کہ دورانِ صلوٰۃ وسوسے آتے ہیں یا بیٹھے بیٹھے وسوسے آتے ہیں تو ان آیات کی تلاوت سے، ان دعاؤں کے پڑھنے سے اللہ کریم مہربانی فرماتے ہیں انہیں رفع فرمادیتے ہیں۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿٩٩﴾ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آکھڑی ہوتی ہے (اس وقت) کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار! مجھے (دنیا میں) واپس بھیج دے۔ لَعَلِّيْٓ

اَعۡمَلُ صَالِحًا فِیۡمَا تَرَکۡتُ ۔۔۔ تا کہ میں جس (دنیا) کو چھوڑ آیا ہوں اس میں پھر جا کر نیک کام کروں۔

فرمایا، رہی یہ بات کہ کافر کب تک موج کریں گے تو حیاتِ دنیا کی مہلت تو تھوڑی سی ہے۔ دنیا کے بعد جو زندگی شروع ہوگی اسے کبھی ختم نہیں ہونا۔ ایک طویل اور نہ ختم ہونے والی زندگی کے مقابلے میں دنیوی زندگی کے عرصہ کوئی حیثیت نہیں بنتی۔ اگر یہ کفر پر ہی زندگی کی مہلت تمام کر گئے تو پھر ان میں سے جب کسی کو موت آتی ہے۔ وقتِ نزع جب برزخ کھل جاتا ہے۔ فرشتے نظر آنے لگتے ہیں، اگلا عالم سامنے آجاتا ہے، آخرت کو دیکھ لیتے ہیں تو کہتے ہیں اب ہمیں یقین آگیا ہے۔ جو کچھ تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا وہ ٹھیک تھا، تیری کتاب سچ بتاتی تھی۔ یا اللہ اب ہمیں واپس جانے دے تا کہ زندگی کو جو بغیر ایمان کے گزار آئے ہیں، نیکیاں نہیں کی ہیں اب واپس جا کر ایمان لائیں اور نیک کام کریں۔

## موت آسان عمل نہیں ہے:

موت ایک تکلیف دہ عمل ہے۔ یہ اتنا آسان عمل نہیں ہے۔ سائنسدان کہتے ہیں کہ ہر وجود میں دس کھرب (Cell) خلیے ہیں یعنی دس سوارب۔ موت کے وقت ہر Cell ٹوٹتا ہے۔ جس جس خلیہ کو روح خالی کرتی جاتی ہے وہ ٹوٹتا جاتا ہے، تباہ ہوتا جاتا ہے۔ یہ دس کھرب خلیے جب ایک ایک کر کے ٹوٹتے ہیں تو یہ مرنے والے کو ہی پتا ہوتا ہے کہ یہ کیا ہے۔

سکراتِ موت، موت کی تلخی کو کہتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکراتِ موت سے پناہ مانگنے کی تاکید فرمائی ہے۔

سوائے اللہ کے مقبول بندوں کے موت کا عمل مشکل ہے۔ جو لوگ اللہ کی راہ میں شہادت پا جاتے ہیں ان کے لیے موت ایک لذت بھرا عمل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشادِ عالی کا مفہوم ہے کہ قیامت کو شہدا سے کہا جائے گا کہ خواہش کرو پوری کی جائے گی۔ وہ عرض کریں گے کہ بارالٰہا! آپ ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیں۔ حق و باطل کا معرکہ ہو۔ ہمیں پھر سے شہادت عطا فرما۔ ہمیں وہی لذت دوبارہ نصیب ہو جو پہلے وقتِ شہادت چکھی تھی۔ گویا موت کا عمل تو ان پر بھی وارد ہوا لیکن اس میں اللہ نے ان کے لیے لذت رکھ دی۔

فرمایا، جب کافر پر موت آتی ہے، اس کے (Cell) خلیات ٹوٹ رہے ہوتے ہیں تو اگلا جہان دکھائی دینے لگتا ہے۔ اس وقت کہتا ہے کہ اللہ مجھے دنیا میں واپس بھیج دے تا کہ میں ایمان لے آؤں جو بھلائیاں نہیں کیں وہ کرلوں۔ ارشاد ہوتا ہے: کَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنۡ وَّرَآئِهِمۡ بَرۡزَخٌ اِلٰى يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾ ہرگز

نہیں (ایسا نہیں ہوگا) یقیناً یہ (اس کی) ایک بات ہے جو وہ کہے جا رہا ہے اور ان کے آگے ایک پردہ (برزخ) ہے (جس میں یہ) اس دن تک (رہیں گے) کہ دوبارہ اٹھائے جائیں۔

فرمایا، ہرگز نہیں۔اب تمہاری بات کی کوئی حیثیت نہیں۔تم نے ساری زندگی میرے اور میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی بات کو اہمیت نہیں دی۔آج ہم تیری بات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔تمہارا یہ کہنا محض ایک بات ہے جو تم کہہ رہے ہو۔آج تمہارے ماننے کی کوئی حیثیت نہیں۔آج جب آخرت سامنے آ گئی ہے تو مان رہے ہو۔یہ سب کچھ دیکھ کر کون نہیں مانے گا! ماننا تو عرصہء مہلت دنیا میں تھا۔ایمان بالغیب مطلوب تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات، ان دلائل و براہین سے ماننا مطلوب تھا جو اللہ کی کتاب نے پیش کیے تھے۔ابھی سے گھبرا گئے ہو۔ابھی تو تم حالتِ نزع میں ہو۔ابھی تو برزخ پہنچو گے۔برزخ ایک انتظار گاہ ہے۔جس طرح کا بندہ ہوتا ہے اسی طرح کی اس کے لیے انتظار گاہ ہوتی ہے۔کفار کے لیے تو حوالات ہیں۔جن عذابوں سے تم ڈر رہے ہو یہ تو محض برزخ کے ہیں۔اصل عذاب تو قیامت کے بعد شروع ہوں گے۔

فرمایا: فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَآ أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَآءَلُونَ ﴿١٠١﴾ پھر جب صور پھونکا جائے گا تو اس روز ان میں باہمی رشتے نہ رہیں گے اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔

کفر کا المیہ یہ ہے کہ آخرت میں یہ اپنے افرادِ خانہ کو، خاندان کنبہ کو بھول جائیں گے۔ایسی افراتفری ہوگی کہ اولاد، ماں باپ، عزیز دوست، وہ پیشوا دنیا میں جن کے پیچھے چلتے رہے کسی کو یاد نہیں رکھیں گے۔کوئی کسی کا یار و مددگار نہیں ہوگا۔ہر کسی کو اپنی ایسی مصیبت پڑی ہوگی جو کسی کا خیال نہ کرنے دے گی۔

علمائے حق لکھتے ہیں کہ مومن کا حال اس کے برعکس ہوگا۔مومن عرصہء محشر میں بھی ایک دوسرے کی خبر لیں گے۔وہ نیک لوگ جن کے ساتھ مل کر دنیا میں نیکی کرتے رہے، جن کے ساتھ مل کر صحیح عقیدہ نصیب ہوا، اللہ کی یاد نصیب ہوئی وہاں بھی ان کی رفاقت نصیب ہوگی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم شفیعِ اعظم ہوں گے۔اپنی اُمت کی شفاعت کریں گے۔ان لوگوں کی شفاعت کریں گے جنھوں نے زندگی میں کوشش تو کی لیکن بشری کمزوریوں کی وجہ سے خطائیں بھی ہوتی رہیں۔

مسلمانوں کے چھوٹے بچے بچیاں جو فوت ہو گئے وہ بھی والدین کی شفاعت کریں گے کہ یا اللہ! ہمارے ماں باپ کو بخش دیں۔اہل اللہ، شیخ، علمائے ربانی، علمائے حق، اللہ کے نیک بندے اپنے اپنے ساتھ کام کرنے والے لوگوں کی شفاعت کریں گے۔مومن ایک دوسرے کے وہاں بھی ہمدرد ہوں گے۔

## مومن کا وزنِ اعمال:

فرمایا: فَمَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِيۡنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾ پس جس شخص کا (نیکی) کا پلڑا بھاری ہوگا تو ایسے لوگ ہی کامیاب ہوں گے۔

علمائے حق لکھتے ہیں کہ جب مومن کے اعمال تولے جائیں گے تو اس کے نیکی کے پلڑے میں وزن ہوگا اور بدی کا پلڑا خالی ہوگا۔ اس لیے کہ مومن ساری عمر نیکی کے لیے کوشاں ہوتا ہے۔ غلطی ہو جاتی ہے تو توبہ کرتا ہے۔ گناہ کو دہراتا نہیں۔ اپنی اصلاح کرتا ہے تو گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ پھر بھی چھوٹی موٹی خطائیں ہوتی رہتی ہیں تو ایک نماز اور دوسری نماز کے درمیان وہ خطائیں بھی معاف ہو جاتی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا: ''بتاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازہ پر نہر جاری ہو جس میں روزانہ پانچ مرتبہ وہ نہاتا ہو تو کیا اس کے جسم پر کچھ میل کچیل باقی رہے گا؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ کچھ بھی نہیں باقی رہے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بالکل یہی مثال ''صَلَوٰتُ الْخَمْس'' یعنی پانچ نمازوں کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے خطاؤں کو دھوتا اور مٹاتا ہے۔'' (صحیح بخاری و مسلم)

اللہ کریم اپنے کرم سے مومن کے گناہ اور خطائیں ایک صلوٰۃ سے دوسری صلوٰۃ کے دوران اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ کے درمیان معاف فرما دیتے ہیں جب وہ خلوصِ دل سے بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہوتا ہے۔ اس کی عبادات کا اثر اس کے کردار پر آتا ہے۔ وہ اپنے معاملات کو بہتر سے بہتر بناتا ہے۔ لین دین پورے انصاف سے کرتا ہے۔ یوں مومن جب میدانِ حشر میں جائے گا تو اس کا گناہ کا پلڑا خالی ہوگا۔ وہ دنیا میں قدم قدم پر توبہ کرتا رہا۔ اللہ سے مدد مانگتا رہا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں کوشاں رہا۔

## کافر کا وزنِ اعمال:

فرمایا: وَمَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِيۡنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فِىۡ جَهَنَّمَ خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾

اور جس شخص کا (نیکی یا ایمان کا) پلڑا ہلکا ہوگا سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کر لیا (اور) جہنم میں ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔

مفسرین کے نزدیک کفار کا نیکی کا پلڑا بالکل خالی ہوگا۔ اس لیے کہ نیکی تب نیکی بنتی ہے۔ اسے عنداللہ تب قبولیت نصیب ہوتی ہے جب وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت کو مان کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتانے کے مطابق کی جائے اور خالص اللہ کی رضا کے لیے کی جائے۔ اور کافر کا تو نہ اللہ پر

ایمان نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت پر ایمان نہ قرآن پر اور نہ ہی آخرت پر ایمان ہوتا ہے تو آخرت میں ان کے نیکی کے پلڑے میں کیا ہوگا؟ دنیا میں بعض کافر بہت سے فلاحی کام کر جاتے ہیں جس سے بہت سے لوگ مستفید ہوتے رہتے ہیں تو یاد رہے کافر آخرت کے لیے نیکی نہیں کرتا۔ اس کا آخرت پر ایمان ہی نہیں ہوتا۔ وہ دنیوی شہرت کے لیے کرتا ہے یا کسی دنیوی مصیبت کو ٹالنے کے لیے کرتا ہے۔ بہر حال کسی دنیوی مقصد کے لیے ہی کرتا ہے تو اللہ کریم اسے کے بھلے کام کا اجر اسے دنیا میں ہی دے دیتے ہیں۔ آخرت میں جاتا ہے تو نیکی کا پلڑا خالی ہوتا ہے۔ جس کا پلڑا ہی خالی ہو اس کا کیا وزن ہوگا! اب وہ دوزخ میں ہی جائے گا۔ علمائے حق لکھتے ہیں کہ وزنِ اعمال بھی عجیب ہوگا۔ ایمان والوں کے نیکی کے پلڑے میں اعمال تولے جائیں گے تو نیکی کے پلڑے میں وزن ہوگا اور بُرائی کا پلڑا خالی ہوگا۔ کفار کا نیکی کا پلڑا خالی ہوگا اور برائی کے پلڑے میں وزن ہوگا۔

اللہ کا کتنا کرم ہے کہ دار دنیا میں ہی آخرت کے حقائق کھول کر رکھ دیے کہ آجاؤ اللہ کی وسیع بخشش کی طرف۔ کتنے ہی گناہ کر چکے ہو، توبہ کرلو، اللہ کی بارگاہ میں آجاؤ آئندہ کے لیے اصلاح کرلو۔ آج مہلت ہے، فرصتِ عمل ہے توبہ کرلو اور اللہ کے انعامات پالو۔

## انجام کفر:

انا، تکبر، غرور نے دنیا میں اندھا کیے رکھا۔ انبیاؑ کے ارشادات پر اپنی رائے کو بہتر سمجھتے رہے، جس رائے کو اونچا رکھنے کے لیے حق سے منہ موڑا آخرت میں اپنی اسی رائے کو چھوڑنا پڑا لیکن کس قیمت پر؟ آخرت کا خسارہ ہی انجامِ کفر ہے۔ ان کی حالت یہ ہوگی کہ جب جہنم میں جائیں گے تو: تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ ان کے چہروں کو آگ جھلسا دے گی اور اس میں ان کے منہ بگڑے ہوئے ہوں گے۔

فرمایا، جہنم کی آگ ان کے چہرے جھلسا دے گی۔ ان کے چہرے جل کر بگڑ جائیں گے۔ زبان تک جل جائے گی۔ ان کے منہ سے الفاظ بھی صاف نہیں نکلیں گے۔ صرف ایک شور ہوگا۔ وہ شور کر رہے ہوں گے۔ ان سے کہا جائے گا: اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ کیا تم کو (دنیا میں) میری آیات پڑھ کر سنائی نہ جایا کرتی تھیں پھر تم ان کو جھٹلایا کرتے تھے۔

ارشاد ہوگا، کیا دنیا میں تمہارے سامنے میری آیات کی تلاوت نہیں کی جاتی تھی؟ کیا تمہیں میرا پیغام نہیں پہنچایا گیا، کیا میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات تم تک نہیں پہنچے؟ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے تو پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔ کیا تم وہی نہیں ہو جو دنیا میں میری آیات کا انکار کر دیتے تھے۔ وقتِ آخر تک تم اسی پر قائم رہے۔

عذاب کا یہ سارا سامان تم دنیا سے اپنے لیے خود خرید کر لائے ہو۔ اور جو لائے ہو وہی برتو گے۔ اس وقت اقرارِ ربوبیت کر لیں گے۔ جس ربّ کا دنیا میں انکار کرتے رہے اُسے اب ربّ کہہ کر پکاریں گے۔ فرمایا: قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَ كُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار! ہماری بدبختی نے ہم کو گھیر لیا تھا اور (بے شک) ہم گمراہ لوگ تھے۔

ذرا تماشا دیکھیں! ساری عمر بتوں کو، جانوروں کو، انسانوں کو اپنا حاجت روا سمجھتے رہے۔ ان کی پوجا کرتے رہے آج قیامت میں کہتے ہیں: رَبَّنَا ۔۔۔ اے ہمارے پروردگار! آج سمجھ آئی کہ ربّ تو اللہ ہی ہے۔ ضرورتیں پوری کرنے والا وہی واحد و لاشریک ہے۔ آج مانا تو کیا خاک مانا! تب مانتے جب میرا نبی صلی اللہ علیہ وسلّم منوا رہے تھے۔ کہیں گے، ہم پر ہماری بدبختی غالب آ گئی۔

## شقاوت، بدبختی کیا ہے؟

شقاوت، بدبختی، تیرہ بختی گناہوں کا اثر ہے۔ یعنی گناہوں کے باعث دل کا سخت ہو جانا شقاوت ہے۔ اللہ کی آیات کا انکار، انبیاؑ کی توہین، برائیوں میں ڈوبے رہنا، کبھی توبہ نہ کرنا، گمراہی میں خوش رہنا، دین کی راہ میں رکاوٹ بننا، ایسا ماحول بنانا جس میں اللہ کی نافرمانی کی راہیں عام ہوں۔ گناہوں کی کثرت اور توبہ نہ کرنا جیسے امور گناہوں کے اثرات ہیں جو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں، دل سخت ہو جاتا ہے۔ دل کی سختی شقاوت ہے جو ایمان لانے نہیں دیتی۔

وہاں یہ اپنی سخت دلی کا خود اقرار کریں گے۔ کہیں گے ہم گناہ کرتے تھے۔ ہم گمراہ لوگ تھے، برائیوں میں غرق تھے اور آپ کی آیات کا انکار کرتے تھے ہماری تیرہ بختی، ہمارے گناہوں کا جو اثر تھا وہ ہم پر غالب آ گیا۔ ہماری بدبختی نے ہمیں ایمان لانے ہی نہ دیا۔ پھر کہیں گے: رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ اے ہمارے پروردگار! اس جہنم سے ایک بار ہم کو نکال دیجیے تو اگر ہم پھر ایسا کریں تو یقیناً غلط کار ہوں گے۔ فرمایا: قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ ارشاد ہوگا اسی میں اوندھے پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔

دنیا میں بات بات پر اللہ کو چھوڑ کر دوسروں سے امیدیں باندھتے تھے۔ یہاں بات بات پر کہتے ہیں، اے میرے ربّ! کہتے ہیں ہمارے پروردگار ہمیں ایک مرتبہ اس جہنم سے نکال دیجیے۔ اگر ہم پھر دوبارہ گمراہی اختیار کریں تو ہم یقیناً بڑے ظالم ہوں گے۔ ہمیں ایک مرتبہ یہاں سے نکال دیجیے ہم دوبارہ ادھر کا رخ نہیں کریں گے۔ تیری اطاعت کریں گے تیری نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتباع کریں گے۔ ارشاد ہوگا، ایمان بالغیب نہیں لائے۔ آج ایمان لانا کوئی ایمان نہیں ہے جب دنیا میں میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم میرا کلام پڑھ پڑھ کر سناتے

تھے تو تم اس کلام کو سننا نہیں چاہتے تھے اب کبھی میری بارگاہ میں بات نہ کرنا۔ دعا کا باب بند کر دیا جائے گا۔ تم بارگاہِ الٰہی میں کچھ عرض بھی نہیں کر سکتے۔ تمہاری فریاد بھی اس بارگاہ میں نہیں پہنچ سکتی۔ جو کر کے لائے ہو اسے بھگتو اور اسی جہنم میں اوندھے پڑے رہو۔

## اہل اللہ کا احترام انجام بخیر کا سبب ہے:

فرمایا، اسی دنیا میں میرے ایسے بندے بھی تھے جو ضروریاتِ دین پر ایمان رکھتے تھے۔ جو خلوصِ دل سے اطاعتِ الٰہی کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی غلامی میں زندگی بسر کرتے تھے۔ کلام الٰہی کی تلاوت کرتے، سمجھتے، اس پر عمل کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ وہ میری اطاعت کرتے، میری یاد میں مشغول رہتے، مجھ سے دعائیں کرتے اور سب نیک کام کر کے مجھ سے بخشش مانگتے تھے، مجھ سے میرا رحم مانگتے تھے۔ مفسرین کرام نے، علمائے حق نے لکھا ہے کہ نیک لوگوں کا احترام کرنے والے کا انجام بخیر ہوتا ہے لہٰذا اہل اللہ سے اگر کوئی براہ راست استفادہ نہیں کرتا تو ان کی مخالفت اور ان کا استہزا کرنے سے دور رہے۔

## اہل اللہ کا احترام نہ کرنے والوں کے لیے انجام بد کی وعید:

فرمایا، کیا تم بھول گئے ہو کہ تمہارے ساتھ دنیا میں اللہ کے نیک بندے بھی زندگی بسر کر رہے تھے۔ وہ اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے تم ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ وہ اللہ کی یاد میں مشغول ہوتے اور تم ان کا مذاق اڑانے میں محو رہتے۔ تمہارا تو بس یہی کام رہ گیا تھا کہ اہل اللہ کا تمسخر کرتے رہو، اُن پر نام دھرتے رہو۔ وہ عبادتِ الٰہی کریں تم اللہ کی عبادت کا مذاق اڑاؤ۔ علمائے حق نے لکھا ہے کہ اہل اللہ سے براہ راست استفادہ نہ بھی کریں تو ان کا احترام ضرور ملحوظ رکھیں۔ اہل اللہ کی توہین سوءِ خاتمہ کی وعید ہے کہ اللہ کے مقربین کی توہین کی سزا یہ ہے کہ بندے کو اللہ کی یاد ہی بھول جاتی ہے۔ وہ اپنے پندار میں ہی غرق رہتا ہے۔ اپنی بڑائی، اپنے اعمال کا گھمنڈ، غرور، اخلاص دل کے حصول کی پروا نہ کرنا۔ دل کی پاکیزگی کی اہمیت کو نہ سمجھنا تکبر میں مبتلا کر دیتا ہے لہٰذا ایمان والوں کو اہل اللہ کا احترام کرنا لازم کرنا چاہیے۔

فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ بے شک میرے بندوں میں ایک گروہ تھا جو مجھ سے عرض کیا کرتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے تو ہم کو بخش دیجیے اور ہم پر رحم فرمایئے اور آپ رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں (یعنی آپ جیسا کوئی نہیں)

فرمایا، کیا تم بھول گئے ہو کہ تمہارے ساتھ ہی میرے وہ بندے بھی رہتے تھے جو ایمان لائے نیک کام کیے اور پھر اپنی خطاؤں کی بخشش مانگتے رہتے تھے۔ کہتے تھے کہ اے ہمارے ربّ ہم آپ پر ایمان لائے، دین حق قبول کیا۔ ہم سے جو غلطیاں ہوئیں، جو کمی کوتاہی رہ گئی اس کی ہم آپ سے معافی مانگتے ہیں۔ آپ کی رحمت بہت وسیع ہے۔ ہم خطا کار ہیں آپ ہمیں معاف فرما دیں۔ اور ہم پر رحم فرمایئے آپ بہترین رحم فرمانے والے ہیں۔ آپ کی رحمت کی کوئی حد نہیں آپ ہمیں اپنی رحمت سے نواز دیں۔

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ﴿۱۱۰﴾ تم تو ان کا مذاق اڑاتے تھے یہاں تک کہ تم میری یاد (ذکر) ہی بھول گئے اور تم ان سے ہنسی مذاق کرتے رہے۔

تم ان کے مسجد جانے پر، تلاوتِ کلام الٰہی کرنے پر، اللہ کو یاد کرنے پر، ان کے کردار پر، ان کے حلیہ پر، ان کے داڑھی رکھنے پر غرض ان پر پھبتیاں ہی کستے رہے۔ گویا تمہارا مقصدِ حیات ہی یہ تھا کہ اللہ کے نیک بندوں سے تمسخر کیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمہیں میری یاد ہی بھول گئی۔ تمہیں یہ خیال ہی نہ رہا کہ تمہارا کوئی خالق ورازق بھی ہے۔ تم کسی کا دیا ہوا کھا رہے ہو۔ کسی نے تمہیں پیدا کیا، کوئی تمہیں پال بھی رہا ہے اور اسی مالک حقیقی کی بارگاہ میں تمہیں واپس بھی جانا ہے۔

تم تو ان کے استہزا میں مشغول رہے اور اللہ ان کے صبر و استقامت پر ان کے درجے بلند فرماتا رہا۔ فرمایا:

اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ﴿۱۱۱﴾ بے شک آج میں نے ان لوگوں کو ان کے صبر کا بدلہ دے دیا کہ وہی کامیاب ہوئے۔

انہوں نے تمہاری یہ تکلیفیں برداشت کیں، صبر کیا، تم ظلم کرتے رہے وہ سہتے رہے، تم فحش کلامی کرتے رہے اور وہ اللہ سے دعا کرتے رہے آج اُن کے اُس صبر کا میں نے اجر دیا ہے اور دیکھو کیسا اعلیٰ اجر دیا ہے۔ دیکھو کس جگہ اور کن ممتاز جگہوں پر اور کن خوبصورت جگہوں پر میں نے انہیں جگہ دی ہے اور کہاں انہیں بٹھایا ہے اور انہیں کیا عظمتیں دی ہیں!

منکرین سے خطاب ہے: قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ﴿۱۱۲﴾ (اللہ) پوچھیں گے کہ تم زمین میں کتنے برس رہے؟ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَاۗدِّيْنَ﴿۱۱۳﴾ وہ کہیں گے ایک دن یا ایک دن سے بھی کچھ کم رہے ہیں سوشمار کرنے والوں سے پوچھ لیں۔ سوال ہوگا، دنیا میں تم کتنا عرصہ رہے۔ تمہاری دنیا کی زندگی کتنی تھی؟ کہیں گے یا اللہ! کوئی ایک دن بھر رہے ہوں یا دن کا کوئی حصہ رہیں ہوں گے۔ جسے کوئی گنتی آتی ہے اس سے پوچھ ہمیں تو وہ گنتی بھی بھول گئی ہے۔ ہمیں تو یہ بھی سمجھ نہیں ہے کہ کتنے دن تھے، کتنے مہینے، کتنے سال تھے۔

اس آیۂ کریمہ میں یہ نصیحت ہے کہ اپنی گزشتہ زندگی پر غور کرو جو چالیس سال، پچاس سال، ساٹھ سال، ستر سال گزر گئے ہیں۔ ذرا پیچھے مڑ کر دیکھیں کیا وہ نظر آتے ہیں؟ آج کسی سے کہیں کہ میں تمہارا یہ کام بیس سال بعد کروں گا تو وہ کہے گا یہ میرے ساتھ مذاق کر رہا ہے۔ آنے والے بیس سال اتنے لگتے ہیں لیکن جو گزر گئے ہیں ہر کوئی پیچھے نظر ڈالے تو کہتا ہے کہ یہ تو کل کی بات ہے کہ ہم بچے تھے کھیلتے کودتے پھرتے تھے آج لاٹھی پکڑ کر پھرتے ہیں کہاں گئی عمر عزیز؟ برسوں بیت گئے جو بیت جائے اس کی اہمیت سمجھ ہی نہیں آتی کہ وہ تو ہاتھ سے نکل گیا۔ فرمایا: قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝۱۱۴ ارشاد ہوگا کہ تم بہت ہی تھوڑا (عرصہ) رہے کاش کہ تم جانتے ہوتے۔

واقعتاً تم تھوڑی دیر ہی دنیا میں رہے یعنی خود دنیا کی عمر کا بھی حساب لگایا جائے تو دنیا کی زندگی کے بارے، سائنسدان کہتے ہیں اربوں سال گزر چکی ہے۔ آگے کب تک؟ پتا نہیں کتنی باقی ہے تو اس میں اگر بندہ پچاس سال یا ساٹھ سال، اسی سال رہا تو کیا رہا، اربوں سالہ زندگی سے چند سالہ زندگی کا کیا مقابلہ؟ پھر آخرت کے مقابلے میں تو اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں بنتی۔ آخرت کی زندگی کبھی ختم نہ ہوگی اور دنیا میں گنتی کے سال ہیں ارشاد ہوگا واقعی تم بڑا تھوڑا عرصہ رہے۔ کاش! زندگی میں تمہیں اس بات کا احساس ہو جاتا کہ یہاں تو چند دن ہیں۔ لالچ نہ کریں، حلال کمائی سے دال ساگ کھا کر بھی گزر جائیں گے حرام کمائی کے اچھے کھانے نہ کھائیں۔ جائز کمائی سے موٹا کپڑا پہن کر بھی گزر جائیں گے اگر حلال سے اچھا نہیں ملتا تو چوری نہ کریں، رشوت نہ لیں، حلال، جائز ذرائع سے محنت کر کے کمائیں تو اچھے طریقے سے رہیں، اچھا کھائیں، اچھا پہنیں، حلال کھائیں پاکیزہ کھائیں۔ اپنی ذات پر خرچ کریں، آپ کا حق ہے۔ دوسروں کا حق دیں۔ دوسرے کا حق مت چھینیں۔ فرمایا، تم بہت تھوڑا عرصہ رہے لیکن کیا ہی اچھا ہوتا کہ یہ احساس تمہیں دنیا میں ہو جاتا کہ تھوڑے سے دن ہیں میں ضابطے کے مطابق گزار لوں۔ کسی کا ایک بہت خوب صورت جملہ نظر سے گزرا۔ لکھا ہے کہ اگر آخرت میں اپنی مرضی، اپنی پسند سے بھی اعلیٰ زندگی گزارنا چاہتے ہو تو دنیا میں اللہ کی پسند کے مطابق زندگی گزارو۔ دنیا کی زندگی تھوڑی اور چندروزہ ہے۔ اسے تو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کے مطابق گزار لو۔ آخرت کی زندگی کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ فرمایا: اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۝۱۱۵ سو تم خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے مقصد پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم پلٹ کر ہمارے پاس نہیں آؤ گے؟

کیا تم دنیا میں یہی سوچتے رہتے تھے کہ اللہ نے تمہیں دنیا میں یونہی پیدا کر دیا ہے۔ تمہارے پیدا ہونے کا کوئی مقصد نہیں اور تم نے واپس اس کی بارگاہ میں نہیں جانا۔ تم نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ جس قادرِ مطلق نے اتنی باریک

مٹی سے اور اتنی خوبصورتی سے بنایا ہے۔ اعلیٰ صلاحیتیں، قابلیتیں عطا کی ہیں۔ بہترین استعداد دے کر پیدا کیا ہے کیا اسی پروردگار کے پاس واپس جانا نہیں ہے؟

بہت عالی شان ہے وہ مالک الحق جو حقیقی بادشاہ ہے۔ واقعی جس کی بادشاہت ہے، جسے حکومت سزاوار ہے۔

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری

یہ ہماری حکومتیں تو وقتی اور لمحاتی ہیں۔ بڑے بڑے شہنشاہ آئے اور گزر گئے۔ قدیم محلات کو اور قدیم جگہوں کو دیکھیں دنیا بھر کے بادشاہوں کے قلعے اور محلات اور ایسی ایسی محیر العقول عمارتیں لوگوں نے بنوائیں اب وہ لوگ کہاں ہیں؟ جہاں کوئی پرندہ پَر نہیں مار سکتا تھا وہاں اب الف، ب، جیم سیر کرتے پھرتے ہیں کہاں گئی وہ شان و شوکت، کہاں گئے وہ دبدبے، کہاں گئے وہ لوگ؟ سب عارضی حکومتیں، عارضی اختیار اور عارضی اقتدار ہیں تھوڑی دیر کے لیے کسی کے پاس اقتدار آ جائے تو وہ یہ بھول جاتا ہے کہ اس کی یہ ذمہ داری وقتی ہے اللہ نے نصیب کی ہے۔ جب چاہے گا واپس بلا لے گا۔

آج جو شخص جہاں عہدیدار ہے وہاں وہ اس اصولِ حکمرانی کو بھولا ہوا ہے۔ حکمران آتے رہے پھر معزول ہوتے رہے، سزائیں کاٹتے رہے لیکن کچھ سبق حاصل نہ کیا۔ اللہ نے دوبارہ اقتدار دیا تو گویا دوبارہ موقعہ دیا کہ غلطیوں کا ازالہ کر لیں، تلافی کر لیں، اصلاح کر لیں لیکن سود سے توبہ نہ کی۔ عوام الناس کے حقوق کی ادائیگی کا خیال نہ آیا۔ یہ خیال نہ آیا کہ کروڑوں لوگ میرے اختیار کے نیچے ہیں ان کی بہتری کر کے ثواب حاصل کر لوں۔ اللہ کے آگے پیش ہونے اور جوابدہی کا احساس پیدا نہ ہوا تو پھر تب پتا چلے گا جب کروڑوں لوگ مدعی بن کر قیامت کو کھڑے ہوں گے۔ کوئی کہے گا اس کے بچے کو تعلیم نہیں ملی، کوئی کہے گا ملاوٹ والی غذا اور دوا سے صحت تباہ ہوئی۔ کوئی کہے گا سود کی لعنت میرے گلے ڈال دی۔ مجھ سے میری عزت چھن گئی، میں ناحق قتل ہو گیا، عدلیہ کے غیر اسلامی نظام کے تحت میں برسوں جیل میں رہا۔ آخری ایام میں بری کر دیا گیا۔ اس دوران میری جائیداد بک گئی، بچے آوارہ ہو گئے، بیوی لاوارث رہی۔ لوگ کہیں گے غربت و افلاس سے تنگ آ کر انہوں نے خودکشیاں کیں۔ تب پتا چلے گا جب میدان میں حشر میں ایک گریبان ہوگا اور اکیس کروڑ بندے انصاف کے منتظر کھڑے ہوں گے۔

فرمایا: فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ پس اللہ بہت ہی عالی شان والا ہے جو حقیقی بادشاہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں (اور وہ) بزرگ عرش کا مالک ہے۔

یقیناً اسی کی شان بلند ہے جو حقیقی بادشاہ ہے۔ اس کے علاوہ کوئی ایسا نہیں جس کی عبادت کی جائے۔ وہ واحد ولاشریک ہے۔ ایک ہی وہ بارگاہ ہے جس میں سر جھکایا جاسکتا ہے۔ کوئی ایسا دروازہ، ایسی چوکھٹ نہیں۔ وہ عرش عظیم کا بھی پروردگار ہے۔ عرش کیا ہے؟ عرش عظیم ساری آسمانوں زمینوں کا مرکزی دفتر ہے۔ اس دفتر کا بھی خالق و مالک اس کا نظام چلانے والا بھی، وہی مالکِ حقیقی ہے، وہی ایک پروردگار ہے۔

سب سے بڑا ظلم شرک ہے۔ شرک صرف بت پرستی کا نام نہیں بلکہ کسی دوسرے کو اپنی مشکلیں آسان کرنے والا، اپنی ضرورتیں پوری کرنے والا سمجھا جائے تو یہ شرک ہے۔ جو اللہ کی نافرمانی کر کے کسی کی اطاعت کرتا رہا اس نے گویا اس بندے کی، اطاعت کی۔ اسے معبود بنالیا۔ جبکہ اس کے پاس اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کے معبود ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ عقلی نہ نقلی، اسے عقل تسلیم کرتی ہے نہ آدم علیہ السلام سے لے کر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلّم تک کسی آسمانی کتاب میں کہیں نقل ہوا ہے۔

یقیناً ہر ایک کا حساب ہوگا۔ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں جانا پڑے گا۔ اس بارگاہ میں اسے بتانا پڑے گا کہ پیدا تو اللہ نے کیا اور اس نے غلامی کسی اور کی کی۔ رزق تو اللہ نے دیا دولت اللہ نے دی، عزت اللہ نے دی، صحت اللہ نے دی، زندگی اللہ نے دی وہ غلامی کسی اور کی کرتا رہا۔ اس کے بنانے والے اس کے پروردگار، اسے پیدا کرنے والے اور اسے حیات دینے والے بے پناہ نعمتیں دینے والے کے پاس اس کا حساب ہوگا۔

اس قادرِ مطلق نے کس عجیب انداز میں انسان کو پیدا کیا۔ انسانی ذرات بکھرے پڑے ہیں روئے زمین پر جن سے ہمارے وجود بنے ہیں انہیں مختلف صورتیں دیتا ہے کہیں پودوں میں شامل ہوجاتے ہیں پودا بن جاتے ہیں کہیں اس کا پھل بنتے ہیں، کہیں پھول، کہیں چاول، کہیں گندم، کہیں مصالحے، کہیں دوائیں یہ کیا ہے؟ انہی خاکی ذرات کی مختلف صورتیں ہیں۔ انہیں سے نسلِ انسانی کو جاری رکھا ہوا ہے انہی ذراتِ خاکی سے باپ غذا لیتا ہے اس کے اپنے ذرات اس کے اپنے وجود کا حصّہ بنتے ہیں اولاد کے ذرات صلب میں محفوظ ہوجاتے ہیں پھر فرمایا ایک قطرہ پانی سے تخلیقِ انسان ہوتی ہے۔ سارا قطرہ انسان کے بننے پر نہیں لگتا اُس ایک قطرے میں لاکھوں جرثومے ہوتے ہیں۔ جن میں سے ایک جرثومے سے بچہ بنتا ہے۔ ایک قطرے میں لاکھوں جرثومے ہیں۔ ان میں سے ایک کو منتخب کر کے اُسے شکمِ مادر میں پرورش دے دی اور اس جرثومے سے جیتا جاگتا انسان بن گیا۔ وہی ذرات مختلف دواؤں، غذاؤں کی صورت میں آ کر جمع ہورہے اور اس قادرِ مطلق کے پاس ایک ایک ذرے کا حساب ہے۔ اسے پتا ہے کون سا ذرہ کہاں سے چلانا ہے کہاں تک پہنچانا ہے۔ روح اور بدن مل کر انسان بنا۔ انسان بن کر دنیا میں آیا قوتِ گویائی ملی، ہاتھ پاؤں میں قوتِ کار ملی۔ اب یہاں آ کر وہ اللہ کی مخالفت کرتا ہے۔ فرمایا، کرلے پھر واپس میرے پاس ہی آنا

ہے پھر میں پوچھ لوں گا۔ جس نے اسے اس خاک کے ادنیٰ ترین ذرے سے انسان بنایا پھر عہدے دیے، رتبے دیے، حکومتیں دیں، صحت دی، مال و اولاد دی جو اس کا ربّ ہے۔ اس کی ساری ضرورتیں پوری کرتا رہا حساب بھی اسی کے سامنے دینا ہوگا۔

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارتا ہے جس کی اُس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اُس کا حساب اُس کے پروردگار کے ہاں ہوگا یقیناً کافر کامیاب نہ ہوں گے۔

## کافر کبھی فلاح نہیں پاتا:

بارگاہ الٰہی کا قانون یہ ہے کہ کفار کبھی فائدہ نہیں پاتے۔ فلاح نہیں پاتے، کامیاب نہیں ہوتے۔ نافرمانی اور انکار کبھی بھلائی نہیں لائے۔ اللہ کی رحمت کا دامن دنیا میں ہر ایک کے لیے کھلا ہے۔ جو انکار کرتا ہے وہ اپنے آپ کو خود اللہ کی رحمت سے دور کر لیتا ہے۔ جس نے اللہ کی رحمت سے دوری اختیار کر لی وہ کیسے فلاح پا سکتا ہے۔ ایمان کے بغیر کامیابی کا کوئی تصور نہیں۔

## مومن کا لائحہ عمل:

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ مومن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے وسیلے سے تعلیم دی جا رہی ہے کہ نیکی کر کے بھی اپنی کمزوری کا اقرار کرتے رہیں۔ اللہ سے دعا کرتے رہیں کہ میرے اعمال میں کمی رہ جاتی ہے، مجھ سے پھر خطائیں ہو جاتی ہیں، میں لاکھ سوچتا ہوں کہ پورے خلوص سے سجدہ کروں گا۔ زبان سے سبحان ربی الاعلیٰ کہہ دیتا ہوں دل کچھ اور سوچ رہا ہوتا ہے مجھ سے پھر بھول ہو جاتی ہے۔ ہاتھ باندھ کر وضو کر کے کھڑا ہو جاتا ہوں کہ صرف تیری بارگاہ میں گزارشات پیش کروں گا۔ یا اللہ زبان تو الحمد اور سورتیں پڑھتی رہتی ہے دل کچھ اور سوچنا شروع ہو جاتا ہے۔۔ یا اللہ! میں کیا کروں رَبِّ اغْفِرْ یا اللہ میرے گناہ معاف کر دے۔ وَارْحَمْ مجھ پر رحم کر۔ میں اپنی ساری کوششوں کے باوجود خطا کار ہوں تو میرے گناہ معاف فرما مجھ پر رحم فرما اس لیے کہ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ تُو تو بڑا رحم فرمانے والا ہے۔ تیرا تو ثانی، شریک کوئی نہیں تیرے جیسی کوئی بارگاہ نہیں گویا نیکی کر کے بھی فخر نہیں کرنا چاہیے، تکبر نہیں کرنا چاہیے کہ نیکی کی توفیق بھی اُس نے دی۔ یاد رکھنا چاہیے کہ کیا بندے کی نیکی اس کی بارگاہ کے قابل ہے؟ اس میں اتنا خلوص، اتنا خشوع وخضوع ہے کہ قبولیت کا شرف پائے تو فرمایا ہر وقت یہ دعا مانگا کر اے میرے پروردگار! مجھے بخشش دے مجھ پر رحم فرما کہ تو بہت بڑا رحم فرمانے والا ہے۔

# سورۃ النور رکوع 1 آیات 1 تا 10

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃٌ اَنْزَلْنٰھَا وَفَرَضْنٰھَا وَاَنْزَلْنَا فِیْھَآ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ﴿۱﴾ اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْکُمْ بِھِمَا رَاْفَۃٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْیَشْھَدْ عَذَابَھُمَا طَآئِفَۃٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲﴾ اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً ۫ وَّالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُھَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَۃِ شُھَدَآءَ فَاجْلِدُوْھُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَۃً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَھُمْ شَھَادَۃً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴﴾ۙ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵﴾ وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَھُمْ وَلَمْ یَکُنْ لَّھُمْ شُھَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُھُمْ فَشَھَادَۃُ اَحَدِھِمْ اَرْبَعُ شَھٰدٰتٍۭ بِاللّٰہِ ۙ اِنَّہٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۶﴾ وَالْخَامِسَۃُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰہِ عَلَیْہِ اِنْ کَانَ مِنَ الْکٰذِبِیْنَ ﴿۷﴾ وَیَدْرَؤُا عَنْھَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْھَدَ اَرْبَعَ شَھٰدٰتٍۭ بِاللّٰہِ ۙ اِنَّہٗ لَمِنَ الْکٰذِبِیْنَ ﴿۸﴾ۙ وَالْخَامِسَۃَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰہِ عَلَیْھَآ اِنْ کَانَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۹﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ وَاَنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ حَکِیْمٌ ﴿۱۰﴾

یہ ایک سورۃ ہے جس کو ہم نے نازل فرمایا اور اس (کے احکام) کو ہم نے فرض کر دیا (مقرر کر دیا) اور ہم نے اس میں صاف صاف آیتیں نازل فرمائی ہیں تا کہ تم

یاد رکھو﴿۱﴾ بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد (جب کہ بدکاری ثابت ہو جائے) سو اُن میں سے ہر ایک کو سو دُرّے مارو اور اللہ کے (دین کے) معاملے میں ان دونوں پر تم کو ذرا رحم نہیں آنا چاہیے اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ تو اور اُن دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر رہنی چاہیے﴿۲﴾ زانی نکاح بھی زانیہ عورت سے کرتا ہے یا مشرکہ سے اور (اسی طرح) زانیہ کے ساتھ بھی کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک کے اور یہ (ایسا نکاح) ایمان والوں پر حرام (موجبِ گناہ) قرار دیا گیا ہے﴿۳﴾ اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر (اپنے دعوے پر) چار گواہ نہ لا سکیں تو ایسے لوگوں کو اَسّی (۸۰) دُرّے مارو اور کبھی اُن کی شہادت قبول نہ کرو اور یہی لوگ بدکردار ہیں﴿۴﴾ مگر جو اس کے بعد توبہ کر لیں اور (اپنی) اصلاح کر لیں تو بے شک اللہ بخشنے والے مہربان ہیں﴿۵﴾ اور جو لوگ اپنی بیویوں پر (بدکاری کی) تہمت لگائیں اور اُن کے پاس خود اُن کے سوا کوئی گواہ نہ ہو تو اُن میں سے ہر ایک کی شہادت یہ ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھائے کہ بے شک وہ سچا ہے﴿۶﴾ اور پانچویں بار یہ (کہے) کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اُس پر اللہ کی لعنت﴿۷﴾ اور اُس (عورت) سے سزا کو یہ بات ٹال سکتی ہے کہ (پہلے) وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ بے شک یہ جھوٹا ہے﴿۸﴾ اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس (عورت) پر اللہ کا غضب ہو اگر یہ سچا ہو﴿۹﴾ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی (تو بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتیں) اور یہ کہ اللہ توبہ قبول کرنے والے حکمت والے ہیں﴿۱۰﴾

# تفسیر ومعارف

سورۂ نور مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ اس میں بہت اہم واقعہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی اور فضیلت کا بیان ہے۔

## انسانی معاشرے کی بنیادی ضرورت:

انسان تخلیقی طور پر مدنی الطبع ہے یعنی مل جل کر رہنے والا ہے اور اکیلا زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ انسان مل جل کر رہتے ہیں اور ان کا ایک دوسرے پر دارومدار ہوتا ہے۔ کوئی مزدوری کرتا ہے، کوئی تجارت کرتا ہے۔ کوئی کپڑے سیتا ہے، کوئی جوتے بناتا ہے یا انسانی ضرورت کی دیگر چیزیں فروخت کرتا ہے اور انسان خریدتے ہیں۔ الغرض سب مل کر ایک انسانی معاشرے کی ترتیب بناتے ہیں۔ ایک انسانی معاشرہ وقوع پذیر ہوتا ہے جس میں انسانوں کو درجہء انسانیت پر ہی رہنا چاہیے ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کرنا چاہیے جان ومال کا احترام کرنا چاہیے۔ سورۂ نور میں خصوصاً جس بات پر زور دیا گیا ہے وہ آبرو کی حفاظت ہے۔ انسان کا ایک خاص احترام اور اکرام ہے جو اُسے باقی مخلوق سے ممتاز کرتا ہے اور وہ اس کی آبرو ہے۔ انسانی آبرو کی حفاظت انسانی معاشرے کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ زندگی کے دیگر مسائل میں تو باقی جاندار بھی مل جل کر گزارا کر لیتے ہیں۔ جنگل جانوروں سے بھرے پڑے ہیں اور سب ایک دوسرے کے ساتھ گزارا کر رہے ہیں لیکن جانوروں کے جہاں میں عزت وآبرو کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ جب انسانی معاشرے سے 'آبرو' کی نفی کر دی جاتی ہے تو اس معاشرے میں انسانی اقدار تباہ ہوجاتی ہیں اور باقی صرف پیٹ بھرنے، سونے جاگنے، رات گزارنے کا عمل رہ جاتا ہے۔

اللہ کریم نے انسان کے بھی جوڑے تخلیق فرمائے لیکن اُن کو اللہ کے نام پر ایک دوسرے پر حلال کیا جاتا ہے، اس کے علاوہ انسانی معاشرے میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ جتنے کام اس بے آبروئی کی طرف لے جانے والے ہیں، سب حرام ہیں۔

مغرب میں انسانی عزت وآبرو کی کوئی قدروقیمت نہیں ہے چنانچہ آج مغربی معاشرہ انسانی معاشرہ نہیں رہا۔ کسی رشتہ کا تقدس نہیں رہا، نہ آبرو ہے۔ بنیادی طور پر اس سورۂ عالیہ کا مفہوم معاشرے کی پاکیزگی اور انسانی

معاشرے کی عظمت کو چاہتا ہے۔ انسانی معاشرے کی سب سے بڑی قوت اس کی طہارت اور انسانی معیار ہے۔ اگر معاشرے میں پاکیزگی نہ رہے، عزت و ناموس محفوظ نہ رہے تو معاشرہ انسانی معاشرہ نہیں رہتا وہ تہذیب انسانی تہذیب نہیں رہتی۔ جس معاشرے میں انسانی آبرو کا احترام نہیں ہے اس میں باقی چیزیں ہوں بھی تو کیا حاصل کہ جب انسان کو محض ایک حیوان سمجھا جائے، انسانی درجہ ہی نہ دیا جائے تو پھر باقی سہولتیں اس کے لیے ہوں بھی تو کیا فائدہ؟

فرمایا: سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ① یہ ایک سورۃ ہے جس کو ہم نے نازل فرمایا اور اس (کے احکام) کو ہم نے فرض کر دیا (مقرر کر دیا) اور ہم نے اس میں صاف صاف آیتیں نازل فرمائی ہیں تا کہ تم یاد رکھو۔

علمائے حق لکھتے ہیں کہ اللہ کریم کا یہ فرمانا کہ 'اسے ہم نے نازل فرمایا ہے' سے مراد ہے کہ قرآن کے الفاظ بھی اللہ کریم کے ذاتی الفاظ ہیں اور اس کے معنی بھی اللہ کریم ہی کی طرف سے ہیں۔ یہ مفاہیم و معنی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم پر نازل ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے الفاظ میں ارشاد فرمائے تو حدیث پاک کہلائے۔ یوں قرآن پاک کی پہلی تفسیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہی اُمّت کو عطا فرمائی۔ حدیث شریف قرآن ہی کی تفسیر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی حیاتِ طیبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاداتِ عالیہ اور آپ کے سارے اعمال قرآن کریم ہی کی تفسیر ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حبیبہ حبیبِ کبریا سے کسی نے عرض کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے اخلاقِ کریمانہ کے بارے کچھ ارشاد فرمایئے، ہمیں کچھ سمجھایئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ (رواہ ابوداؤد) کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے شب و روز کو سمجھنا ہے تو قرآن پڑھو۔ قرآن کریم ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا اخلاقِ کریمانہ تھا۔ سو فرمایا اس سورۃ کو ہم نے نازل فرمایا ہے اور اس کے احکام کو ہم نے فرض قرار دے دیا ہے۔ تمام مسلمانوں پر ان احکام کا ماننا ضروری اور فرض ہے اور اس میں صاف صاف کھلی آیات ہیں، صاف صاف باتیں کی ہیں تا کہ ان باتوں سے نصیحت حاصل کی جائے اور انہیں یاد رکھا جائے۔

فرمایا: اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ۔۔۔ بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد (جب کہ بدکاری ثابت ہو جائے) سو ان میں ہر ایک کو سو دُرّے مارو۔ زنا کرنے والے مرد اور زنا کرنے والی عورت پر جرم ثابت ہونے پر سو کوڑے مارے جائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادِ عالی کے مطابق یہ سزا غیر شادی شدہ مرد و عورت کے لیے ہے۔ اگر غیر شادی شدہ مرد اور غیر شادی شدہ

عورت برائی کریں اور ان پر وہ برائی شہادتوں سے ثابت ہو جائے تو اُن کو سو سو کوڑے مارے جائیں گے۔
اسلام میں جو سزائیں اللہ کریم نے خود مقرر فرما دی ہیں انہیں حدود کہا جاتا ہے۔ عدالت کا کام ثبوت اور شہادتیں جمع کرنا ہے اگر ثابت ہو جائیں تو سزا اللہ کی طرف سے مقرر ہے۔ ایسے چار جرائم ہیں جن پر حدود مقرر ہیں۔ حدود میں رعایت نہیں کی جائے گی۔

باقی جرائم میں سزائیں قاضی یا عدالت کی صوابدید پر ہے۔ ان سزاؤں کو تعزیر کہا جاتا ہے۔ کسی جرم کی سزا قید ہے، کسی کی جرمانہ ہے، کسی میں جلاوطنی ہے تو کسی کی سزا کوڑے ہیں۔ یہ حدود کے علاوہ سزائیں ہیں اور تعزیرات کہلاتی ہیں۔ اگر حد ثابت نہ ہو سکے یعنی جرم اس یقینی درجے کا ثابت نہ ہو سکے کہ جس پر حد جاری کی جاتی تو پھر اس جرم پر قاضی تعزیری سزا دیتا ہے۔

فرمایا، غیر شادی مرد اور غیر شادی شدہ عورت اگر برائی کریں تو انہیں سو سو کوڑے مارو عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم میں ایک ایسا واقعہ ہوا کہ ایک غیر شادی شدہ مرد اور ایک شادی شدہ عورت نے برائی کی تو اس کا فیصلہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ مرد کو سو کوڑے مارے جائیں جبکہ عورت کو سنگسار کیا جائے۔

شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت اگر برائی کریں تو اس کی سزا سنگسار ہے یعنی انہیں پتھر مار مار کر ہلاک کیا جائے۔

## اسلامی سزائیں انسانی معاشرے کی بقا کی ضامن ہیں:

آج ہمارے معاشرے میں اسلامی احکامات سے دوری شدید ہوتی جارہی ہیں اور لوگ اللہ کریم کی مقرر کردہ حدود کو بھی تنقید کا نشانہ بنانے سے گریز نہیں کرتے۔ کوڑوں کی سزا پر بھی بہت اعتراض کرتے ہیں جبکہ سنگساری کو تو شاید مانتے بھی نہیں۔ پچھلے دس سالوں میں عدالت سے سزائے موت پانے والے کسی مجرم کی سزا پر عمل درآمد نہیں کیا گیا۔ اگر مغرب کو خوش کرنے کے لیے ایسا رویہ اپنایا گیا ہے تو صد افسوس ہے کہ یہ اُن کی رائے ہے کہ مرنے والا تو مر گیا تو زندہ کو کیوں مارا جائے؟ اس کے باوجود یورپ اور امریکہ کی بعض ریاستوں میں سزائے موت پر عمل ہوتا ہے۔

اللہ کریم کا قانون یہ ہے کہ جس نے کسی کو ناروا قتل کیا بدلے میں اس کو قتل کیا جائے اس سزا و جزا کے عمل کو قصاص کہتے ہیں۔ اس کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا: وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝ (البقرہ:179) اے صاحب خرد لوگو! تمہارے لیے (قانون) قصاص میں حیات ہے تا کہ تم پرہیزگار

بن سکو۔ یعنی سزا اور جزا کے عمل میں، قصاص میں، بدلہ لینے میں معاشرے کی، قوموں کی حیات ہے۔ جب سزاؤں پر عملدرآمد رک جاتا ہے تو لوگ بے دریغ جرم کرتے ہیں۔ فرمایا کہ معاشرے کی تطہیر کے لیے اگر غیر شادی شدہ مرد اور غیر شادی شدہ عورت زنا کریں تو انہیں سو سو کوڑے مارے جائیں۔

قرآن کریم میں بعض آیات ایسی ہیں جن کے احکام منسوخ ہو چکے جبکہ بعض آیات منسوخ ہو گئیں مگر حکم باقی ہے۔ شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت اگر زنا کریں تو اس کی سزا سنگسار کرنا ہے یہ آیت گو منسوخ ہو چکی لیکن اس کا حکم موجود ہے۔ ہر حکم کی بنیاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاداتِ عالیہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے تعامل پر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ہی سے سیکھا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کس آیت کا کیا مفہوم فرمایا اور کس حکم پر کیسے عمل کیا۔

عہد حاضرہ میں ایسی بہت تنظیمیں بن گئی ہیں جو انسانی حقوق کی علمبردار بنی ہوئی ہیں اور سزا جزا کے عمل کو انسانی حقوق کے خلاف سمجھ کر واویلا کرتی ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ انسان کو یہ حقوق کس نے دیے ہیں، ان حقوق کی بنیاد کیا ہے؟

جس نے انسان کو پیدا کیا ہے اُسی نے اس کے حقوق بھی متعین فرمائے ہیں۔ جس نے انسانوں کو مل جُل کر رہنے کی توفیق دی ہے، معاشرتی زندگی دی ہے اُسی پروردگارِ عالم نے انہیں حقوق بھی دیے ہیں۔ انسانی حقوق کی تنظیموں کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ انسانی حقوق مقرر کریں۔ اللہ نے جو مقرر کیے ہیں وہ انسانی حقوق ہیں اور اس مقرر کرنے والے نے ہی جرم پر سزائیں مقرر فرمائی ہیں کہ غیر شادی شدہ مرد اور عورت برائی کریں تو انہیں سو سو کوڑے مارے جائیں۔

سزا سے مراد صرف ایذا دینا نہیں ہے بلکہ جس کو سزا دی جارہی ہے اس کی اصلاح بھی مقصود ہے اگر کسی کو سزائے موت دی جارہی ہے تو اُسے کم ازکم آخرت کے عذاب سے بچانے کا سبب بن جاتی ہے۔ دنیا میں جو جرم اس نے کیا اس کا بدلہ دنیا میں ہی پا جائے اور آخرت کی رسوائی سے بچ جائے۔ اگر کوڑے مارے جارہے ہیں تو اس سزا کے بعد آئندہ اس جرم کے قریب نہ جائے، سزا سے بھی ڈرے اور اصلاح پذیر بھی ہو۔ ان سزاؤں کا اجراء معاشرے کی طہارت کا ضامن ہوتا ہے۔ اسی لیے سورت کے آغاز میں فرمایا کہ جو کچھ ہم نے نازل فرمایا وہ فَرَضْنٰهَا۔۔۔ تم پر فرض ہے اور یہ لازمی قرار دیا گیا ہے کہ تم اس پر عمل کرو۔

فرمایا: وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ۔۔۔ اور اللہ کے دین کے معاملے میں ان دونوں پر تم کو ذرا رحم نہیں آنا چاہیے۔ اگر، اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔۔۔ تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر

ایمان رکھتے ہو۔

فرمایا، یہ نہ ہو کہ تم اس میں رعایتیں کرنے لگو۔ اگر تمہیں اللہ پر اور آخرت پر ایمان ہے تو پھر اللہ کی مقرر کردہ سزاؤں میں رعایتیں کرنے کے تم حق دار نہیں ہو۔ جو سزا اللہ کریم نے مقرر کر دی وہ پوری دیانتداری سے دی جائے۔ اگر سزا اللہ کے حکم کے مطابق دی جا رہی ہے تو پھر تمہیں اس میں رحم کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجرم کے ساتھ ہمدردی یہ ہے کہ اُسے سزا دے کر جرم سے پاک کر دیا جائے تا کہ وہ برزخ اور آخرت کی رسوائی سے بچ جائے۔ اللہ کے احکام پر عمل کے لیے اللہ کی عظمت کا اقرار ضروری ہے کہ اللہ کو اللہ مانے، اپنا رب، اپنا خالق مانے اور آخرت پر بھی پختہ یقین ہو کہ مجھے اپنے اللہ کے سامنے جواب دینا ہے۔ تب ہی بندہ احکامِ الٰہی پر عمل کر سکتا ہے اگر آخرت کا یقین کمزور ہو جائے تو انسان سوچتا ہے کہ خیر ہے دیکھا جائے گا، کیا ہو گا اور اگر سرے سے اللہ کی ذات پر اعتماد ہی نہ ہو تو عمل کون کرے گا؟ اس لیے فرائضِ الٰہی پر خواہ وہ عبادات کے معاملے میں ہوں یا معاملات کے معاملے میں ہوں، جزا و سزا کے معاملے میں ہوں ان پر عمل کی بنیاد، اللہ پر ایمان ہے۔ اللہ کی عظمت، اللہ کی وحدانیت اور اس کی قدرتِ کاملہ پر ایمان ضروری ہے اور آخرت پر، قیامت کے دن پر یقین ضروری ہے۔

فرمایا، پھر یہ سزائیں چھپا کر نہ دی جائیں بلکہ: وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝٢ اور ان دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر رہنی چاہیے۔

یہ سزائیں سرِ عام دی جائیں تا کہ عام لوگ دیکھیں اور ان سزاؤں سے ڈر کر جرم کرنے سے ڈریں اور اس گناہ کے قریب نہ جائیں۔ سرِ عام سزائیں لوگوں کے لیے عبرت کا سامان بن جاتی ہیں۔

وطنِ عزیز میں غالباً تین دہائی قبل ایک مرتبہ تین مجرموں کو سرِ عام پھانسی دی گئی تھی۔ انہوں نے ایک بچے کو تاوان کے لیے اغوا کیا تھا۔ اُن پر جب جرم ثابت ہوا تھا تو انہیں سزائے موت ہوئی اور حکومت نے حکم دیا کہ انہیں سرِ عام پھانسی دی جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جتنے مجرموں نے تاوان وصول کرنے کے ارادے سے لوگوں کے بچے اغوا کر رکھے تھے وہ سب بچوں کو راتوں رات تھانوں کے باہر چھوڑ گئے۔ صبح دیکھا گیا کہ تھانوں کے باہر بچے رو رہے تھے۔

اسی طرح کوڑوں کے ڈر سے بھی بہت سے افراد ظلم و زیادتی کرنے سے باز رہے۔ یہ احکام اللہ کریم نے فرض کیے ہیں اور افسوس کہ آج ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے جو ایسا کرتے ہیں ان کو بھی اللہ نے فرصت اور مہلت دی ہے کہ توبہ کر لیں توبہ کا موقع باقی ہے۔ احکام الٰہی پر اگر کوئی عمل نہیں کرتا تو کم از کم ان کی مخالفت نہ کرے یا مذاق نہ

اُڑائے۔عمل نہ کرنا گناہ ہے جبکہ انکار یا مذاق اڑانا کفر ہے اور گناہ اور کفر میں بڑا فاصلہ ہے۔

کفر ہمیشہ کی محرومی کا سبب بن جاتا ہے۔گناہ عارضی سزا کا سبب بنتا ہے اور اللہ گناہ سے بھی بچائے کہ اللہ کی سزائیں بہت سخت ہیں۔آخرت کی سزائیں بہت شدید ہیں۔اللہ کریم توبہ کی توفیق دیں اور معاف فرمائیں۔

## مزاج کی ہم آہنگی:

جو لوگ تہذیب سے عاری ہوتے ہیں۔جنہیں پاکدامنی اور پاکیزگی کا احساس نہیں رہتا وہ اپنے جیسے سے تعلق رکھنا پسند کرتے ہیں۔فرمایا: اَلزَّانِیۡ لَا یَنۡکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوۡ مُشۡرِکَۃً۔۔۔زانی نکاح بھی زانیہ عورت سے کرتا ہے یا مشرکہ سے۔

بدکاری کے عادی مرد یا بدکاری کی عادی عورتیں ایک دوسرے کو تلاش کر لیتے ہیں اور اگر یہ نکاح بھی کریں تو اُن کا مقصد شہوت رانی ہوتا ہے خاندان کی بنیاد رکھنا نہیں۔ یہ زانی مرد، کافر عورتوں سے بھی شادی رچا لیتے ہیں، غیر مسلموں سے بھی شادی رچا لیتے ہیں بدکار عورتوں سے بھی۔ ان کا مقصد محض شہوت رانی ہوتا ہے۔ فرمایا: وَّالزَّانِیَۃُ لَا یَنۡکِحُہَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوۡ مُشۡرِکٌ۔۔۔اور (اسی طرح) زانیہ کے ساتھ بھی کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک کے۔

اسی طرح بدکار عورتیں بدکار مردوں کو تلاش کرتی ہیں یا مشرکوں کے پاس چلی جاتی ہیں۔جب عزتِ نفس نہ رہے اور شہوت رانی ہی مقصد ہو تو پھر لوگوں میں مومن کافر کی تمیز بھی مٹ جاتی ہے، وہ صرف مرد عورت رہ جاتے ہیں۔ جیسے جانوروں اور حیوانوں کے معاشرے میں صرف نر اور مادہ ہوتے ہیں، اس کے علاوہ کوئی رشتہ نہیں ہوتا، انسان بھی پھر انسانی معیار سے گر کر وہاں پہنچ جاتا ہے۔

فرمایا: وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۝۳ اور یہ (ایسا نکاح) ایمان والوں پر حرام (موجبِ گناہ) قرار دیا گیا ہے۔

اللہ کریم نے ایسا نکاح جس سے محض شہوت رانی مطلوب ہو ایمان والوں پر حرام کر دیا ہے۔مومنین پر ایسی تمام صورتیں حرام کر دی گئی ہیں جس میں محض شہوت رانی کے لیے نکاح کیا جائے۔خواہ اُجرت پر کسی سے بدکاری کی جائے یا محض دو دن یا چار دن کے لیے نکاح کر لیا جائے۔

یاد رہے کہ نکاح ایک پاکیزہ عمل ہے جس میں مرد اور عورت اللہ کے نام پر ایک دوسرے پر حلال ہو جاتے ہیں اور اُن کے حقوق متعین ہو جاتے ہیں۔اگر نکاح میں دن یا وقت مقرر کر دیے جائیں کہ یہ نکاح دو دن کے لیے ہے یا چھ

مہینے کے لیے ہے تو ایسا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔ النکاح المؤقت باطل (الکتاب فتاوی الازہر) جس نکاح میں وقت کی تعین ہو وہ باطل ہے۔ نکاح سے مراد ہی یہ ہے کہ دو انسان زندگی بھر ساتھ نبھائیں گے اور انسانی معاشرے کی پاکیزہ بنیاد رکھیں گے۔ نکاح کی ایسی تمام باطل صورتیں ایمان والوں کے لیے حرام ہیں اور منع کر دی گئی ہیں۔

## الزام تراشی کی سزا:

بعض لوگ نیک خواتین پر الزام لگا دیتے ہیں کہ ان کا کردار صحیح نہیں ہے۔ فرمایا یہ اتنی آسان بات نہ سمجھی جائے کہ جس کا جس پر جی چاہے، تہمت لگا دے۔ یہ درست نہیں ہے جب تک کہ یقینی ثبوت نہ ہو کوئی ایسی بات نہ کی جائے۔

فرمایا: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴﴾ اور جو پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر (اپنے دعوے پر) چار گواہ نہ لا سکیں تو ایسے لوگوں کو اَسّی (۸۰) دُرّے مارو اور کبھی اُن کی شہادت قبول نہ کرو اور یہی لوگ بدکردار ہیں۔

اگر کسی پاکدامن عورت پر کوئی برائی کا الزام لگاتا ہے اور اس کے پاس شرعی شہادت یعنی چار گواہ نہیں ہیں تو الزام لگانے والے کو اسّی کوڑے مارے جائیں۔ تہمت لگانے والے کو سرِ بازار اسّی کوڑوں کی سزا دی جائے۔ اُسے دُرّے مارے جائیں اور آئندہ زندگی بھر اس کی شہادت کبھی قبول نہ کی جائے یعنی جب اس کا جھوٹ ثابت ہو چکا اور اس کی سزا اُسے دی گئی تو اب آئندہ کسی مقدمے میں بطور گواہ اُسے قبول نہ کیا جائے گا۔ اس کا جھوٹا ہونا ثابت ہو چکا۔ اب وہ دوبارہ بھی جھوٹ بول سکتا ہے۔ اس لیے قابل اعتبار نہیں ہے۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴﴾ یہ بدکار لوگ ہیں، ایسا کرنے والے خطا کار گناہ گار ہیں۔

## توبہ کا در کھلا ہے:

ہاں! توبہ کی گنجائش یہاں بھی موجود ہے۔ فرمایا: اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵﴾ مگر جو اس کے بعد توبہ کر لیں اور (اپنی) اصلاح کر لیں تو بے شک اللہ بخشنے والے مہربان ہیں۔

یعنی ایسے گناہ گار بھی اگر توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو اللہ کریم کی بخشش اور رحمت بھی بے پناہ ہے۔

یہاں توبہ کی حقیقت بھی بتادی کہ محض زبانی توبہ توبہ کہنا کافی نہیں بلکہ توبہ سے مراد اپنی اصلاح ہے۔ توبہ کرنے والا اللہ سے عہد کرے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی میں اب یہ دوبارہ نہیں کروں گا۔ اس عہد کے ساتھ پھر پوری کوشش کے ساتھ اس گناہ سے بچتا بھی رہے۔

## لعان:

بعض مرد اپنی بیویوں پر برائی کا الزام لگا دیتے ہیں تو فرمایا: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝۶ اور جو لوگ اپنی بیویوں پر (بدکاری کی) تہمت لگائیں اور اُن کے پاس خود اُن کے سوا کوئی گواہ نہ ہو تو اُن میں سے ہر ایک کی شہادت یہ ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھائے کہ بے شک وہ سچا ہے۔

اس گناہ کی سزا چونکہ بہت سخت ہے لہٰذا اس کا قانونِ شہادت بھی بہت سخت ہے۔ اس کی شرعی گواہی یہ ہے کہ چار بندے اُسے برائی کرتا ہوا دیکھیں یہ نہیں کہ محض برہنہ دیکھا اور کہہ دیا۔ جب چار گواہ برائی کرتے ہوئے دیکھیں گے تو جو شخص اپنی بیوی پر بدکاری کی تہمت لگائے اور اُس کے پاس اپنے سوا کوئی گواہ نہیں ہے اور وہ کہتا ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو برائی کرتے دیکھا ہے یا اس تک ایسے ثبوت پہنچے ہیں تو اُس کی گواہی یہ ہوگی کہ وہ مرد پھر اللہ کی قسم چار مرتبہ اٹھائے کہ میں اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ یہ بدکار ہے اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں یہ سچ ہے۔ میں سچ کہنے والوں میں سے ہوں۔

پھر: وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ۝ اور پانچویں بار یہ (کہے) کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت۔

وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھائے کہ اس کی بیوی بدکار ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر میں نے جھوٹی قسمیں اٹھائی ہیں یا یہ جھوٹا الزام لگایا ہے تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔

اگر مرد قسمیں اٹھا لیتا ہے تو پھر عورت سے بھی پوچھا جائے گا۔ فرمایا: وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ۝۸ اور اس (عورت) سے سزا کو یہ بات ٹال سکتی ہے کہ (پہلے) وہ چار بار اللہ کی قسم اٹھا کر گواہی دے کہ بے شک یہ جھوٹا ہے۔

عورت اپنی پاکدامنی ثابت کرنے کے لیے چار مرتبہ اللہ کی قسم اٹھائے اور کہے کہ وہ پاک دامن ہے اور اس کا شوہر جھوٹ بول رہا ہے تو اس کو سزا نہیں ملے گی۔ چار مرتبہ قسم اٹھانے کے بعد: وَالْخَامِسَةَ

اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيۡهَاۤ اِنۡ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ۝ اور پانچویں بار یہی کہے کہ اس (عورت) پر اللہ کا غضب ہو اگر یہ (شوہر) سچا ہو۔ اس عورت کے لیے ہے کہ وہ چار مرتبہ اپنی پاکبازی پر اللہ کی قسم اٹھانے کے بعد پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر یہ مرد سچا ہے اور میں جھوٹی قسمیں اٹھاؤں تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ اس طرح اس کی سزا تو ٹل جائے گی لیکن اُن کو علیحدہ کر دیا جائے گا۔ اس صورتِ حال کو اصطلاحِ شریعت میں لعان کہتے ہیں یعنی لعنت کرنا، اس لعن سے میاں بیوی کا نکاح ایسا ختم ہوگا کہ پھر زندگی میں کبھی ان کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا۔ (آئمہ فقہ نے اس کی مختلف صورتیں اور ان کی تفصیلات لکھی ہیں۔ انہیں کتبِ فقہ سے دیکھا جاسکتا ہے۔)

## احکامِ الٰہی، حکمت الٰہی کا مظہر ہیں:

فرمایا: وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيۡمٌ ۝ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی (تو بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتیں) اور یہ کہ اللہ توبہ قبول کرنے والے حکمت والے ہیں۔

اللہ کریم کی مہربانی اللہ کا فضل اور رحمت انسانوں پر نہ ہوتی تو یہ انسانی اقدار سلامت نہیں رکھ سکتے تھے۔ معاشرے میں طہارت اور پاکیزگی نہیں رہ سکتی تھی، تہذیب وشرافت ختم ہو جاتی اور معاشرہ انسانی معاشرہ نہیں رہ سکتا تھا۔ انسان اکیلے اکیلے لوگوں کا گروہ بن جاتا یعنی ہر بندہ الگ الگ ہے لیکن بندوں کا ہجوم ہے۔ کسی کو کسی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اللہ کریم یقیناً بندوں کی توبہ قبول کرنے والے بھی ہیں۔ بتقضائے بشریت اگر کسی سے غلطی ہو جاتی ہے تو اپنی غلطی کا اعتراف کرے، اللہ سے توبہ کرے تو اللہ کریم تو معاف کرنے والے، حکمت و دانائی والے ہیں۔ اللہ الحکیم ہے۔ حکمت کے وارث، حکمت کے والی، حکمت والے اللہ کریم ہیں اور جو احکامِ شریعت اللہ کریم نے مقرر کیے ہیں یہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے۔ یہ انسانی معاشرے کی بنیادی ضرورت ہیں، اُس کی بقا کا سبب ہے۔ یہ احکام معاشرے کو انسانی معیار عطا کرتے ہیں اور اُسے انسانوں کا معاشرہ بناتے ہیں۔

# سورۃ النور رکوع 2 آیات 11 تا 20

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱﴾ لَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَاۤ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَاۤ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ وَلَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾

جن لوگوں نے (صدیقۂ کائنات ؓ کے بارے) یہ طوفان برپا کیا ہے وہ (اے مسلمانو!) تم میں سے ایک (چھوٹا سا) گروہ ہے تم اس کو اپنے حق میں بُرا نہ سمجھو بلکہ یہ (انجام کے اعتبار سے) تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے اس میں جس نے جتنا کیا اُس کو اتنا ہی گناہ ملا اور اُن میں سے جس نے اُس (بہتان) کا بڑا بوجھ اٹھایا ہے اس کو بڑا عذاب ہوگا ﴿۱۱﴾ جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے آپس والوں کے ساتھ نیک گمان کیوں نہ کیا اور کیوں نہ کہا کہ یہ صریح جھوٹ ہے ﴿۱۲﴾ یہ لوگ اُس پر چار گواہ کیوں نہ لائے تو جب یہ گواہ نہیں لا سکے تو اللہ کے نزدیک یہی جھوٹے ہیں ﴿۱۳﴾ اور اگر تم پر دنیا و آخرت میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس شغل میں تم پڑے تھے اس کی وجہ سے تم پر ضرور بہت بڑا عذاب ہوتا ﴿۱۴﴾ جب تم اس (جھوٹ) کو اپنی زبانوں سے ایک دوسرے سے ذکر کر رہے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہتے تھے جس کا تم کو علم بھی نہ تھا اور تم اس کو ایک معمولی بات سمجھتے تھے اور اللہ کے نزدیک وہ بڑی بھاری (اہم) بات تھی ﴿۱۵﴾ اور جب تم نے اُسے سنا تھا تو کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں زیب نہیں دیتا کہ ایسی بات زبان پر لائیں، (پروردگار) تو پاک ہے یہ تو بہت بڑا بہتان ہے ﴿۱۶﴾ اللہ تم کو نصیحت فرماتے ہیں کہ پھر کبھی ایسی حرکت نہ کرنا اگر تم ایمان رکھتے ہو تو ﴿۱۷﴾ اور اللہ تم سے صاف صاف آیات (احکام) بیان فرماتے ہیں اور اللہ بڑے جاننے والے بڑے حکمت والے ہیں ﴿۱۸﴾ بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی پھیلے ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہوگا اور اللہ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے ﴿۱۹﴾ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو کیا کچھ نہ ہوتا) اور یہ کہ اللہ نہایت مہربان (اور) رحم کرنے والے ہیں ﴿۲۰﴾

# تفسیر و معارف

## واقعۂ اِفک:

فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱﴾ جن لوگوں نے (صدیقۂ کائنات ؓ کے بارے) یہ طوفان برپا کیا ہے وہ (اے مسلمانو!) تم میں سے ایک چھوٹا سا گروہ ہے تم اس کو اپنے حق میں بُرا نہ سمجھو بلکہ یہ (انجام کے اعتبار سے) تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے۔ اس میں جس نے جتنا کیا اُس کو اتنا ہی گناہ ملا اور اُن میں سے جس نے اس (بہتان) کا بڑا بوجھ اٹھایا ہے اس کو بڑا عذاب ہوگا۔

منافقینِ مدینہ کا سرکردہ اور سردار عبداللہ ابن ابی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان تراشی کی، اس واقعہ کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

یہ واقعہ سن 6 ہجری میں اس وقت پیش آیا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے غزوہ بنو مصطلق سے واپسی کے دوران ایک جگہ قیام فرمایا۔ اس سفر میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہمراہ تھیں۔ چونکہ قافلے رات کو سفر نہیں کیا کرتے تھے اور شام ہو چکی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا یہ قافلہ بھی مقیم ہوا۔ سحری کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی حاجت کے لیے لشکر گاہ سے باہر چلی گئیں۔ اپنی بہن کا ہار جو عاریۃً لے گئی تھیں کھو بیٹھیں اسے تلاش کرنے میں وقت لگ گیا۔ اسی اثناء میں صحابہ رضی اللہ عنہا نے سمجھا کہ آپ اندر تشریف فرما ہیں آپ رضی اللہ عنہا کا باپردہ کجاوہ اٹھا کر اونٹ پر رکھا اور اسے کس دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چونکہ نازک اندام تھیں اتنا وزن نہیں تھا کہ محسوس ہوتا اور کجاوہ بھی وزنی تھا تو اٹھانے والوں کو یہ پتا نہ چلا کہ کجاوہ خالی ہے۔ لشکر روانہ ہو گیا۔ آپ رضی اللہ عنہا واپس آئیں تو لشکر روانہ ہو چکا تھا اور آپ رضی اللہ عنہا پیچھے رہ گئیں آپ رضی اللہ عنہا نے دانشمندی فرمائی اور جس جگہ خیمۂ نبوی تھا، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ٹھہرے تھے، آپ رضی اللہ عنہا وہیں اپنی چادر اوڑھ کر لیٹ گئیں۔

یہ قاعدہ تھا کہ جہاں سے لشکر سحری کو کوچ کرتا وہاں کسی ایک صحابیؓ کو یہ ذمہ داری سونپی جاتی کہ وہ اپنی سواری سمیت پیچھے رک جائے اور صبح سورج طلوع ہونے کے بعد ساری لشکر گاہ کا معائنہ کرے تاکہ اگر کسی کی کوئی چیز وہاں رہ گئی ہو تو وہ لے کر لشکر سے آ ملے۔ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کو اسی مقصد کے لیے پیچھے چھوڑا گیا تھا۔ جب صبح

طلوع ہوئی۔ وہ لشکرگاہ میں گئے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خیمہ گاہِ نبوی کی جگہ سو رہی تھیں۔ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کی نظر پڑی تو سمجھ گئے اور انہوں نے فوراً اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھا تو آواز سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اٹھ کر پردہ کر کے بیٹھ گئیں۔ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے اپنا اونٹ اُن کے پاس لا کر بٹھا دیا اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ اُس پر سوار ہو گئیں۔ انہوں نے اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور آگے آگے دوڑنا شروع کر دیا اور پیچھے سے قافلے سے جا ملے۔ قافلے کے ہمراہ منافقینِ مدینہ بھی تھے اور اُن کا سردار عبداللہ ابن اُبی بھی تھا۔ اس کے نفاق اور حسد کو موقع مل گیا اس نے صدیقہء کائنات اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت تراشی اور اپنے خبثِ باطن کا اظہار کرنے لگا۔ وہ تو تھا ہی دشمن اور بدنصیب، محروم القسمت لیکن بدنصیبی جب آتی ہے تو اچھے بھلے بندے سے خطا ہو جاتی ہے چنانچہ صحابہ کرامؓ میں سے بھی تین افراد اس میں مبتلا ہو گئے اور محض ایک منافق کی باتوں میں آ کر اس بات کو آگے بیان کرنے لگے۔ ان میں سے ایک صحابی حضرت حسان رضی اللہ عنہ تھے جو معروف شاعر تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں بہت سی نعتیں بھی کہہ چکے تھے۔ دوسرے صحابی حضرت مسطح رضی اللہ عنہ تھے اور ایک خاتون جن کا نام حمنہ رضی اللہ عنہا تھا وہ بھی اس کے پراپیگنڈے سے متاثر ہو کر شامل ہو گئیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو شدید صدمہ ہوا اور ہونا بھی چاہیے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ عالی جیسی عظمت، پاکیزگی وطہارت کا تصور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے علاوہ پوری کائنات میں نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کئی دنوں تک خبر ہی نہ ہو سکی کہ کیا معاملہ ہے۔ بات مردوں میں اور خواتین میں بھی گردش کرتی رہی لیکن کاشانہء نبوی پر کسی نے ذکر نہ کیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم دولت کدے پر تشریف لاتے، خیریت دریافت کر کے واپس تشریف لے جاتے پہلے جیسا لطف وکرم، پیار ومحبت اور باتیں کرنا نہ رہا تو میں بہت حیران تھی کہ آخر بات کیا ہے۔ کوئی بات سمجھ نہیں آ رہی تھی اور بہت ڈر بھی لگ رہا تھا۔ ایک صبح آپ رضی اللہ عنہا اُم مسطحؓ کے ہمراہ باہر نکلیں تو انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو آگاہ فرمایا کہ یہ بات ہو رہی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کو بہت دکھ ہوا اور آپؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے والدین کے گھر جانے کی اجازت مانگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اجازت سے آپؓ اپنے میکے تشریف لے گئیں۔

اس سارے عرصے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم بھی بہت رنجیدہ رہے۔ بہت دن گزر گئے وحیٔ الٰہی بھی نہ آئی اور نہ ہی کوئی ظاہری تحقیق وتفتیش کی کوئی صورت تھی کیونکہ جنگل میں گواہی دینے والا کوئی نہ تھا۔

جب بہت دن گزر گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا شانۂ ابوبکر صدیق رضی اللہ پر تشریف لے گئے۔
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں۔ اُن کی والدہ ماجدہ اور والدِ گرامی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''اے عائشہ! مجھے تمہارے متعلق ایسی اور ایسی بات کا پتا چلا ہے۔ اگر تم اس سے بَری ہو تو اللہ کریم عنقریب تمہاری برأت ظاہر فرما دے گا اور اگر خدانخواستہ تم سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے تو تم اللہ کریم سے مغفرت مانگو اور توبہ کرو کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کر کے اللہ کے حضور توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے والدہ کی طرف دیکھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی بات کا جواب عرض کریں گی لیکن وہ خاموش رہیں۔ پھر میں نے والد کی طرف دیکھا تو انہوں نے آنکھوں آنکھوں میں مجھے کہا کہ میں تو اس معاملے میں نہیں بول سکتا، تم جانو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم جانیں۔ فرماتی ہیں، میں لیٹی ہوئی تھی، میں اٹھ کر بیٹھ گئی اور عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم! اگر میں یہ کہوں کہ میں مجرم ہوں تو سارا جہاں مان لے گا کہ معاشرہ ایسی باتوں کو جلدی مان لیتا ہے۔ اگر میں کہوں کہ میں بے گناہ ہوں تو تھوڑے لوگ مانیں گے زیادہ تر لوگ چہ مگوئیاں کریں گے لہٰذا میں اس معاملے میں کچھ نہیں کہتی سوائے اس کے جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا تھا: فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ (یوسف: 18) پس صبر ہی خوب ہے اور جو باتیں تم بناتے ہو ان میں اللہ ہی مدد فرمائے۔ میں اپنی زبان سے کچھ بھی نہیں کہتی نہ اقرار کرتی ہوں نہ انکار کرتی ہوں۔ میں اپنا معاملہ اللہ پہ چھوڑتی ہوں، اللہ قادر ہے وہ میری صفائی دے گا اور وہ بہتر جاننے والا ہے۔ فرماتی ہیں میں یہ عرض کر کے پھر لیٹ گئی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم وہیں جلوہ افروز تھے کہ نزولِ وحی شروع ہو گیا۔ جب بھی نزولِ وحی کی کیفیت طاری ہو جاتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم پر چادر سے پردہ کروا دیا جاتا تھا۔ نزولِ وحی ہوتا رہا اور جب مکمل ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے رخِ انور سے چادر ہٹائی اور مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا اور فرمایا: أَبْشِرِي يَا عَائِشَةُ أَمَّا اللّٰهُ فَقَدْ بَرَّأَكِ (صحیح مسلم) عائشہ! مبارک ہو اللہ نے تمہیں بری کر دیا۔ تمہاری برأت نازل فرمائی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے یہ امید ضرور تھی کہ میرا پروردگار اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے دل میں بات ڈال دے گا لیکن یہ ہرگز امید نہ تھی کہ میری برأت کے لیے قرآن نازل ہو گا اور لوگ قیامت تک مساجد اور گھروں میں ختم قرآن میں ہمیشہ ان آیات کی تلاوت کرتے رہیں گے۔ یہ وہ واقعہ تھا جس کے بارے سورۃ النور کی یہ دس آیات نازل ہوئیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے (صدیقہ ءکائنات کے

بارے ) یہ طوفان برپا کیا ہے، اُن پر تہمت لگا رہے ہیں تو اسے مسلمان اپنے حق میں مصیبت یا تکلیف نہ سمجھیں بلکہ یہ انجام کے اعتبار سے مسلمانوں کے لیے بہت بہتر ہے کہ نزول قرآن کا زمانہ ہے، وحی آ رہی ہے اور اللہ کریم نے ان کے الزام کے جواب میں صدیقہ ءکائنات ؓ کی صفائی دے کر اُن کی عظمت کو روزِ روشن کی طرح واضح کر دیا ہے۔اس کے ساتھ اللہ کی رحمتیں نازل ہوئیں۔

## بہتان کی سزا:

فرمایا: لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۔۔۔ یہ بات کرنے والوں کا جتنا جتنا جرم ہے اتنی اتنی وہ سزا پائیں گے: وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾ اور اُن میں سے جس نے اس بہتان کا بڑا بوجھ اٹھایا ہے اُسے بڑا عذاب ہوگا۔

منافقوں کا سردار عبداللہ ابن ابی جس نے اس الزام کی بنیاد رکھی اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں تو ہمیشہ رہنے والا عذاب ہے۔جس عذاب کو اللہ کریم عظیم فرما رہے ہیں اس کی شدت صرف اللہ کریم ہی جان سکتے ہیں۔اس منافق نے گو بہت جرم کیے،منافقت کی مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتا رہا اور بھی جرم کیے لیکن صدیقہ ءکائنات رضی اللہ عنہا پر بہتان لگانے کا جو جرم کیا ہے اس کے لیے اس کو عذابِ عظیم ہوگا۔ عبداللہ ابن ابی کے علاوہ دوصحابہ ؓ اور ایک صحابیہ ؓ کے منہ سے یہ بات نکلی تھی چنانچہ اُن پر حد جاری کی گئی اور اسی اسی (80) درّے لگائے گئے۔انہوں نے توبہ کی اور اللہ سے اپنے کیے کی معافی مانگی۔صحابہ کرام ؓ کی اکثریت نے، بے شمار صحابہ رضوان اللہ اجمعین نے تو بات سنتے ہی کہا کہ یہ بہت بڑا بہتان ہے لیکن جو خاموش رہے۔

ان کے لیے فرمایا: لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿١٢﴾ جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے آپس والوں کے ساتھ نیک گمان کیوں نہیں کیا اور کیوں نہیں کہا کہ یہ صریح جھوٹ ہے۔

## ایمان کا تقاضا:

یہ بات سن کر کچھ ایسے بھی تھے جو خاموش رہے اور کوئی جواب نہیں دیا۔اللہ کریم نے اس خاموشی پر اُن کی گرفت فرمائی اور انہیں حکم دیا کہ اللہ کی بارگاہ میں توبہ کریں کہ چپ رہ کر گناہگار ہوئے ہیں۔اگر کوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلّم پر یا آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے خانوادہ پر الزام لگاتا ہے تو سن کر مسلمان کا چپ رہنا بھی گناہ ہے۔یہ کون سا ایمان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان تو ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے خاندان کی طہارت

پر یقین نہیں ہے۔ مسلمان کو ایسی بات کا منہ توڑ جواب دینا چاہیے۔ یوں تو ہر خاندان کی عظمت، اس کی آبرو میں ہے بلکہ ہر گھر، ہر معاشرے کی عظمت یا احترام اس کی آبرو میں ہے، اگر آبرومند ہے تو انسانی معاشرہ کہلانے کا مستحق ہے، انسانی خاندان کہلانے کا حقدار ہے لیکن خانوادہ نبوی کی آبرو تو مثالی ہے اس کے بارے سن کر خاموش رہنا ایسا عمل تھا کہ اللہ کریم نے اس پر گرفت فرمائی۔ اللہ کریم کا اور قرآن کریم کا انداز تخاطب دیکھیں فرمایا، یہ سن کر مسلمان مردوں اور عورتوں نے اپنے دل میں کیوں نیکی کا گمان نہیں کیا؟ یہ کیوں نہیں سوچا کہ ایسا نہیں ہوسکتا اور زبان سے کیوں نہیں کہا کہ یہ بہت بڑا بہتان ہے؟ اللہ کریم نے اس خاموشی کو پسند نہیں فرمایا اور اس پر اتنا بڑا سوال کیا ہے کہ ایسا کیوں کیا، کیا یہ ایمان کا تقاضا ہے؟

## حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عظمت:

اللہ کریم نے اپنا کرم فرمایا صدیقہء کائنات رضی اللہ عنہا کی عظمت کو روزِ روشن کی طرح واضح فرما دیا۔ صدیقہ عائشہؓ کے حق میں قرآن کی آیات نازل کر دیں۔ لوگ قیامت تک مساجد میں صلوٰۃ میں، ختمِ قرآن میں ہمیشہ وہ آیات تلاوت کرتے رہیں گے۔ یہ انفرادی فضیلت ہے حضرت عائشہ الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کہ کسی فرد کے ذاتی کردار کی پاکیزگی کی گواہی دنیا میں اللہ کریم دیں کہ اس کا کردار پاک، طیب و طاہر اور میری رضا کے مطابق ہے۔ یہ فضیلت واحد ہستی حبیبہء حبیب کبریا حضرت عائشۃ الصدیقہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے کہ اللہ نے مسلسل آیات میں آپؓ کی عصمت اور پاکیزگی کی گواہی دی۔

فرمایا: یہ لوگ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے تو جب یہ گواہ نہ لا سکے تو اللہ کے نزدیک یہی جھوٹے ہیں۔
لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿١٣﴾

یہ طوفان جو چند لوگوں نے برپا کیا ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ ایک اپنے خبثِ باطن سے اپنی طرف سے تہمت گھڑتا ہے۔ تین لوگ اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ ایسی بات کہنے والوں سے مسلمانوں کو کہنا چاہیے تھا کہ اپنی بات پر گواہ لاؤ۔ اور وہ گواہ نہیں لا سکے تو پھر انہیں واشگاف طور پر کہنا چاہئے تھا کہ تم ہی لوگ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہو۔

فرمایا: وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِىْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٤﴾ اور اگر تم پر دنیا و آخرت میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس شغل میں تم پڑے تھے اس کی وجہ سے تم پر ضرور بہت بڑا عذاب ہوتا۔

جن مومنین سے غلطی ہوئی تھی انہیں بتایا جا رہا ہے کہ اگر مسلمانوں پر اللہ کی رحمت نہ ہوتی تو ایسی بات

پھیلانے پر ان پر بہت بڑا عذاب آجاتا جو محض ایک منافق کی اڑائی ہوئی بات کو پھیلا رہے تھے۔ سنی سنائی بات کو بلا تحقیق پھیلانا بہت بڑا جھوٹ تھا۔

فرمایا: اِذۡ تَلَقَّوۡنَهٗ بِاَلۡسِنَتِكُمۡ وَتَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاهِكُمۡ مَّا لَيۡسَ لَكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ وَّتَحۡسَبُوۡنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنۡدَ اللّٰهِ عَظِيۡمٌ ﴿۱۵﴾ جب تم اس جھوٹ کو انہی زبانوں سے ایک دوسرے سے ذکر کر رہے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہتے تھے جس کا تم کو علم بھی نہ تھا اور تم اس کو معمولی بات سمجھتے تھے اور اللہ کے نزدیک وہ بڑی بھاری اہم بات تھی۔

انہی لوگوں سے خطاب ہے جنہوں نے اللہ کی رحمت سے توبہ کی توفیق پا کر توبہ کر لی تھی کہ جب تم اپنی زبانوں سے اس بات کا ذکر کر رہے تھے تو تم اسے معمولی سمجھتے تھے کہ تم تو سنی سنائی بات کو دہرا رہے ہو لیکن اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ ان آیات کریمہ سے مسلمانوں کے پاکیزہ معاشرے کی حفاظت کے لیے یہ ضابطے بتائے جا رہے ہیں کہ سنی سنائی باتوں کو پھیلانا اخلاقی عیب ہے اس سے باز رہا جائے۔ ثبوتِ شرعی کے بغیر ایسی بات کہنا موجبِ سزا ہے۔ معاشرے میں بے حیائی پھیلانے کی کوشش جیسی منافق ابنِ ابی نے کی اس پر دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی اسی طرح دورِ حاضر میں فحش نویسی اور فحش فلمیں بنانا ان کی اشاعت کرنے والے دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

فرمایا: وَلَوۡلَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ قُلۡتُمۡ مَّا يَكُوۡنُ لَنَاۤ اَنۡ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبۡحٰنَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۶﴾ اور جب تم نے اسے سنا تھا تو کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں زیب نہیں دیتا کہ ایسی بات زبان پر لائیں (پروردگار) تو پاک ہے۔ یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔

حرم نبوی کی عظمت کا تقاضا ہے کہ سنتے ہی کہہ اٹھتے کہ ایسی بات منہ سے نکالنا ہمیں زیب ہی نہیں دیتا۔ مسلمانوں کو تو ایسی خبر سنتے ہی کہہ دینا چاہیے تھا کہ یہ کہنا، سننا ہمارے لیے جائز نہیں۔ یہ تو بہتانِ عظیم ہے۔

فرمایا: يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنۡ تَعُوۡدُوۡا لِمِثۡلِهٖۤ اَبَدًا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۷﴾ اللہ تم کو نصیحت فرماتے ہیں کہ پھر کبھی ایسی حرکت نہ کرنا اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

اللہ کریم صاحبِ ایمان لوگوں سے مخاطب ہیں کہ پھر کبھی ایسی بات دوبارہ نہ ہو۔ اللہ کریم عظمتِ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ماننا شرطِ ایمان قرار دے رہے ہیں۔ اسی لیے وہ صحابہؓ جنہوں نے توبہ کر لی، جن پر سزا جاری ہو گئی ان تائبین کو اللہ کریم نے گزشتہ آیات میں اَنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ فرما کر مغفرت کی بشارت دے دی اور بہتان گھڑنے والوں، اس پر قائم رہنے والوں کو، اس جرم سے توبہ نہ کرنے والوں کو دنیا اور آخرت میں لعنت کی وعید سنا دی

گئی اُن کے لیے عذابِ عظیم ہے۔

## ایک قرآنی ضابطہ:

وہ مسلمان جو اس تہمت کے معاملے میں شریک ہو گئے تھے یہ اس وقت کا معاملہ ہے جب ابھی آیاتِ برأت نازل نہیں ہوئی تھیں۔ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں ان آیاتِ برأت کے نازل ہونے کے بعد جو شخص صدیقہء کائنات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائے تو ان آیات کا منکر ہو کر کافر ہو گا۔ شیعہ اس کے قائل ہیں لہٰذا ایمان سے خارج ہیں۔ مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں وہ باجماع امت کافر ہیں اس لیے کہ اللہ کریم نے فرمادیا ہے: اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾ اگر تمہارا ایمان سلامت ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو پر انگلی نہ اٹھانا۔ کبھی بھول کر بھی ایسا نہ کرنا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ کوئی اس بہتان کو دہراتا ہے تو اس میں ایمان نہیں۔ مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی قرآنی ضابطے کے تحت لکھا ہے کہ جو بھی آبروئے نبوت پر اعتراض کرے یا لب کشائی کرے وہ ایمان سے خارج ہے۔ اللہ کریم نے اسے شرطِ ایمان قرار دے دیا ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾ اگر تم میں ایمان ہے، تمہارا ایمان سلامت ہے تو پھر ایسی حرکت دوبارہ نہ کرنا۔ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾ اللہ کریم تمہارے لیے باتیں کھول کر اور واضح بیان فرماتے ہیں۔ بے شک اللہ کریم جاننے والے بھی ہیں اور حکمت والے بھی۔

## پاکیزگیٔ معاشرہ کا اہتمام:

اسلام میں جہاں فرد کی ذاتی پاکیزگی اور طہارت کو یقینی بنایا گیا ہے کہ دن میں پانچ بار باوضو ہو، لباس اور جسم پاک کر کے باوضو ہو کر اللہ کی بارگاہ میں حاضری دے۔ اپنی زبان کو جھوٹ سے اور نگاہ کو غلط بینی سے آلودہ نہ کرے۔ کانوں کو جھوٹ سے اور غلیظ باتوں کے سننے سے بچائے وہاں معاشرے کی پاکیزگی کا بھی بہت اہتمام کیا گیا ہے۔ ماحول کو آلودہ ہونے سے بچانے کے لیے احتیاطیں بتائی گئی ہیں۔ ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔۔۔ بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی پھیلے ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہو گا۔

اللہ کریم نے برائی کی تشہیر سے بھی روکا ہے۔ افراد کی اخلاقی تربیت کے ساتھ معاشرے کو خرافات سے پاک رکھنے کے لیے احکامات عطا فرمائے ہیں۔ خاندانی اور ملکی سطح پر ان احکام کو بجالانا فواحش کو روکنا معاشرے کے بااختیار افراد کی ذمہ داری بنائی گئی ہے۔ ان احکامات پر عمل درآمد نہ ہونے کے اثرات آج ہمارے معاشرے

میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ لفظ فَاحِشَةُ میں بے حیائی کی تمام صورتیں آجاتی ہیں۔ اس نظر سے دیکھیں تو آج کی فلمیں، ٹی وی کے ایسے پروگرام، ایسے اشتہار، ایسی تمام تحریریں آجاتی ہیں جو بے حیائی پر مبنی ہوتی ہیں۔ اللہ کریم ہمیں معاف فرمائیں، آج انٹرنیٹ پر، فیس بک (Face book) پر، ٹی وی پر حتیٰ کہ موبائل فون پر بے حیائی کی بھرمار ہے۔ اس ساری بے حیائی کا دیکھنا، سننا، پڑھنا شرعاً ناجائز ہے۔ دکھانے والوں کو اللہ ہدایت دے۔ اللہ انہیں سمجھ دے۔ توبہ کریں نہ کریں ان کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے۔ اللہ کریم جانیں اور وہ جانیں۔ انسان کو اپنے آپ کو ان چیزوں سے بچانے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ بے حیائی کا بولنا بھی ناجائز ہے، سننا بھی غلط ہے، دیکھنا بھی حرام ہے۔ بے حیائی میں کسی طور حصّہ نہ بنا جائے۔

اس اہتمام کے بعد وعید سنائی گئی کہ فحاشی پھیلانے والوں کو آخرت میں تو دردناک عذاب ہوگا لیکن اس کا اثر ان کی دنیا پر بھی ضرور آئے گا۔ دنیا میں بھی وہ دردناک عذاب سے دوچار ہوں گے۔ ایسے لوگ دنیا میں بھی ذلیل ورسوا ہی رہتے ہیں۔ انہیں دنیا میں بھی سکون کا لمحہ نصیب نہیں ہوتا۔ یہ بھی عذابِ الٰہی کی عجیب صورت ہے کہ زندگی اجیرن رہتی ہے۔ دفتر جائے تو چخ چخ، گھر آئے تو جھگڑے۔ ہر جگہ تکرار، تو تکار۔ زندگی عذاب بن جاتی ہے، سکھ کا سانس نہیں لے سکتے۔ خودکشی کرتے ہیں یا قتل ہوجاتے ہیں۔ اور مرنے کے بعد پھر عذاب میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔

بے حیائی پھیلانے والے یہ کام کیوں کرتے ہیں؟ دولت کے لیے۔ دولت تو آسانیاں حاصل کرنے کے لیے ہے۔ زندگی کو مزے سے گزارنے کے لیے ہے۔ اگر دولت ہی وبالِ جان بن جائے تو دولت کا فائدہ؟ جو دولت ناجائز طریقے سے کمائی جائے وہ دولت خوشیاں نہیں دیتی۔ جو دولت اس طرح کمائی جائے کہ پیچھے پولیس لگی ہو، معاشرہ دھتکار رہا ہو، گھر میں سکون نہ ہو، کسی چیز میں برکت نہ ہو تو اس کا انجام کیا ہوگا؟ یہی کہ دھونس دھاندلی کی زندگی۔ ہر لمحہ نئی بے چینی، نئی مصیبت، نئی بے قراری لاتی رہے اور مرے تو ذلیل ہوکر۔ بجائے خود دولت کا حصول کوئی نعمت نہیں جب تک وہ دولت آرام نہ پہنچا سکے۔ چھینی ہوئی دولت، بے ایمانی سے کمائے ہوئے پیسے، رشوت، چوری ڈاکہ سے حاصل شدہ دولت دنیا میں رسوائی کے عذاب کا سبب ہے اور آخرت میں اس کا نتیجہ دردناک عذاب ہے۔ اس لیے کہ فحاشی پھیلانا معاشرے کو بگاڑنا ہے۔ فحش کلامی سے، فحش اشتہار بنانے سے، فحش فلمیں بنانے، دکھانے، پھیلانے سے معاشرہ بگڑتا چلا جاتا ہے۔

فرمایا: وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٩﴾ اور اللہ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے۔ تم ان کی ظاہری

شان وشوکت دیکھتے ہو۔ ان کے محلوں کی اونچی دیواروں کے نیچے بیٹھے ہو اور سمجھتے ہو کہ اندر سب خیر ہے۔ ان کے سینوں میں لگی آگ سے بے خبر ہو۔ ان کی عجیب وغریب پریشانیاں، ان کے نرالے دکھ، ان کی ان گنت مصیبتیں تمہیں نظر نہیں آتیں۔ مسلمانوں کے معاشرے کو فحاشی سے آلودہ کرنا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کے اندوہناک ہونے کی شدت کو اللہ ہی جانتا ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو کیا کچھ نہ ہوتا) اور یہ کہ اللہ نہایت مہربان (اور) رحم کرنے والے ہیں۔

یہ آیہء مبارکہ اس واقعے سے متعلق تائبین کے بارے ہے جنہوں نے توبہ کرلی اور اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ بھی اللہ کی مہربانی ہے کہ اس نے تمہیں توبہ کی توفیق بخشی۔ اگر تم پر اللہ کی مہربانی نہ ہوتی تو تم تباہ ہوگئے ہوتے۔ عظمتِ رسالت، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی آبرو کے بارے دل میں ذرا سا وہم بھی لانا دنیا وآخرت دونوں جہانوں کی تباہی کا سبب ہے۔ یہ تو اللہ کا کرم ہے کہ تمہیں معاف کردیا اس لیے کہ اللہ بہت مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ یہ بھی اس کی توفیق ہے کہ تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہوگیا اور تم نے توبہ کرلی۔ اللہ توبہ کرنے والوں پر بہت شفیق اور مہربان ہے۔ اگر اللہ کا تم پر احسان اور کرم نہ ہوتا تو یہ بہتان اتنا بڑا جرم تھا کہ بہت بڑی تباہی آتی۔ اللہ نے ان پر بھی گرفت کی جو سن کر خاموش ہوگئے تھے۔ اپنی رحمت سے انہیں موقع دیا کہ وہ توبہ کرلیں اور ان کی توبہ قبول فرمالی۔ بے شک اللہ بہت مہربان ہیں۔

# سورۃ النور رکوع 3 آیات 21 تا 26

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْۤا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۪ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ ۙ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾

اے ایمان والو! شیطان کے قدموں پہ نہ چلو اور جو شیطان کے نقشِ قدم پر چلے گا تو وہ (ہمیشہ ہر شخص کو) بے حیائی اور برے کام ہی کرنے کو کہے گا۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی، کبھی بھی (توبہ کر کے) پاک نہ ہوسکتا۔ ولیکن اللہ جسے چاہتے ہیں پاک کر دیتے ہیں۔ اور اللہ سننے والے، جاننے

والے ہیں ﴿۲۱﴾ اور جو لوگ تم میں بزرگی اور (دنیا کی) کشادگی والے ہیں وہ اہلِ قرابت اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں اور چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف فرما دیں اور اللہ بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں ﴿۲۲﴾ بے شک جو لوگ ایسی خواتین پہ تہمت لگاتے ہیں جو پاک دامن اور (ایسی باتوں کے کرنے سے بالکل) بے خبر ہیں اور (حقیقی) ایمان والیاں ہیں اُن (لوگوں) پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی جاتی ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے ﴿۲۳﴾ جس دن (قیامت کے دن) ان کے خلاف اُن کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں، ان کرتوتوں کی جو یہ کرتے تھے، گواہی دیں گے ﴿۲۴﴾ اُس دن اللہ ان کو پورا پورا (اور) ٹھیک بدلہ دیں گے اور یہ جان لیں گے کہ اللہ ہی حق ہیں (اور حق کو) ظاہر کرنے والے ہیں ﴿۲۵﴾ گندی عورتیں (ہمیشہ) گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہوتے ہیں اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لائق اور پاک مرد پاک عورتوں کے لائق ہوتے ہیں یہ اس بات سے پاک ہیں جو یہ (مذاق) کہتے پھرتے ہیں ان کے لیے (آخرت میں) بخشش اور (بہترین) عزت کی روزی ہے ﴿۲۶﴾

# تفسیر و معارف

## دل ایک آلہ:

ہر انسان کے سینے میں ایک ایسا آلہ نصب ہے جو فضا میں گردش کرنے والی باتوں کو وصول کر سکتا ہے۔ فضا میں اچھی باتیں بھی گردش کرتی ہیں جیسا کہ اللہ کے انبیاءؑ و رسلؑ نے جو کچھ فرمایا اسے بھی قیامت تک فضا سے مٹایا نہیں جا سکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کردہ نورانی الفاظ بھی اس فضا میں موجود ہیں۔ خلفائے راشدین، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور علمائے حقؒ جو کچھ فرماتے رہے وہ بھی سارا اس فضا میں موجود ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ انسانوں میں سے جو ابلیس کے پیروکار بن جاتے ہیں اور وہ جو بے حیائی نشر کرتے ہیں وہ بھی اس فضا میں موجود ہے۔ انسان کے اپنے سینے میں نشریات وصول کرنے کا آلہ بھی موجود ہے اور دونوں طرح کی دعوت بھی فضا میں موجود ہے۔ اللہ کا قرآن ہر گھر میں موجود ہے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاداتِ عالی دہرانے والے اللہ کے بندے ہر لمحہ یہ کام کر رہے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جن کو اللہ کریم نے ارشاداتِ نبوت اور تفسیر قرآن بیان کرنے پر مامور کر رکھا ہے لیکن فضا شیاطین اور ان کے پروپیگنڈہ سے بھی بھری پڑی ہے۔ انسان کے سینے میں رکھا RECIEVING SET اس کا دل جو وصول کرے گا ادھر ہی اس کی زندگی کا رخ ہو جائے گا۔ اگر کوئی ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم، کلامِ باری، اہل حق کا کلام وصول کر رہا ہوگا تو اس کے قدم بھی عملی زندگی میں حق اور اتباعِ حق کی طرف اٹھیں گے لیکن اگر یہ آلہ خراب ہو گیا تو یہ غلط نشریات وصول کرنے لگے گا۔ یہ اس لیے ہوگا کہ یہ آلہ زنگ خوردہ ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے، كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (المطففین:14) ان کے دلوں میں زنگ لگ گیا ہے اس لیے حق قبول نہیں کر رہے۔ جب دل زنگ خوردہ ہو جاتا ہے تو خود بخود باطل کی نشریات وصول کرنے لگتا ہے جس کی پہچان یہ ہوگی کہ اچھی باتیں کڑوی لگیں گی اور بری باتیں پسند آئیں گی۔ ہر انسان اپنے آپ کو پرکھ سکتا ہے۔ اگر اسے حق کی بات پسند آتی ہے اور بری بات بری لگتی ہے تو یہ آلہ درست ہے۔

انسان کو چاہیے کہ اپنے دل کی خبر رکھے کہ کہیں یہ زنگ خوردہ تو نہیں ہو گیا؟ اس کے لیے یہ دیکھے کہ اگر فحش کلامی ہو رہی ہے، برائی بے حیائی دکھائی جا رہی ہے تو کیا اس سے مجھے خوشی ہوتی ہے؟ حق اور سچائی کی بات ہو تو کیا اس سے بے زاری ہوتی ہے؟ اگر ایسا ہوتا ہے تو سمجھ لو کہ دل زنگ خوردہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس زنگ کا علاج ارشاد فرمایا ہے: لِكُلِّ شيءٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ الْقُلُوبِ ذِكْرُ اللهِ (بیہقی)

فرمایا، ہر چیز کی پالش ہوتی ہے اور دلوں کی پالش اللہ کا ذکر ہے۔ کسی چیز کو بھی زنگ لگ جائے تو اُس کو پالش کرنے سے زنگ بھی اتر جاتا ہے اور وہ چمک بھی اٹھتی ہے۔ اگر دل کو زنگ لگ گیا ہے تو ذکر کرو زنگ صاف ہو جائے گا۔ اگر زنگ نہیں بھی لگا تو بھی ذکر کرو کہ وہ صاف رہے اور اُسے زنگ لگے ہی نہیں۔ یہ ضروری تو نہیں ہے کہ ایک چیز کو صرف تب ہی صاف کیا جائے جب وہ زنگ خوردہ ہو جائے۔

اللہ کا ذکر، اللہ کی یاد دلوں کی پالش ہے یہ دل کو صاف کر دیتی ہے اور قرآن نے بھی اس کا علاج کثرت ذکر ہی بتایا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں شیطان کی باتیں اپنے سینوں میں مت اتارو کہ جو اس کی باتیں سنے گا وہ اس کے

پیچھے چلنے لگ جائے گا۔

فرمایا: يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ۔۔۔اے ایمان والو! شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔

اے ایمان والو! ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ تم شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، اس کی بات نہ مانو، اس کی بات سنو ہی نہیں، ردّ کردو کہ جو شیطان کی باتیں سننا شروع کردے گا وہ اس کے پیچھے چلے گا۔ اب جو پیچھے چلے گا تو وہ کیسے سمجھ سکے گا کہ میں اس کے پیچھے چل رہا ہوں تو فرمایا: وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ۔۔۔اور جو شیطان کے نقشِ قدم پر چلے گا تو وہ (ہمیشہ ہر شخص کو) بے حیائی اور برے کام ہی کرنے کو کہے گا۔

جب انسان کا مزاج برائی کی طرف جانے لگےاور گناہ کی طرف رغبت ہوجائے تو سمجھ لے کہ وہ شیطان کے پیچھے جارہا ہے۔ انسانی مزاج بگڑتا ہی جائے تو پھر لوگ برائی پر فخر کرنے لگتے ہیں اور یہ بگاڑ کی انتہائی صورت ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر گناہ مرغوب ہونا شروع ہوجائیں تو چاہیے کہ فوراً توبہ کرے اس راستے پر چلنے سے رک جائے، اللہ کو یاد کرے، اللہ سے مدد چاہے اور واپس آجائے۔

## اللہ کی رحمت سے ہی تزکیہ نصیب ہوتا ہے:

جو لوگ نیکی کرتے ہیں انہیں بھی اپنی پارسائی کے زعم میں ہرگز مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ، وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا۔۔۔اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی، کبھی بھی (توبہ کرکے) پاک نہ ہوسکتا۔

انسان اگر نیکی کرتا ہے تو اس میں اس کا کوئی کمال نہیں ہے کہ اگر اللہ کی رحمت اُس کی طرف متوجہ نہ ہوتی تو وہ پاکدامن نہیں ہوسکتا تھا نہ ہی خود کو بچا سکتا تھا۔ جو نیکی کرتا ہے، ذکر اللہ کرتا ہے، عبادت کرتا ہے، حلال رزق کماتا ہے، حلال کھاتا ہے، سچ بولتا ہے تو اُسے اپنی پارسائی پر اکڑنا نہیں چاہیے بلکہ اللہ کا احسان ماننا چاہیے کہ اُسے اللہ نے نیکی کی توفیق دی۔ یادرہے کہ نیکی کرنے کی توفیق من جانب اللہ ملتی ہے اور یہ اللہ کا احسان ہے، کسی کا کمال نہیں ہے۔ یہاں دونوں طرف خطرہ ہے۔ اگر گناہ کی راہ پر چل پڑے تو گویا شیطان کے پیچھے جارہا ہے تو یہ بہت خطرناک ہے۔ اگر گناہ سے بچ گئے لیکن نیکی پر فخر کرنے لگ گئے، خود کو پارسا اور مقدس سمجھنے لگ گئے تو یہ بھی خطرناک ہے۔

سو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے جس نے عبادت کی توفیق دی، نیک بننے کی توفیق دی، نماز، روزہ، تلاوت اور ذکر کی توفیق دی کہ کوئی انسان بھی اپنے نفس کو پاک نہیں کرسکتا جب تک اللہ کریم اُسے پاکیزگی عطا نہ کریں۔

فرمایا: وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ ولیکن اللہ جسے چاہتے ہیں پاک کر دیتے ہیں اور اللہ سننے والے، جاننے والے ہیں اللہ جسے چاہتے ہیں اسے پاک دامن عطا کر دیتے ہیں، اس کا عقیدہ، اس کا کردار درست کر دیتے ہیں۔ اس کے اعمال اور افکار درست کر دیتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ کریم ہر بات کو سنتے ہیں اور جانتے بھی ہیں تو جب کسی دل میں یہ حسرت آئے کہ اے اللہ! میں شیطان کے نقش قدم پر چلنے سے بچ جاؤں اور تیری اطاعت کروں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کروں۔ جب بھی وہ صدقِ دل سے ایسا چاہے گا تو اللہ سننے اور جاننے والے ہیں اس کے لیے ہدایت کے راستے کھول دیتے ہیں اور اُسے نیکی کی طرف لے جاتے ہیں، پاکباز بنا دیتے ہیں۔ انسان کو کبھی اپنی پاکبازی پر فخر نہیں کرنا چاہیے بلکہ اللہ کریم ہی کا احسان ماننا چاہیے۔

## عفوودرگزر کی اہمیت:

اسلام نے معاشرے کی پاکیزگی اور ایک توازن رکھنے کا بہت اہتمام کیا ہے۔ اس لیے کہ جس طرح کا معاشرہ ہوتا ہے انسان اس سانچے میں ڈھلتا چلا جاتا ہے اور انسان نیکی پر کتنا عمل کرتا ہے، اس میں معاشرے کا بہت دخل ہوتا ہے۔ اگر معاشرہ ہی بُرا ہو تو بہت کم اللہ کے بندے ہوں گے جو اس کے مخالف زندگی گزارنے کی جرأت کریں گے اکثریت معاشرے کی روش اپنا لیتی ہے۔

اسلام معاشرے کے تقدس کو بہت اہمیت دیتا ہے اور معاشرے میں معیشت کو بنیاد قرار دیتا ہے۔ ہر ایک کے لیے روزگار کے وسائل مہیا کرنے پر زور دیتا ہے اور معاشرے کے اُن افراد کی مدد کرنے کا حکم دیتا ہے جو روزگار کے مواقع ہونے کے باوجود روزی حاصل نہیں کر پاتے۔ ایسے لوگ ذہنی طور پر یا جسمانی طور پر کمزور ہوتے ہیں یا ان میں علم کی کمی ہوتی ہے پڑھے لکھے نہیں ہوتے تو ان کی مدد کرنے کا حکم ہے اور یہ مدد اللہ کے لیے کی جائے، احسان سمجھ کر نہ کی جائے۔

فرمایا: وَلَا يَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾ اور جو لوگ تم میں بزرگی اور (دنیا کی) کشادگی والے ہیں وہ اہلِ قرابت اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں اور چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف فرما دیں اور اللہ بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں۔

واقعہ افک میں جن صحابہؓ پر حد جاری ہوئی اور انہوں نے توبہ کی اُن میں سے ایک صحابیؓ حضرت مسطحؓ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور کے رشتہ دار تھے۔ وہ بہت غریب تھے اور مہاجر بھی تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انہیں گزر بسر کے لیے رقم دیا کرتے تھے جس پر حضرت مسطحؓ کا گذارا ہوتا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اُن کی الزام تراشی پر بہت دکھ ہوا اور جب اللہ کریم نے بھی اس پر اتنا ناراضگی کا اظہار کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھالی کہ آئندہ اُن کی مدد نہیں کریں گے۔ اس پر اللہ کریم نے فرمایا کہ تم میں جن لوگوں کو اللہ نے فراخی دی ہے، معاشرے میں عزت اور تقدس دیا ہے وہ غریبوں کو صدقات دینے سے ہاتھ نہ روک لیں اور جو نہ دینے کی قسم اٹھالی ہے تو ایسا نہ کریں۔ یہ درست نہیں ہے۔ انہوں نے جرم کیا، اللہ سے توبہ کی اور اللہ نے انہیں معاف کر دیا۔ آپ بھی معاف کر دیں، درگزر سے کام لیں اور جس طرح ان کی مدد کرتے تھے ویسے ہی کرتے رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ محتاجی اُسے برائی کی طرف لے جائے کسی سے جھوٹ بولے کسی سے قرض لے کر کھا جائے یا چوری پر مجبور ہو جائے یا تکلیف سے تڑپ کر مر جائے تو معاشرے کا ایک عضو متاثر ہوگا۔ فرمایا، یہ درست نہیں ہے چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم توڑ دی اور اس کا کفارہ ادا کیا اور حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کی مدد بحال رکھی۔ اللہ کریم فرماتے ہیں ان لوگوں کو معاف کر دو اور اُن سے درگزر کا سلوک کرو کہ جب انسان کو غلطی کا احساس ہو جائے اور وہ توبہ کرلے تو اللہ کریم معاف فرما دیتے ہیں تو پھر آپ اس پر فردِ جرم نہ لگائیں آپ بھی معاف کر دیں۔ یہ اللہ کا احسان ہے کہ آپ کو اس نے دینے والا بنایا ہے اور اُس کو آپ کا محتاج کر دیا ہے تو آپ درگزر سے کام لیں۔

فرمایا: اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۔۔۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف فرما دیں۔

اللہ کا حساب بھی بڑا باریک ہے۔ اگر تم معاشرے میں لوگوں کو معاف کرو گے تو اللہ تمہاری خطائیں بھی معاف فرمائے گا اور تم اپنے حساب میں اتنے سخت گیر ہو گے تو شاید اللہ اس سے زیادہ سختی کرے۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۲﴾ اور اللہ بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں۔ بحیثیتِ انسان، بتقضائے بشریت تم سے بھی بہت سی خطائیں ہوتی ہیں اور تم چاہتے ہو کہ اللہ کریم تمہیں معاف کر دیں تو تم بھی لوگوں کو معاف کر دو۔ اللہ کریم تو بخشنے والے ہیں نہایت رحم والے ہیں۔ معاشرے میں ایک توازن ہونا چاہیے کہ اگر کسی سے غلطی ہوگئی ہو اور وہ توبہ کرلے تو اُسے معاف کیا جانا چاہیے۔ کچھ غلطیاں ایسی ہوتی ہیں جن پر سزا لازم ہے اور اللہ نے خود مقرر کی ہے۔ ان سزاؤں کو حدود کہا جاتا ہے اور یہ چار امور میں نافذ کی جاتی ہیں۔ اسی طرح قتل کا بدلہ قتل ہے قصاص لیا جائے گا۔ اس میں بھی اللہ کریم نے ایک رعایت دے دی ہے کہ اگر مقتول کے ورثاء معاوضہ لے کر معاف کرنا چاہیں تو ایسا کر سکتے ہیں کہ اس سے مقتول کے ورثاء کی کفالت کا اہتمام کیا جا سکتا ہے۔ باقی جرائم میں تعزیرات نافذ ہوتی ہیں جو جج یا قاضی کی صوابدید پر ہوتی ہیں تو چھ امور تو ایسے ہیں جن میں سزاؤں کا اجرا لازمی ہے لیکن روزمرہ کے معاملات میں درگزر سے کام لینا چاہیے اور خطائیں معاف کر دینی چاہیے۔

## پاکباز مومن عورتوں پر تہمت لگانے کا وبال:

فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٣﴾ بے شک جو لوگ ایسی خواتین پر تہمت لگاتے ہیں جو پاکدامن اور (ایسی باتوں کے کرنے سے) بے خبر ہیں اور (حقیقی) ایمان والیاں ہیں اُن (لوگوں) پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی عظمت اور تقدس تو ہماری سوچ سے بھی بالاتر ہے۔ ازواجِ مطہرات کی پاکیزگی اور تقدس مثالی ہے۔ اللہ کریم نے تو یہاں عام مومن عورت کے لیے یہ قانون ارشاد فرما دیا کہ جو کسی پاکدامن مومن عورت کو، جو بے حیائی کے کاموں سے بے خبر ہے، پریشان کرنے کے لیے اس پر تہمت لگائے گا، اُسے رسوا کرنے کی کوشش کرے گا تو اس پر دنیا میں بھی لعنت ہوگی اور آخرت میں بھی لعنت ہوگی۔ کسی مومن عورت پر الزام لگانے کا یہ وبال ہے چہ جائیکہ کوئی کسی بزرگ یا اعلیٰ خانوادے پر تہمت لگائے۔

لعنت سے مراد ہے رحمتِ الٰہی سے محرومی اور دوری سو فرمایا ان کی سزا صرف لعنت نہیں ہے بلکہ ان کے لیے بہت بڑا عذاب بھی ہوگا۔ دنیا میں تو انسان جھوٹ بول کر اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کر لیتا ہے لیکن ایک دن آ رہا ہے فرمایا: يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٤﴾ جس دن (قیامت کے دن) اُن کے خلاف اُن کی زبانیں اور اُن کے ہاتھ اور اُن کے پاؤں ان کرتوتوں کی جو یہ کرتے تھے، گواہی دیں گے۔

دنیا میں تو الزام لگانے والے یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ باتیں گھڑ کر الزام لگا کر کہہ دیں گے کہ یہ بات تو کسی سے سنی تھی یا کسی نے دیکھ کر بتائی ہے تو کسی کو کیا پتا چلے گا۔ ایک دن آ رہا ہے جب بندے کی زبان، اُس کے ہاتھ اور پاؤں اس کے خلاف گواہی دیں گے کہ یا اللہ اس نے ہم پر جھوٹ بولا تھا۔ قرآن کریم میں ایک اور مقام پر آتا ہے کہ اس کی کھال گواہی دے گی کہ یا اللہ اس نے یہ جرم بھی کیا، یہ ظلم بھی کیا تو بندہ اپنے اعضاء و جوارح سے کہے گا کہ تم کیوں میرے خلاف گواہی دے رہے ہو اگر میں دوزخ میں جاؤں گا تو تمہیں بھی تو جانا پڑے گا۔ وہ کہیں گے قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۔۔۔ (حٰم السجدہ: 31) کہ ہم کو اس اللہ نے بولنے کی طاقت دی جس نے ہر چیز کو بولنے کی طاقت بخشی۔

دنیا میں تو ایسے لوگ چھپ سکتے ہیں۔ نیک مومن عورتوں پر تہمت لگا کر جھوٹ بول کر اپنا گناہ چھپا سکتے ہیں لیکن روزِ محشر کہاں چھپیں گے ان کے گھر سے گواہ نکل آئیں گے۔ ان کی زبان اور ان کے ہاتھ اور پاؤں ان کے گناہ کی گواہی دیں گے اور ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہوگی۔

## انصاف کا دن:

فرمایا: يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾ اُس دن اللہ اُن کو پورا پورا (اور) ٹھیک بدلہ دیں گے اور یہ جان لیں گے کہ اللہ ہی حق ہیں (اور حق کو) ظاہر کرنے والے ہیں۔

وہ دن ایسا ہوگا کہ نہایت انصاف کے ساتھ ہر ایک کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ لوگوں کو یہ دیکھ لینا چاہیے کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ اگر بھلائی چاہتے ہیں تو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت اختیار کریں۔ اگر دوسرا راستہ اختیار کریں گے یعنی شیطان کی پیروی کا راستہ تو پھر اس کا انجام سزائیں ہوں گی۔ اس دن ہر ایک کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور اُن کو سمجھ آجائے گی کہ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾ اللہ ہی حق ہیں اور حق کو ظاہر کرنے والے ہیں۔

اللہ نے کسی پر ناجائز بوجھ نہیں ڈالا اور کھرا کھرا انصاف کر دیا، کسی کو ناجائز رعایت بھی نہیں دی بلکہ حق اور انصاف کے ساتھ سب کا فیصلہ فرمایا۔

## انسانی مزاج:

انسانی مزاج ہی کچھ ایسے ہوجاتے ہیں کہ فرمایا: اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۔۔۔ گندی عورتیں (ہمیشہ) گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہوتے ہیں اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لائق اور پاک مرد پاک عورتوں کے لائق ہوتے ہیں۔

اگر انسان کے اندر برائی ہو تو وہ بُروں کے ساتھ رہنا پسند کرتا ہے اور جس کے اندر نیکی اور بھلائی ہو تو وہ بروں سے اجتناب کرتا ہے اور نیک لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا پسند کرتا ہے۔

خبیث اور بدکار عورتیں زندگی گزارنے کے لیے بدکار ساتھی تلاش کرتی ہیں اور بدکار مرد بھی بدکار عورتوں کے ہی عشق میں مبتلا ہوتے ہیں، اپنے لیے بدکار عورتیں ہی پسند کرتے ہیں۔ یہ عمومی انسانی مزاج کی بات ہو رہی ہے۔

پارسا، پاکدامن عورتیں پاک اور پارسا مردوں کو پسند کرتی ہیں۔ باحیا عورت یہ نہیں چاہتی کہ اس کی شادی کسی بے حیا مرد سے ہوجائے اس لیے کہ وہ بے حیا مرد کو پسند ہی نہیں کرتی۔ جو خود شریف ہوتی ہے وہ اپنے لیے شریف رفیقِ حیات چاہتی ہے۔ ایسے ہی شریف مرد کو بھی شریف عورت ہی بطور بیوی پسند آتی ہے۔

علمائے کرام نے آیت پر بحث فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ پاکدامنی اور پاکیزگی کی انتہا نبوت ہے اسی لیے کسی نبیؑ کی بیوی اخلاقی جرائم میں کبھی ملوث نہیں ہوئی۔ نبیؑ کی بیوی کافر ہوسکتی ہے لیکن بدکار نہیں ہوسکتی۔

گناہ دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک جو طاری ہوتا ہے اور دوسرا وہ جو ساری ہوتا ہے۔ جیسے کفر ایک ایسا گناہ ہے جو طاری ہوتا ہے وجود پر چھا جاتا ہے لیکن جیسے ہی توبہ کی تو فوراً چھٹ گیا۔

جو گناہ جسم میں سرایت کر جائے اُسے ساری کہتے ہیں مثلاً کسی نے حرام کھالیا تو وہ جسم کا حصہ بن گیا، خون میں شامل ہو گیا جسم میں ساری ہو گیا۔ حرام کھانے سے توبہ کر لی تو بھی توبہ کرنے سے وہ گوشت اور خون جو اس حرام سے بنا ہے وہ تو زائل نہیں ہوگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ اگر کسی نے زندگی میں حرام کھایا اور مرنے کے بعد اس کی نجات ہو بھی گئی تو اُسے دوزخ میں اتنی دیر کے لیے بھیجا جائے گا تا کہ اس کا گوشت جو حرام سے بنا تھا وہ جل جائے۔ جو خون حرام سے بنا وہ بھی خاکستر ہو جائے۔ پھر اللہ کریم اُسے نیا خون اور گوشت عطا کر کے جنت میں بھیجیں گے کہ جنت میں حرام خون اور گوشت نہیں داخل ہو سکتا۔

انبیاؑ کی بیویاں غیر مسلم تو ہوئی ہیں کہ یہ عقیدے کا گناہ تھا جو طاری ہو جاتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیویوں کا ذکر قرآن میں ملتا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں لیکن کسی نبیؑ کی بیوی اخلاقی جرم میں کبھی ملوث نہیں ہوئی۔

## پاکدامن مردوں اور عورتوں سے اللہ کریم کا وعدہ:

فرمایا: اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۲۶ یہ اس بات سے پاک ہوتے ہیں جو یہ (مذاق) کہتے پھرتے ہیں ان کے لیے (آخرت میں) بخشش اور (بہترین) عزت کی روزی ہے۔

پاکیزہ مرد اور عورتیں لوگوں کے لگائے ہوئے الزامات سے مُبَرّہ ہوتے ہیں اُن کا ان الزامات سے کچھ نہیں بگڑتا۔ ایسے ہی نیک اور شریف مردوں اور خواتین کے لیے اللہ کی بخشش ہے اور بہت خوبصورت رزق ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ کے ہاں بہترین رزق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ رزق ہمیں ہر لمحہ چاہیے، زندگی اس کا رزق ہے۔ بینائی، توانائی، علم، غذا، ساری نعمتیں اس کا رزق ہیں۔ موت بھی اگر حق پر آئے تو بہترین رزق ہے۔ موت کے بعد زندگی بھی اللہ کا رزق ہے اور آخرت کی نعمتیں بھی اس کا رزق ہیں۔ فرمایا ایسے لوگوں کے لیے اللہ کریم کے پاس نہایت خوبصورت اور اعلیٰ رزق ہے کہ دنیا میں بھی انہیں سکون عطا فرماتا ہے، اُن کی موت بھی پرسکون ہوتی ہے اور آخرت بھی پرسکون اور پرلطف ہوتی ہے۔

# سورۃ النور رکوع 4 آیات 27 تا 34

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى یُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَ اِنْ قِیْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ﴿۲۸﴾ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِیْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ لْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُیُوْبِهِنَّ ۪ وَ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَ لَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ ؕ وَ تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَ اَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ یَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ

يُغۡنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ۝۳۲ وَلۡيَسۡتَعۡفِفِ الَّذِيۡنَ لَا يَجِدُوۡنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغۡنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ؕ وَالَّذِيۡنَ يَبۡتَغُوۡنَ الۡكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ فَكَاتِبُوۡهُمۡ اِنۡ عَلِمۡتُمۡ فِيۡهِمۡ خَيۡرًا ۖ وَّاٰتُوۡهُمۡ مِّنۡ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِىۡۤ اٰتٰٮكُمۡ ؕ وَلَا تُكۡرِهُوۡا فَتَيٰتِكُمۡ عَلَى الۡبِغَآءِ اِنۡ اَرَدۡنَ تَحَصُّنًا لِّتَبۡتَغُوۡا عَرَضَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ وَمَنۡ يُّكۡرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنۡۢ بَعۡدِ اِكۡرَاهِهِنَّ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝۳۳ وَلَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكُمۡ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَمَوۡعِظَةً لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ۝۳۴

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں (گھر والوں سے) اجازت لیے بغیر نہ داخل ہوا کرو۔ اور اُن گھر والوں کو سلام (السلام علیکم) کیا کرو یہی (بات) تمہارے لیے بہتر ہے تا کہ تم خیال رکھو ﴿۲۷﴾ پھر اگر اُن (گھروں) میں کسی کو نہ پاؤ تو (بھی) ان میں مت جاؤ جب تک کہ تمہیں اجازت نہ دی جائے (کسی صاحبِ اختیار کی طرف سے) اور اگر تم سے کہہ دیا جائے کہ تم لوٹ جاؤ تو لوٹ جایا کرو یہ تمہارے لیے خوب پاکیزگی کی بات ہے اور جو کام تم کرتے ہو اللہ سب جانتے ہیں ﴿۲۸﴾ اگر تم کسی ایسے گھر میں جاؤ جس میں کوئی نہ بستا ہو (اور) اس میں تمہارا کچھ سامان رکھا ہو تو تم پر کچھ گناہ نہ ہوگا اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپا کر کرتے ہو اللہ سب جانتے ہیں ﴿۲۹﴾ ایمان والے مردوں سے فرما دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ اُن کے لیے زیادہ پاکیزگی کی بات ہے۔ بے شک اللہ سب جانتے ہیں جو یہ لوگ کیا کرتے ہیں ﴿۳۰﴾ اور مومن خواتین سے بھی فرما دیجیے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو (حصہ) اس میں سے (عموماً) کھلا رہتا ہو اور اپنے سینوں پر اپنی

اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں اور اپنی زینت کو (کسی پر) ظاہر نہ ہونے دیں سوائے اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھتیجوں یا اپنے بھانجوں پر اور اپنی (ہی قسم کی) عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر اُن خدام پر جو (خواہ) مردوں میں سے ہوں (اور) عورتوں کی خواہش نہ رکھتے ہو یا ایسے بچوں پر جو عورتوں کی پردے کی چیز سے واقف نہ ہوں اور اپنے پاؤں زمین پر (ایسے) نہ ماریں کہ (جھنکار آئے) ان کا پوشیدہ زیور ظاہر ہو جائے۔ اور اے ایمان والو! سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تا کہ تم کامیابی حاصل کر سکو ﴿۳۱﴾ اور تم میں جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو اور (اسی طرح) تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں بھی جو نیک ہوں (ان کا نکاح کر دیا کرو) اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ ان کو اپنے فضل سے خوشحال کر دیں گے اور اللہ وسعت والے سب کچھ جاننے والے ہیں ﴿۳۲﴾ اور جن کو نکاح کا مقدور نہ ہو ان کو چاہیے کہ (اپنے نفس کو) ضبط کریں یہاں تک کہ اللہ (اگر چاہے تو) اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے۔ اور تمہارے غلاموں میں سے جو مکاتبت چاہتے ہوں (ایک معاہدہ کہ اتنی رقم کما کر دو تو آزاد ہو) تو (بہتر ہے) ان سے مکاتبت کر لو اگر تمہیں ان میں بہتری کے آثار ملیں تو۔ اور اللہ کے (دیے ہوئے) مال سے اُن کو بھی دو جو اُس نے تمہیں دے رکھا ہے (تا کہ جلدی آزاد ہو سکیں) اور اپنی لونڈیوں کو اگر وہ پاک دامن رہنا چاہیں تو بے شرمی کی زندگی پر مجبور مت کرو صرف دنیا کی زندگی کے فوائد حاصل کرنے کے لیے اور جو ان کو مجبور کرے گا تو اللہ ان کے مجبور کیے جانے کے بعد (ان کو) بخشنے والے مہربان ہیں ﴿۳۳﴾ اور یقیناً ہم نے تمہارے پاس کھلے کھلے احکام بھیجے ہیں اور جو لوگ تم سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کے بعض واقعات بھی اور (اللہ سے) ڈرنے والوں کے لیے نصیحت کی باتیں (بھیجی ہیں) ﴿۳۴﴾

# تفسیر و معارف

## اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات:

دینِ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور زندگی کے ہر شعبے کے لیے اس میں تمام احکام، اوامر و نواہی موجود ہیں۔ ہمارے ہاں عہدِ حاضر میں ایک بنیادی غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ نماز، روزہ، زکوۃ اور حج ادا کر لیا جائے تو دینی فرائض مکمل ہو گئے اس کے بعد جو مرضی کرتے رہیں۔ ایسا نہیں ہے بلکہ ہر چیز آپس میں منسلک ہے۔ صرف عبادات پورا دین نہیں ہے۔ دین زندگی کی تمام مصروفیات کا نام ہے۔ اس کا ایک حصہ عبادات ہیں تو دوسرا حصہ معاملات ہیں۔ معاملات میں زندگی کی مصروفیات شامل ہیں کہ معاشرے میں ہمارا کردار کیا ہے، ہماری تہذیب اور اخلاقیات کیا ہیں، ہمارا کمانا اور خرچ کرنا کیسا ہے، ہم دوسروں کے لیے کس حد تک مفید ہیں یا کتنے نقصان دہ ہیں؟ اس سارے ضابطے کا نام دین ہے۔

## حُسنِ معاشرت:

دین چونکہ پورے ضابطہ حیات کا نام ہے اس لیے یہاں ملاقات کے بھی آداب ارشاد ہوئے ہیں۔

فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا۔۔۔ اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں (گھر والوں سے) اجازت لیے بغیر نہ داخل ہوا کرو۔ جس طرح بے تکلف اپنے گھر میں چلے جاتے ہو اسی طرح ہر گھر میں بے تکلف مت جاؤ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے تو مومنین کو اُن کے اپنے گھروں میں داخل ہونے کے آداب بھی ارشاد فرمائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ عالی ہے کہ اپنے گھر بھی جاؤ تو کسی طرح اندر اطلاع دے دو، دروازے پر کھانس کر یا کسی طرح اشارہ کر کے تا کہ اہلِ خانہ کو آمد کا پتا چل جائے۔ کسی دوسرے کے گھر، جب تک گھر والے اجازت نہ دیں، اچانک مت جاؤ۔ اگر کسی کے گھر جاتے ہو تو گھر والوں کو سلام کرو انہیں سلامتی کا پیغام دو لیکن عموماً یہی ہوتا ہے کہ گھر والے آنے والے مہمان کا استقبال کرتے ہیں یا اُسے سلام کرتے ہیں تو فرمایا جو کسی کے گھر میں داخل ہوتا ہے وہ پہلے انہیں السلام علیکم کہے سلامتی کا پیغام اور دعا دے۔ پہلی بات تو یہ ارشاد ہوئی کہ بغیر اجازت کسی کے گھر میں داخل نہ ہو لیکن ہوتا یہ ہے کہ وقت بے وقت لوگ آ دھمکتے ہیں۔ عہدِ حاضر میں فون کرنے کا جو رواج ہے اس میں ایک بڑی بدتہذیبی یہ ہے کہ لوگ جب خود فارغ ہوتے ہیں تو دوسروں کو فون کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس بات کی پروانہیں کرتے کہ ہوسکتا ہے دوسرا شخص کام

میں مصروف ہو یا نماز پڑھ رہا ہو یا سو رہا ہو بس خود فارغ ہوتے ہی فون کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اگر دو تین گھنٹیوں پر دوسرا شخص فون نہیں اٹھاتا تو فون بند نہیں کرتے بلکہ بجاتے رہتے ہیں اور یہ بات خلافِ تہذیب ہے۔ اگر دوسرا شخص فون نہیں اٹھا رہا تو دو چار گھنٹی دینے کے بعد بند کر دینا چاہیے جب وہ فارغ ہوگا خود فون کر لے گا۔ وقت بے وقت لوگوں کو پریشان نہیں کرنا چاہیے۔ گھر میں اجازت کے ساتھ داخل ہو اور سلامتی بھیجو، السلام علیکم کہو۔ ایک عجیب بات یہ بھی ہوتی ہے کہ اپنے کام سے آنے والا بھی مہمانداری کی توقع رکھتا ہے حالانکہ مہمانی کا اصول یہ ہے کہ اگر آپ کسی کو اپنے کام سے بلاتے ہیں تو وہ آپ کا مہمان ہے۔ اگر کوئی اپنے کام سے آتا ہے تو وہ مہمان نہیں ہوتا اور اس کی خدمت گھر والوں کے ذمہ نہیں ہے اور اگر وہ خدمت کرتے ہیں تو یہ اُن کا اخلاق ہے۔ فرمایا: ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴿۲۷﴾ یہی (بات) تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ تم خیال رکھو۔

فرمایا، یہ جو چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں یہ ہی بڑی بھلائی اور نیکی کا سبب بنتی ہیں۔ معاشرے میں باہمی تعلقات کی بنیاد چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہے اور اگر ان میں احتیاط نہ کی جائے تو بڑی باتیں نہیں ہوسکتیں کہ یہ اصلاحِ معاشرہ کی بنیادی باتیں ہیں۔ یہ اس لیے ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو یعنی زندگی گزارنے کے بہترین طریقے حاصل کرو۔

فرمایا: فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۔۔۔ پھر اُن (گھروں) میں کسی کو نہ پاؤ تو (بھی) اُن میں مت جاؤ جب تک کہ تمہیں اجازت نہ دی جائے۔

اگر تم سمجھتے ہو کہ گھر میں کوئی نہیں ہے تو دروازے توڑنے کی ضرورت نہیں ہے کہ بجاتے ہی چلے جاؤ۔ اگر تم نے اجازت مانگی لیکن جواب نہیں ملا تو کوئی بات نہیں۔ ہوسکتا ہے گھر والے موجود ہی نہ ہوں یا مشغول ہوں لہٰذا جب تک گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ ملے تب تک کسی کے گھر میں داخل مت ہو۔ ہمارے ہاں تو عزیز و اقارب بھی آتے ہیں تو سیدھا اندر ہی آدھمکتے ہیں جو ناجائز ہے۔ فرمایا دروازے سے داخلے پر اجازت لو۔ آج کل تو دروازوں پر کال بیل (CALL BELL) لگی ہوتی ہیں تو چاہیے کہ دروازے پر گھنٹی بجا کر انتظار کیا جائے۔ اگر اندر سے جواب آجائے اور اجازت مل جائے تو داخل ہوجائے۔ اگر جواب نہیں آتا تو واپس چلا جائے۔ چونکہ پہلے سے ملاقات کا وقت نہیں لیا ہوتا لہٰذا جواب نہ ملنے پر واپس چلے جانا چاہیے اور بہتر یہ ہے کہ پہلے سے ملاقات کا وقت لے لیا جائے۔ اگر دروازہ کھٹکھٹانے پر یا گھنٹی بجانے پر جواب نہیں ملتا تو واپس چلے جانا چاہیے کہ عین ممکن ہے گھر والے سو رہے ہوں یا مصروف ہوں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے گھر میں کوئی مرد نہ ہو اور بیبیوں کو باہر آنے کی اجازت نہ ہو۔

فرمایا: وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۔۔۔ اور اگر تم سے کہہ دیا جائے کہ تم لوٹ جاؤ تو لوٹ جایا کرو یہ تمہارے لیے خوب پاکیزگی کی بات ہے۔

اگر گھر کے اندر سے کوئی یہ کہہ دیتا ہے کہ اس وقت ہم فارغ نہیں آپ واپس لوٹ جائیں تو برا محسوس نہ کرو اور واپس چلے جاؤ۔ اس سے آگے تفتیش میں مت پڑو نہ ہی ناراضگی کا اظہار کرو۔ عین ممکن ہے صاحب خانہ اپنے کسی کام میں مصروف ہوں، کوئی حساب کتاب کر رہے ہوں اور وہ کہہ دیں کہ آپ پھر کبھی آ جایئے گا تو بغیر ناراضگی کے واپس چلے جاؤ۔ یہ پاکیزہ زندگی کے لیے پاکیزہ اخلاق ہیں اور جب تک ان چھوٹی چھوٹی بنیادی باتوں میں پاکیزگی نہیں آئے گی تو بڑی بڑی باتوں میں کیسے آئے گی۔ اگر کوئی بندہ ایک چھٹانک بوجھ نہیں اٹھا سکتا اور لوگ اس سے یہ توقع رکھیں کہ یہ من اٹھالے گا تو یہ محض خوش فہمی ہے۔ یہ بظاہر چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں لیکن ان سے بندے کی قابلیت کا اور کارکردگی کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ ان بنیادی باتوں میں اصلاح ہو تب جا کر بڑی باتوں کی اصلاح ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر تمہیں واپس جانے کا کہا جائے تو واپس چلے جاؤ کہ یہ تمہاری اخلاقی پاکیزگی کا سبب ہے، دل کی طہارت کا سبب ہے۔ اگر تمہیں یہ احساس ہو کہ تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی تو ایسا نہیں ہے، کوئی زیادتی نہیں ہوئی اس لیے کہ گھر کے مالک کا حق ہے اگر وہ مصروف ہے تو معذرت کر سکتا ہے۔ فرمایا: وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ اور جو کام تم کرتے ہو اللہ سب جانتے ہیں۔

اگر انہوں نے زیادتی کی ہے تو فرمایا اللہ کریم تو جانتے ہیں لیکن تم تو اللہ کے حکم پر عمل کرو اور بغیر ناراضگی کے واپس چلے جاؤ۔ اگر تم زیادتی کرو گے تو تمہیں بھی اللہ جانتے ہیں کہ سب کچھ اللہ کے روبرو ہو رہا ہے۔

## کن گھروں میں بلا اجازت جا سکتے ہیں:

فرمایا: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۔۔۔ اگر تم کسی ایسے گھر میں جاؤ جس میں کوئی نہ بستا ہو (اور) اور اس میں تمہارا کچھ سامان رکھا ہو تو تم پر کچھ گناہ نہ ہوگا۔

ایسے گھر جن میں کسی کی مخصوص رہائش نہیں ہوتی مثلاً ہوٹل یا کارواں سرائے ہوتے ہیں تو اُن میں داخل ہونے کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ کسی کا گھر یا مسکن نہیں ہوتے۔ وہ بنائے ہی اس لیے جاتے ہیں کہ لوگ آتے جاتے رہیں لہٰذا ایسی جگہوں پر یہ قانون لاگو نہیں ہوتا۔

آج کل تو بہت رواج ہے ہوٹل اور ریسٹورنٹ بنانے کا اور لوگ وہاں جانا پسند کرتے ہیں۔ پہلے زمانے میں کارواں سرائے ہوتی تھیں مہمان سرائے ہوتی تھیں۔ ایسی جگہوں میں داخلے کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔

فرمایا: فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۔۔۔ اُن میں تمہارے لیے کچھ فائدہ ہے کہ سفر پر ہو آرام کرنا چاہو تو آرام کر لیتے ہو۔ کسی نے پانی پینا ہو، کھانا کھانا ہو تو مل جاتا ہے چائے چاہیے ہو تو چائے دستیاب ہوتی ہے۔ ایسے مکان جو کسی کی رہائش گاہ نہ ہوں بلکہ ہوں ہی مہمان خانے یا سرائے، ہوٹل وغیرہ تو ان میں داخلے کے لیے

کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔

## حضورِ حق کا شعور، مومن کی ڈھال:

فرمایا: وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾ جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپا کر کرتے ہو اللہ سب جانتے ہیں۔

یاد رہے کہ اللہ کریم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے، وہ سب کچھ دیکھتے ہیں جانتے ہیں۔ اب اگر بندۂ مومن کے دل میں حضورِ حق کا یہ شعور پختہ ہوگا اور اُسے میل جول میں یہ خیال رہے گا کہ اللہ کریم میری بات سن بھی رہے ہیں اور مجھے دیکھ بھی رہے ہیں تو اُمید ہے کہ وہ حدِ ادب کے اندر رہے گا اور بد اخلاقی نہیں کرے گا۔ جب بندوں سے ملتے ہوئے اسے حضورِ حق حاصل ہوگا تو ایسا بندہ جب اللہ کی بارگاہ میں صلوٰۃ ادا کرنے کے لیے کھڑا ہوگا تو کتنا حضورِ حق اسے نصیب ہوگا!

یہ چھوٹی چھوٹی باتیں بنیاد بنتی ہیں بڑے بڑے کاموں کی کہ نماز میں خشوع وخضوع لازم ہے حضورِ حق لازم ہے، اللہ کی طرف دھیان لازم ہے تو فرمایا اسے ان بنیادی باتوں سے شروع کرو۔ کبھی تم ایسی جگہ جاتے ہو، کسی سرائے یا ہوٹل میں تو یہ یاد رکھو کہ اللہ تمہیں دیکھ رہے ہیں، تمہاری آواز سن رہے ہیں اور تم اللہ کریم کے روبرو ہو۔ ایسی جگہوں پر چونکہ عموماً لوگوں کو رجھانے کے لیے ڈھول تماشے یا غیر اخلاقی باتیں ہوتی ہیں، ناچ گانا اور فحاشیات کا اہتمام کیا جاتا ہے سو فرمایا کہ اگر ایسی جگہوں پر جاؤ تو کسی غیر شرعی کام میں مشغول نہ ہو جانا بلکہ یہ خیال رکھنا کہ اللہ کریم تمہارے ظاہر و باطن کو دیکھ رہے ہیں۔

آج کل تو یہ رواج ہی ہو گیا ہے کہ شہروں میں بڑے بڑے ہوٹل ہیں جنہیں آسائشوں کے اعتبار سے تھری سٹار، فائیو سٹار، سیون سٹار، نائن سٹار کہا جاتا ہے۔ ان میں باقاعدہ ایسی جگہ مختص کی جاتی ہے جہاں گانا گانے بجانے والے بیٹھ کر ہر وقت گا بجا رہے ہوتے ہیں۔ اور اسی کام کی اجرت لیتے ہیں۔ ان ہوٹلوں میں لوگوں نے مختلف تقاریب منعقد کر رکھی ہوتی ہیں جن میں بعض اوقات فحش اور غیر شرعی حرکات بھی ہوتی ہیں۔ سو فرمایا کہ سرائے یا ان ہوٹلوں میں جا کر تم اللہ سے روپوش نہیں ہو جاتے، اللہ کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں ہو جاتے بلکہ اللہ کریم دیکھ رہے ہیں لہٰذا اپنی حدود کا ہمیشہ خیال رکھو۔

## بے حیائی سے بچنے کی حفاظتی تدبیر:

فرمایا: قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ

اللهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ۔۔۔ایمان والے مردوں سے فرما دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ اُن کے لیے زیادہ پرہیزگاری کی بات ہے۔ بے شک اللہ سب جانتے ہیں جو یہ لوگ کیا کرتے ہیں۔

معاشرے میں باہمی میل جول اور تعلقات کے حوالے سے ایک بے حد نازک اور بڑی خاص بات ارشاد فرمائی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم تمام مومن مردوں سے فرما دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ اپنی نگاہوں کی حفاظت کریں اور کبھی ناجائز امور کی طرف دیکھیں بھی نہیں، بے حیائی کے پروگرام ہوں یا کوئی ناجائز کام بلکہ پردہ دار خواتین کی تانک جھانک بھی نہ کریں۔ اگر کوئی عورت بغیر پردے کے بھی سامنے آجائے تو اپنی نگاہ بچائیں۔ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، ناروا چیزوں کی طرف دیکھیں نہ غیر عورتوں کی طرف دیکھیں اور اپنی آبرو کی حفاظت کریں۔ ہر فرد کی ذاتی آبرو ہوتی ہے اور یہ آبرو صرف عورتوں کی نہیں ہوتی بلکہ مردوں کی بھی ہوتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں اس کا اطلاق عورتوں پر ہی کیا جاتا ہے کہ فلاں کی آبرو چلی گئی حالانکہ چلی تو مرد کی بھی جاتی ہے۔ جو مرد بدکاری یا گناہ میں ملوث ہوتا ہے تو وہ بھی بے آبرو ہو جاتا ہے۔ فرمایا بندے کی آبرو اس کی جان سے بھی زیادہ قیمتی ہے سو اس کی حفاظت کی جائے اور حفاظت کا بنیادی اصول یہ ہے کہ آپ نگاہوں کی حفاظت کریں۔ نگاہوں کے راستے یہ چور داخل ہوتا ہے تو مومن مردوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔

اللہ کریم خالق ہیں اور اپنی مخلوق کو سب سے بہتر جانتے ہیں، قرآن کریم اللہ کا کلام ہے اور یہ حکم ساڑھے چودہ سو سال پہلے دے رہا ہے کہ مومن مرد اور مومن عورتیں اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ سائنس اتنی صدیوں کے بعد اب یہاں پہنچی ہے۔ آج کا سائنسدان کہتا ہے ہر مرد اور عورت کے دل میں ایک خاص فریکونسی پر شعاعیں رواں رہتی ہیں جو جنسی ملاپ کے لیے ہوتی ہیں۔ یہ شعاعیں دل سے اُٹھ کر آنکھوں کے راستے بکھرتی ہیں۔ یہ جنسِ مخالف سے متاثر ہوتی ہیں اور جنسِ مخالف کو متاثر بھی کرتی ہیں۔ سائنسی تحقیق یہ بتاتی ہے کہ اگر ایک جیسی فریکونسی والے مرد اور عورت کی نگاہیں مل جائیں تو اُن کے دل اتنے متاثر ہوں گے کہ ایک دوسرے کو چھوڑ نہیں سکیں گے اور پھر جو مشہور قصے ہیں عشق کے ویسا معاملہ ہو جائے گا۔

اگر یہ فریکونسی مختلف ہوگی تو جتنی کم یا زیادہ ہوگی اس کے مطابق ایک دوسرے کی طرف کشش محسوس کریں گے۔

اب یہ ایک فطری بات ہے کہ انسان کے دل کے اندر وہ کوئی آئینہ مِن جانب اللہ ہے جو بقائے نسل کے لیے ضروری ہے لہٰذا اللہ کریم نے قرآنِ کریم میں یہ ضابطہ صدیوں پہلے عطا کر دیا کہ مردوں اور عورتوں کو نگاہ ملانے سے ہی روک دیا۔ مومن مردوں کو حکم دے دیا کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں ناجائز اور ناروا کاموں کو نہ دیکھیں

اور اپنی آبرو کی حفاظت کریں۔ یہ وہ بنیادی اقدام ہے اور ان کے لیے بہت پاکیزگی کی اور پاکدامنی کی بات ہے کہ اپنا دامن بچا کر رکھیں۔

فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ۝۳۰ بے شک اللہ سب جانتے ہیں جو یہ لوگ کیا کرتے ہیں۔

فرمایا یہ بات یہاں یاد رکھنا کہ تم لوگ جو بھی کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہیں۔ دیکھا جائے تو بنیادی طور پر بات ایمان باللہ پر آ کر رکتی ہے۔ اگر اللہ پر ایمان نہیں ہے تو پھر انسان کسی ضابطے کا پابند نہیں رہتا پھر ضابطے کتابوں اور باتوں میں رہ جاتے ہیں اور جوں ہی بندہ دوسروں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوتا ہے وہ سارے ناروا کام کرتا رہتا ہے۔ ایسے لوگوں کو برائی سے صرف یہ بات روکتی ہے کہ انہیں کوئی دیکھ رہا ہے، ثبوت پیش ہو جائے گا یا کیمرہ لگا ہے۔ جبکہ مومن کو اللہ کریم کی ذات اور اس کی قدرت پر یقین ہوتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں میرا کریم ربّ سب دیکھ رہا ہے وہ میرے کردار سے واقف ہے سو کوئی اور دیکھے نہ دیکھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔

اسی طرح فرمایا: وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ ۔۔۔اور مومن خواتین سے بھی فرما دیجیے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

مومن خواتین کے لیے بھی حکم ہے کہ اپنی نگاہوں کی حفاظت کریں اور خواہ مخواہ ناروا طور پر کسی مرد کو نہ دیکھیں، ناجائز طور پر مردوں کی طرف نگاہ نہ اٹھائیں۔ یہ جانبین کو حکم ہے۔ ہمارے معاشرے میں عموماً مردوں پر قدغن لگائی جاتی ہے کہ یہ تانک جھانک کرتے ہیں بے حیا ہیں لیکن یہ کوئی نہیں پوچھتا کہ آج ہماری بچیاں کیوں بے پردہ ہو گئیں ہیں؟ یہ کیوں سڑکوں پر عیاں ہو کر گھومتی پھرتی ہیں؟ نوجوان مسلمان بچیاں سیاسی جلسے جلوسوں میں شریک ہو رہی ہیں، کیا یہ مسلمان معاشرہ ہے؟ مسلمان خواتین کو بھی حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی آبرو کی حفاظت ہر قیمت پر کریں۔

## بناؤ سنگھار خواتین کا حق ہے مگر اظہار مشروط ہے:

خواتین کو آبرو کی حفاظت کا حکم دے کر بنیادی بات ارشاد فرمائی: وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ۔۔۔اور اپنی زینت کو (کسی پر) ظاہر نہ ہونے دیں۔ یعنی جو بناؤ سنگھار کرتی ہیں اس کا اظہار سرِعام نہ کرتی پھریں۔ عورتوں کا حق ہے کہ وہ بناؤ سنگھار کریں لیکن بن سنور کر اسے لوگوں کو دکھانے کی اجازت نہیں ہے۔ اس کا بناؤ سنگھار اس کے گھر کے لیے ہے۔ آج معاشرے کا یہ عالم ہے کہ خواتین بناؤ سنگھار کرتی ہی دکھاوے کے لیے ہیں۔

فرمایا: اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ۔۔۔اپنی آبرو کی حفاظت کریں اور اپنی زینت نہ دکھائیں ہاں جو چیز ظاہر ہے

مثلاً چہرے کا پردہ نہیں ہے ہاتھ کا پردہ نہیں ہے کہ یہ چیز ظاہر ہے۔ سورۂ احزاب میں یہ ارشاد ہوا: يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ۔۔۔(الاحزاب: 59) اپنے (مونہوں) پر اپنی تھوڑی سی چادریں لٹکا (کر گھونگھٹ نکال) لیا کریں۔ یعنی اپنی اوڑھنی کو کھینچ کر چہرے پر بھی نقاب کرلیں دکھاتی نہ پھریں۔

فرمایا: وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ۔۔۔اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں۔ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا ۔۔۔اور اپنی زینت کو (کسی پر) ظاہر نہ ہونے دیں سوائے، لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ۔۔۔اپنے شوہروں یا اپنے باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر اور اپنی (ہی قسم کی) عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر اُن خدام پر جو (خواہ) مردوں میں سے ہوں (اور) عورتوں کی خواہش نہ رکھتے ہوں یا ایسے بچوں پر جو عورتوں کی پردے کی چیز سے واقف نہ ہوں۔

عورتوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنی زینت، اپنا بناؤ سنگھار اپنے خاوند کو دکھائیں لوگوں کے لیے اشتہار نہ بنتی پھریں۔ خاتون جو زیب و زینت کرتی ہے اچھا لباس پہنتی ہے، زیور پہنتی ہے یہ اس کا حق ہے لیکن اس کا یہ فرض ہے کہ وہ یہ اپنے شوہر کو دکھائے یا اپنے والدین کے سامنے یا اپنے ساس سسر کے سامنے ایسے رہ سکتی ہے اپنے بھائیوں بھتیجوں اور بھانجوں کے سامنے بھی زینت ظاہر کرسکتی ہے بن سنور کر بیٹھ سکتی ہے لیکن عوام کے سامنے نہیں۔ اُسے ہرگز اجازت نہیں ہے کہ اشتہار بن کر سٹیج پر ناچتی پھرے یا سرعام بناؤ سنگھار کر کے لوگوں کو دکھاتی پھرے۔

عورت کا حق ہے بناؤ سنگھار کرے، بالوں کو رنگے، چہرے کو سجائے، زیورات پہنے لیکن صرف اپنے مندرجہ بالا محارم کے روبرو ظاہر کرے۔ آج کل رواج ہے کہ پیروں اور ہاتھوں کو بھی خوب نکھار کر آراستہ کر کے نمایاں کیا جاتا ہے۔ ہاتھوں پر چمکدار چیزیں لگائی جاتی ہیں اور خوب بناؤ سنگھار کر کے سرعام گھوما جاتا ہے یہ سب حرام ہے اور یہ فحاشی کی راہیں کھولتا ہے۔

عورت صرف محارم کے رشتوں کے سامنے آزادی سے بناؤ سنگھار کا اظہار کرسکتی ہے ورنہ دوپٹہ اوڑھ کر رکھے اور باہر نکلتے ہوئے اسے چہرے پر کھینچ کر لٹکا لے تاکہ عوام نہ دیکھ سکے۔ اُن کنیزوں کے سامنے بھی جو گھر میں کام کرتی ہیں بناؤ سنگھار کر کے آسکتی ہے یا ایسے ضعیف مردوں کے سامنے جو عمر سے گزر چکے ہوں۔ ایسے چھوٹے بچے جو ابھی خواتین کے ان امور سے آگاہ ہی نہیں اُن کے سامنے بھی عورت کو بناؤ سنگھار کر کے آنے کی اجازت ہے۔

فرمایا: وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ۔۔۔اور اپنے پاؤں زمین پر ایسے نہ ماریں کہ (جھنکار آئے) ان کا پوشیدہ زیور ظاہر ہو جائے۔

اگر عورت نے پازیب یا ایسا زیور پہن رکھا ہو جو پاؤں زور سے مارنے پر چھنکتا ہو تو جب باہر نکلے تو پاؤں زور سے نہ مارے تاکہ زیور کی جھنکار بھی غیر مردوں کو سنائی نہ دے یعنی اس حد تک پابندی ہے کہ اگر ایسا کوئی زیور پہن رکھا ہے جو پاؤں کے زمین پر لگنے سے آواز پیدا کرے تو پاؤں زور سے زمین پر نہ مارا جائے تاکہ جو زینت کپڑوں میں چھپی ہوئی ہے اس کا اظہار نہ ہو۔

## مومنین کو ہر حال میں توبہ کرتے رہنا چاہیے:

فرمایا: وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٣١﴾ اور اے ایمان والو! سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تاکہ تم کامیابی حاصل کرو۔

ایمان والے مردوں اور عورتوں کو چاہیے کہ ان تمام احتیاطوں کے باوجود اللہ کے سامنے توبہ کرتے رہیں کہ کہیں نہ کہیں کوئی غلطی ہو جاتی ہے، بھول چوک ہو جاتی ہے، اظہارِ زینت ہو جاتا ہے۔ اس ساری محنت کے بعد بھی رجوع اِلَی اللہ کرتے رہو اور معافی مانگتے رہا کرو کہ کہیں خلوص میں کمی رہ جاتی ہے کہیں عمل کرنے میں کمی رہ جاتی ہے۔ اے ایمان والو! مرد اور عورتو! تم سب نیکی کرنے کے بعد بھی، دین پر عمل کرنے کے بعد بھی اللہ سے توبہ کرتے رہا کرو۔ قرآنِ کریم کے اس انداز کو دیکھا جائے کہ وہ مسلمان معاشرے کی کیسی منظر کشی کر رہا ہے اور مسلمان مرد اور مسلمان خاتون کے طرزِ حیات اور طرزِ عمل کیسا ہوتا ہے اور اس کے مقابلے میں آج اپنے معاشرے کو دیکھیں تو یہی کہہ سکتے ہیں۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجا است تا بہ کجا

معاشرہ افراد سے بنتا ہے لہٰذا ہر بندہ اپنی اپنی اصلاح پر توجہ دے اپنے اہل خانہ کی اصلاح کی فکر کرے تو ان شاءاللہ سارے معاشرے کی اصلاح ہو جائے گی۔ کوئی جوش میں کہے کہ وہ ڈنڈے کے زور پر معاشرہ ٹھیک کر دے گا تو یہ رویہ درست نہیں بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر بندہ جو اللہ پر اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنی اور اپنے اہلِ خانہ کی اپنی ذمہ داری کی حد تک تو اصلاح کرے۔ اس ساری محنت کے بعد بھی جو کمی رہ جاتی ہے تو اس کے لیے ارشاد فرمایا: وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔۔۔ اللہ کریم سے توبہ کرتے رہو کہ اے میرے ربّ کریم تو مجھے معاف کر دے کہ کہیں مجھ سے عمل میں کوتاہی ہوئی کہیں خلوص میں کمی رہ گئی۔

کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اگر وہ عبادت کرتا ہے، تسبیحات پڑھتا ہے تلاوت کرتا ہے تو وہ خود کو مقدس انسان سمجھنا شروع کر دے اور دوسروں سے تعظیم کروائے۔ انسان کی نیکیاں ہیں ہی کیا ذرا اس بارگاہ کا خیال کیا جائے جہاں پیش ہوتی ہیں۔ اللہ کی بارگاہ کتنی عظیم ہے ہم جو نیکیاں بھی کرتے ہیں کیا وہ اس قابل ہیں کہ اس کی بارگاہ میں شرفِ بازیابی پا سکیں؟ ہم اگر اپنے گھر سے تلاش کریں کہ ہمیں کوئی ایسی چیز مل سکے جو ہم ملک کے سربراہ کو پیش کر سکیں جس سے وہ خوش ہو جائے تو شاید ہمیں سارا گھر تلاش کرنے کے بعد بھی کچھ نہ ملے جو اس کے شایانِ شان ہو۔ ہم اللہ کی بارگاہ میں کیا پیش کرتے ہیں؟ فرمایا نیکی پر محنت کرنے کے بعد بھی توبہ کرتے رہا کرو کہ یا اللہ! میری نیکیوں میں وہ کمال نہیں ہے کہ آپ کی بارگاہ میں پیش کی جا سکیں۔ میرے بس میں جو ہے میں کر رہا ہوں آپ میری خطائیں معاف فرما دیں، میری کمیاں دور فرمائیں اور ان عاجزانہ کوششوں کو شرفِ قبولیت بخشیں۔

فرمایا مومن مرد اور مومن عورتیں اللہ سے توبہ کرتے رہیں تا کہ، لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾ تم کامیابی حاصل کر سکو۔

قرآن کریم میں 'فلاح' کا لفظ جب آتا ہے تو ایک وسیع کامیابی مراد ہوتی ہے اور فلاح پانے والے کو یہ خبر دیتا ہے کہ تم دنیا میں بھی کامیاب رہو، موت میں کامیاب، قبر اور برزخ میں کامیاب رہو، میدانِ حشر میں کامیاب رہو اور آخرت کی کامیابی پالو۔ یہ ساری کامیابیاں ایک دوسرے سے وابستہ ہیں اور اسی فلاح میں ہیں۔ اس کا راستہ یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا اتباع کرو، پورے خلوص اور پوری محنت سے کرو اور اس کے ساتھ پھر ہمہ وقت توبہ کرتے رہو اللہ کی رحمت اور بخشش طلب کرتے رہو۔

## نکاح، معاشرے کی پاکیزگی کا ضامن:

فرمایا: وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۔۔۔اور تم میں سے جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو اور (اسی طرح) تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں بھی جو نیک ہوں (ان کا نکاح کر دیا کرو)۔

ہمارے معاشرے میں یہ خرابی ہے کہ بچیوں کو بٹھائے رکھیں گے، بچوں کو بٹھائے رکھیں گے۔ بچیوں کی عمر ڈھل جاتی ہے اور والدین شان و شوکت کے مطابق جہیز تیار ہونے کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ لڑکوں کو بٹھائے رکھتے ہیں حالانکہ یہ خطرہ موجود ہوتا ہے کہ وہ آزاد ماحول یا معاشرے میں جائیں گے تو شاید اپنی عزت ہی نہ بچا سکیں۔ سو فرمایا معاشرے میں جو نکاح کے قابل لوگ ہوں تو ان کے نکاح کر دیا کرو وہ کوئی بھی ہو بھائی، بیٹا ہو یا عام آدمی معاشرے میں بے نکاح لوگوں کا نکاح کر دیا جائے۔

ایک صحابیؓ فرماتے تھے کہ اگر میری بیوی فوت ہوجائے اور میں بسترِ علالت پر پڑا ہوں تو بھی میں کوشش کروں گا کہ میرا کہیں نکاح ہوجائے تو اُن سے پوچھا گیا کہ اگر آپ بسترِ علالت پر ہوں بچنے کی امید بھی نہ ہو تو آپ کو نکاح سے کیا حاصل ہوگا؟ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے جس بندے پر گھر کی ذمہ داریاں بھی ہوں اُس کی عبادت کا بہت بڑا درجہ ہے اور اس سے بہت بہتر ہے جس پر گھر کی ذمہ داری نہ ہو۔

اس بات سے پتا چلتا ہے کہ خانہ داری کی ذمہ داریوں میں معاشرے کی اصلاح کا کتنا بڑا پہلو پنہاں ہے اور امورِ خانہ داری کی بجا آوری بھی شرعی ذمہ داری ہے۔ کتنا اچھا ہو کہ بچیاں ہوش سنبھالیں اور اُن کا نکاح ہوجائے اور وہ اپنے گھر کی ہوجائیں تو معاشرے میں کتنی پاکیزگی آئے گی۔ مزید فرمایا کہ صرف اپنے بچے بچیوں کے ہی نہیں بلکہ تمہارے پاس جو غلام اور کنیزیں ہوتی ہیں ان میں بھی جو قابلِ نکاح ہیں اُن کے آپس میں نکاح کر دیا کرو۔ کسی کو بغیر نکاح کے نہ رکھو تاکہ خرابی پیدا ہی نہ ہو کیونکہ بدن کی فطری ضرورتیں تو اس نے پوری کرنی ہیں، اگر اس ضرورت کو پورا کرنے کے جائز راستے روکیں گے تو وہ ناجائز ذرائع تلاش کرے گا۔

ہمارے ہاں برصغیر میں یہ مصیبت ہے کہ یہاں کوئی دوسری شادی کرے تو وہ بدنام ہوجاتا ہے چونکہ ہندوؤں میں دوسری شادی منع ہے اس لیے یہ رسم مسلمانوں میں بھی آگئی۔ باقی عالمِ اسلام میں ایسا نہیں ہے۔ عورت اگر بیوہ ہوجائے تو ہندوؤں میں اُسے دوسری شادی کی اجازت نہیں ہے۔ اُسے یا تو خاوند کے ساتھ زندہ جلا دیتے یا پھر وہ بے چاری ساری زندگی غلاموں کی طرح خدمت میں گزار دیتی۔ اسے معاشرے میں کوئی مقام نہیں دیا جاتا اور نہ ہی دوسری شادی کی اجازت دی جاتی ہے۔ برصغیر میں ہندوؤں کے رواجات، رسومات ہم مسلمانوں میں بھی آگئے اور شادی بیاہ کی بیشتر رسومات ہم نے ہندوؤں سے لی ہیں مثلاً سہرا بندی، گانا بجانا وغیرہ جبکہ مسلمانوں کا تو سادہ سا کام ہے۔ صاف کپڑے پہنے، عزت کے ساتھ بیٹھے اللہ کے نام پر نکاح کیا شیرینی بانٹی، دوسرے تیسرے دن ولیمہ کر دیا بات ختم ہوگئی۔

سو بالغ مرد جن کی بیویاں فوت ہوگئی ہوں یا عورتیں جو بیوہ ہوجائیں تو محض ایک انا کا معاملہ بنا کر، وقار کا مسئلہ بنا کر انہیں نکاح ثانی کرنے سے نہ روکا جائے یہ ہرگز درست نہیں ہے۔ اس لیے جو شادی کے قابل ہوں، مرد، خواتین، رنڈوے یا عورتیں جو بیوہ ہوجائیں ان کا نکاح کر دیا کرو، غلاموں اور کنیزوں کو بھی بے نکاح نہ رکھو اور اس بات سے نہ ڈرو کہ یہ مفلس ہیں فرمایا: اِنۡ يَّكُوۡنُوۡا فُقَرَآءَ يُغۡنِهِمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ۔۔۔ اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ اُن کو اپنے فضل سے خوشحال کر دیں گے۔

اس بات پر کہ ابھی اس کی نوکری نہیں ہے روزگار نہیں ہے لہٰذا نکاح نہ کیا جائے یا جب تک نوکری نہ لگے یا کاروبار کرے اور پیسے نہ آئیں، تو فرمایا یہ درست نہیں ہے۔ اگر وہ انتہائی تنگ دست بھی ہے تو اللہ اسے فراخی دے دیں گے۔ کسی کے پاس کیا ضمانت ہے کہ دو سال یا چار سال بعد وہ امیر ہو جائے گا اس بات پر بھروسہ رکھا جائے کہ اس کا رازق بھی اللہ ہے۔ اگر شادی کر دی جائے تو آنے والی اپنا نصیبہ لے کر آئے گی اولاد ہو گی وہ اپنا نصیبہ لے کر آئے گی، ہوسکتا ہے زیادہ اولاد ہونے سے نادار والدین بھی خوشحال ہو جائیں اُن کے وسائل میں اضافہ ہو جائے اور وہ آزاد ہو جائیں۔ بہترین بات یہ ہے کہ غلاموں اور کنیزوں کو، جو شادی کے اہل ہوں بے نکاح نہ رکھا جائے اور اس ڈر سے انہیں نکاح سے نہ روکا جائے کہ یہ بھوکے ہیں مفلس ہیں کیونکہ اللہ قادر ہیں، عطا کرنے والے ہیں وہ انہیں غنی کر دیں گے۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾ اللہ وسعت والے سب کچھ جاننے والے ہیں۔

اللہ کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے اس کے بہت وسیع خزانے ہیں اور وہ ذاتی طور پر ہر ایک کے حال سے واقف ہے کسی کو بتانے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ فرمایا: وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۔۔۔اور جن کو نکاح کا مقدور نہ ہو ان کو چاہیے کہ (اپنے نفس کو) ضبط کریں یہاں تک کہ اللہ (اگر چاہے تو) اپنے فضل سے ان کو غنی کر دیں۔

جو افراد نکاح نہ کر سکتے ہوں کسی بھی دنیوی سبب سے جن کا نکاح نہیں ہوسکتا وہ کم از کم اپنی عزت کی حفاظت تو کریں، پاک دامن رہیں، ناجائز ذرائع اختیار نہ کریں اپنے دامن کو پاکیزہ رکھیں ناروا طریقوں سے دامن بچا کر رکھیں۔ اللہ قادر ہیں جب چاہیں اُن کے نکاح میں حائل رکاوٹ دور کر دیں اور نکاح ہو جائے۔

## غلامی سے آزادی کی ایک صورت:

کچھ غلام ایسے ہوتے ہیں جو قوی ہوتے ہیں اور مالک سے مکاتب ہونے کی درخواست کرتے ہیں۔ مکاتب سے مراد ہوتی ہے کہ مالک اس کی قیمت مقرر کر دیتا ہے مثلاً کہہ دے کہ تمہاری قیمت پچاس ہزار ہے جب یہ رقم ادا کرو گے تو آزاد کر دیے جاؤ گے۔ یہ طے کرنے کے بعد اُسے مزدوری کرنے کے لیے آزادی دے دی جاتی ہے تاکہ وہ پیسے کما کر لائے اور مالک کو دے کر آزاد ہو جائے۔ فرمایا: وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۔۔۔اور تمہارے غلاموں میں جو مکاتب ہونا چاہتے ہوں (ایک معاہدہ کہ اتنی رقم کما کر دو تو آزاد ہو) تو (بہتر ہے) ان کو مکاتب کر لو اگر تمہیں ان میں بہتری کے آثار ملیں تو۔ مالک کے پاس یہ بھی ایک راستہ ہے کہ غلام اگر مکاتب ہونا چاہے تو فرمایا انہیں مکاتب کر دیا کرو کہ انسانوں کو غلام بنائے رکھنا مقصد نہیں ہے۔ خلفائے راشدین کے عہد میں ہی غلام تقریباً ختم ہو گئے تھے خال خال رہ گئے تھے جبکہ

آج تو اس کا کوئی تصور بھی نہیں ہے نہ ہی کوئی وجود ہے۔ صرف یہ احکام ہی ملتے ہیں اور احکام اس لیے ہیں کہ اگر غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم ہے تو اپنے برابر کے لوگوں کے ساتھ سلوک کا کیا حکم ہوگا!

مغرب کا معاشرہ تو اسلام پر اس حوالے سے بڑی باتیں تو کرتا ہی تھا اب مسلمانوں کی بھی ایک نئی قسم آ گئی ہے جنہیں روشن خیال کہا جاتا ہے وہ بھی غلاموں اور کنیزوں پر بہت اعتراض کرتے ہیں۔ اگر وہ دیگر فاتح اقوام اور اسلام کا موازنہ کریں کہ مفتوح لوگوں کے ساتھ ان کا سلوک کیسا تھا تو انہیں ماننا پڑے گا کہ اسلام نے صرف اُن لوگوں کو غلام بنایا ہے جو اس کے خلاف جنگ میں شریک ہوتے۔ جو ظلم کی طرف سے تلوار اٹھاتے تھے اگر وہ مغلوب ہو جاتے تو اُن کی آزادی سلب کی گئی، اسلام نے اُن کی جان نہیں لی نہ ہی انہیں ایذا دینے کی اجازت دی بلکہ اسلام نے تو اُن کو بھی حقوق دیے۔ اللہ کریم نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ جو خود کھاتے ہو وہی غلاموں کو کھلاؤ، جیسا لباس خود پہنتے ہو ویسا ہی غلاموں کو پہناؤ اور کسی غلام کو وہ کام کرنے کا حکم نہ دو جس کے کرنے کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو۔ یعنی اس کی ذہنی جسمانی طاقت سے زیادہ اس پر کام کا بوجھ نہ ڈالو۔ ان غلاموں کے بچے بھی غلام ہو جاتے اور بیویاں کنیزیں بن جاتیں اور اُن کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کا حکم ہے۔ چنانچہ فرمایا غلاموں کا بھی یہ حق ہے کہ کتابت چاہیں تو انہیں کتابت دے دو اور یہی نہیں بلکہ حسن سلوک کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ۔۔۔ اور اللہ کے دیے ہوئے مال سے اُن کو بھی دو جو اس نے تمہیں دے رکھا ہے۔ یعنی یہی طریقہ نہ رکھو کہ غلام ہی تمہیں کما کر دیں اللہ نے تمہیں فراخی دی ہے تمہارے پاس دولت ہے تو خود پیسے دے کر ان کی کچھ مدد کر دو تا کہ اُن کے پاس اتنی رقم آ جائے جتنی میں کتابت کی ہے۔ یہ مدد زکوٰۃ سے کی جا سکتی ہے، صدقات و خیرات سے کی جا سکتی ہے، اللہ نے جو مال تمہیں دیا ہے اس سے اپنے غلام کی مدد کرو۔ مدد کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ غلام کو کچھ رقم معاف کر دو، کچھ مدد گھر سے بھی کر دو، تمہارے پاس جو مال ہے وہ بھی تو اللہ کا مال ہے۔ جب تم دنیا میں آئے تو کیا لائے تھے اللہ ہی نے تمہیں دنیا میں دیا، وراثت میں مال دیا تو بھی اللہ کا مال ہے اور کمائی کر کے کمایا تو بھی اسی کا ہے۔ تمہارے پاس اللہ کا مال ہے کل تم بھی چھوڑ کر چلے جاؤ گے تو آج کسی غریب کو بھی اس میں حصہ دے دو۔

## زیرِ نگیں افراد سے خلافِ شرع کام کروانا حرام ہے:

طلوعِ اسلام سے پہلے عرب میں بہت سی مروجہ خرابیوں کے ساتھ یہ خرابی بھی عام تھی کہ لوگوں کے بچے اغوا کر لیے جاتے اور غلام بنا کر بیچ دیے جاتے اور جن کے پاس کنیزیں ہوتیں وہ اُن سے پیشہ کروا کر پیسہ کماتے۔ فرمایا:

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاۗءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَنْ

يُكْرِهْهُنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾ اور اپنی لونڈیوں کو اگر وہ پاکدامن رہنا چاہیں تو بے شرمی کی زندگی پر مجبور مت کرو صرف دنیا کی زندگی کے فوائد حاصل کرنے کے لیے اور جو اُن کو مجبور کرے گا تو اللہ ان کے مجبور کیے جانے کے بعد (ان کو) بخشنے والے مہربان ہیں۔

غلام سے یا کنیز سے کوئی بھی خلافِ شرع کام کروانا حرام ہے اور انہیں بھی ایسی پاکیزہ زندگی گزارنی چاہیے جیسی تم گزارتے ہو۔ وہ بھی بحیثیت انسان عنداللہ برابر کے جوابدہ ہیں۔ سو محض دولت کی لالچ میں غلاموں اور کنیزوں سے ناجائز کام مت کرواؤ۔ اُن سے چوری، دھوکا دہی، بدکاری کروا کے پیسہ کمانا ناجائز ہے کہ وہ بھی انسان ہیں اور انہیں بھی اللہ کے حضور جواب دینا ہے۔ اگر کسی نے اُن کو نہ چاہتے ہوئے گناہ پر مجبور کیا تو اللہ بہت **غفورٌ رحیم** ہے، وہ ان مجبوروں کو تو معاف کر دے گا البتہ گناہ کروانے والے سے ساری جواب طلبی ہوگی۔

اگر آپ اپنے ملازم، غلام یا کنیز سے ناجائز کام کرواتے ہیں اور اگر وہ بھی اس کام پر راضی ہوں پھر تو وہ بھی برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ جو انسان برائی پر مجبور کیا جائے جبکہ وہ یہ کام کرنا نہ چاہتا ہو تو اُسے تو اللہ کریم معاف فرما دیں گے لیکن مجبور کرنے والا پکڑا جائے گا۔

## دورِ حاضر کا ایک مسئلہ:

اس آیہء مبارکہ کی رو سے عہد حاضر کا ایک بہت بڑا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ بہت سے لوگ سوال کرتے ہیں کہ حدیث شریف کے مفہوم کے مطابق رشوت لینے اور دینے والا دونوں جہنمی ہیں پھر اس کی وضاحت کیا ہے؟

سب سے پہلی بات تو یہ سمجھنے کی ہے کہ رشوت ہے کیا؟ کیا آپ کوئی ایسا فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں جو آپ کا حق نہیں ہے اور اس کے لیے آپ پیسہ دیتے ہیں یا سفارش کرواتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو یہ پیسہ بھی رشوت ہے اور سفارش بھی اور لینے دینے والا دونوں جہنمی ہیں۔

ایک ایسا کام جو جائز ہے لیکن کرنے والے کے اختیار میں ہے وہ دستخط کر لے تو کام ہوتا ہے اب اگر وہ شخص کام کرنے کے عوض پیسے مانگے اور مجبوراً اُسے دینے پڑیں تو لینے والا ڈاکو ہے اور دینے والا مجبور ہے۔ یعنی اگر کسی کو ایسا مجبور کر دیا جائے کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی دینے پر مجبور ہو جائے تو اللہ اُسے معاف کر دیں گے مثلاً ایک آدمی کی ایک کروڑ کی رقم پھنسی ہو اور جس نے دستخط کرنے ہیں وہ کہے کہ مجھے پانچ لاکھ دو گے تب دستخط کروں گا تو اُسے پچانوے لاکھ بچانے کے لیے پانچ لاکھ دینے پڑتے ہیں۔ اگر نہیں دے گا تو اس کا ایک کروڑ ضائع ہو جائے گا اسے پچانوے لاکھ بچا لینا چاہیے اس لیے کہ یہ پانچ لاکھ جو وہ مجبوراً ادا کرے گا یہ رشوت نہیں

ہوگی یہ ڈاکہ ہوگا اور لینے والا ڈاکو ہے۔ دینے والا مجبور ہے۔ جس طرح ڈاکو بندوق کے زور پر لے لیتا ہے یہ بھی ویسے ہی لے رہا ہے۔

ایک مثال یہ ہے کہ کسی کا حق صرف ایک لاکھ بنتا ہے مگر وہ ذمہ دار افسر کو کہتا ہے کہ تم مجھے پانچ لاکھ دلوا دو اس میں تین لاکھ تم رکھ لینا دو میں لے لوں گا تو یہ رشوت ہے۔

## اللہ کریم کا احسان:

فرمایا: وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾ اور یقیناً ہم نے تمہارے پاس کھلے کھلے احکام بھیجے ہیں اور جو لوگ تم سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کے بعض واقعات بھی اور (اللہ سے) ڈرنے والوں کے لیے نصیحت کی باتیں ہیں۔

اللہ کریم نے انسانوں کی راہنمائی کے لیے واضح آیات نزول فرمادیں، کھلے احکام عطا کر دیے اور کوئی غلط فہمی نہیں رہنے دی۔ بنیادی باتوں سے لے کر انتہائی بڑی بڑی باتوں تک سب کچھ ارشاد فرما دیا یہاں تک کہ گزشتہ اقوام کی حکایات بھی سنا دیں۔ اُن کے قصے بھی سنائے تا کہ تم جان سکو کہ کس نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کر کے کیا انعامات پائے اور کس نے خلاف ورزی کی اور کس انجام کو پہنچا۔ یہ ساری باتیں نصیحت کے لیے ہیں لیکن یہ اُن لوگوں کو فائدہ دیں گی جن کا اللہ کے ساتھ رشتہ ہے یعنی متقین ہیں۔ ایمان گویا بنیاد ہے اور جن لوگوں کا اللہ پر ایمان ہے، رشتہ ہے اُن کے لیے تو یہ آیات آبِ حیات ہیں اور ایمان ہی نہ ہو تو پھر بہتری کا یا فلاح کا کوئی تصوّر ہی نہیں ہے۔

# سورۃ النور رکوع 5 آیات 35 تا 40

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْۗءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ ۭ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءِ الزَّكٰوةِ ۽ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاۗءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے اُس میں ایک چراغ ہے۔ وہ چراغ ایک (شیشہ کی) قندیل میں ہے۔ اور وہ

قندیل (ایسی شفاف ہے) گویا موتی کا سا چمکتا ہوا ستارہ ہو۔ اُس میں ایک مبارک درخت کا تیل جلایا جاتا ہے (یعنی) زیتون کہ نہ مشرق کی جانب ہے اور نہ مغرب کی، قریب ہے (ایسا لگتا ہے) کہ اس کا تیل اگر اس کو آگ نہ بھی لگی تو (خود بخود) جل اٹھے گا (اور اگر آگ دکھادی گئی تو) نور علیٰ نور (روشنی پر روشنی ہو جائے گی)۔ اللہ اپنے نور سے جس کو چاہتے ہیں سیدھی راہ دکھاتے ہیں۔ اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتے ہیں اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں ﴿۳۵﴾ وہ (قندیل) ایسے گھروں میں جن کے بارے میں اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ کے نام کا ذکر کیا جائے (اور) ان میں صبح اور شام (ہمیشہ) اُس (اللہ) کی پاکی بیان کرتے رہیں ﴿۳۶﴾ (ایسے) لوگ ہیں جن کو اللہ کے ذکر اور نماز ادا کرنے سے اور زکوٰۃ دینے سے نہ (دنیا کا) کاروبار غافل کرتا ہے اور نہ خرید و فروخت۔ وہ اس دن سے جب (گھبراہٹ سے) دل الٹ جائیں گے اور آنکھیں (اوپر کو چڑھ جائیں گی) ڈرتے ہیں ﴿۳۷﴾ تاکہ اللہ ان کو ان کے عملوں کا بہت اچھا بدلہ دیں اور اپنے فضل سے اُن کو زیادہ بھی عطا کریں۔ اور اللہ جس کو چاہتے ہیں بے شمار رزق عطا فرماتے ہیں ﴿۳۸﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا اُن کے اعمال (کی مثال ایسے ہے) جیسے میدان میں ریت کہ پیاسا اُس کو (دُور سے) پانی سمجھے۔ یہاں تک کہ جب اُس کے قریب پہنچے تو اُسے کچھ بھی نہ پائے اور اُس کے پاس اللہ (قضائے الٰہی) کو پائے سو وہ اُسے اُس کا (اس کی عمر کا) حساب پورا پورا چکا دے اور اللہ جلد حساب کرنے والے ہیں ﴿۳۹﴾ یا (ان کی مثال ایسی ہے) جیسے گہرے سمندر میں اندھیرے، جس پر لہر چلی آتی ہو اُس (لہر) کے اوپر دوسری لہر اُس کے اوپر بادل (ہے غرض) اوپر تلے بہت سے اندھیرے (ہی اندھیرے) ہیں جب اپنا ہاتھ نکالے (دیکھنے کے لیے) تو اسے دیکھ بھی نہ سکے اور اللہ ہی جس کو نور نہ دے تو اُس کو (کہیں سے بھی) نُور (ہدایت) میسر نہیں ہو سکتا ﴿۴۰﴾

# تفسیر و معارف

## اللہ کا نور:

فرمایا: اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔۔۔ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

کائنات کے وسیع تر نظام میں تجلیاتِ باری اور اللہ کا نور کارفرما ہے۔ نور اس چیز کو کہتے ہیں جو خود روشن ہو اور دوسری چیزوں کو روشن کر دے۔ انسانی علوم اپنی تمام تر ترقی کے باوجود اللہ کی مخلوق کو گننے سے قاصر ہے کہ کہاں کہاں کتنی مخلوق آباد ہے، کتنے سیارے، ستارے ہیں اور جوِ سماوی میں کتنی وسعتیں ہیں۔ آج تک علومِ انسانی مخلوق کی کسی ایک قسم کو بھی شمار میں نہیں لا سکے یہ سب انسانی علوم سے بالاتر ہے۔

اللہ زمینوں اور آسمانوں کا نور ہے۔ نور اس چیز کو کہتے ہیں جو خود روشن ہو اور دوسری چیزوں کو روشن کر دے۔ جو خود اپنی ذات میں روشن ہو اور از خود روشن ہو تو کائنات کی آبادی کا سبب وہ واحد و لاشریک اللہ ہے۔ انسان کو کائنات کی وسعتوں کا اندازہ بھی نہیں تو انہیں انسان کیا آباد کریں گے؟ زمینوں، آسمانوں ستاروں سیاروں ان سب کی آبادی سب کی زندگی ان سب کی روشنی کا سبب اللہ ہے۔ اس جہان میں روشنی آبادی کا سبب ہے، وہ روشنی بھی اللہ کی بخشی ہوئی ہے اسی کی عطا ہے اور پھر اس آبادی کے دو اسباب ہیں۔ ایک ظاہری سبب ہے جیسے سورج نکلا ہے دن روشن ہے لوگ کام کاج کر رہے ہیں کاروبارِ حیات میں مشغول ہیں۔ جب سورج ڈوب جائے گا اندھیرا چھا جائے گا لوگ آرام کریں گے۔ سورج پھر طلوع ہوگا اور زندگی کا ایک ہنگامہ بپا ہو جائے گا یعنی روشنی آبادیِ جہاں کا ظاہری سبب ہے۔ اس میں مخلوق کا پیدا ہونا، مرنا، باقی رہنا، کاروبار کرنا، دوستیاں دشمنیاں نبھانا یہ ساری چیزیں ہیں۔ ایک سورج اس کے علاوہ ہے، ایک روشنی اس کے علاوہ اور ہے۔ وہ ہے مخلوق کا اللہ کریم سے تعلق۔ کائنات کے ہر ذرّے سے ذاتِ باری کا براہ راست تعلق کہ وہ اس کا خالق بھی ہے مالک بھی ہے، اسے قائم رکھنے والا بھی ہے اور جہاں چاہتا ہے استعمال فرماتا ہے۔

اللہ کے نور کی مثال ایسی ہے فرمایا: مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ۔۔۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے اس میں ایک چراغ ہے۔ وہ چراغ ایک (شیشہ کی) قندیل میں ہے۔ اور وہ قندیل (ایسی شفاف) گویا موتی کا سا چمکتا ہوا ستارہ ہو۔ اس میں ایک مبارک درخت کا تیل جلایا جاتا ہے (یعنی) زیتون کہ نہ مشرق کی جانب ہے اور نہ

مغرب کی، قریب ہے (ایسا لگتا ہے) کہ اس کا تیل اگر اس کو آگ نہ بھی لگی تو (خود بخود) جل اٹھے گا (اور اگر آگ دکھا دی گئی تو) نورٌ علیٰ نور روشنی پر روشنی ہو جائے گی۔

اللہ جل شانہٗ کی ذات مثل و مثال سے بالاتر ہے اور جب بھی کسی شئے کا اطلاق ہوتا ہے تو وہ اللہ کی ذات اور صفات پر نہیں ہوتا اس کی تخلیق پر ہوتا ہے۔ اللہ کریم کی ذات بے مثل و بے مثال ہے مثالوں سے بالاتر ہے۔ اور اس کی صفات اس کی شان کے مطابق ہیں۔ کائنات کے ہر ذرّے کا تعلق اپنے ربِّ کریم سے براہ راست ہے کہ وہ اس کا خالق اور مالک ہے پالنہار ہے قائم رکھنے والا ہے۔ لیکن یہ تعلق اضطراری ہے مجبوراً ہے کہ اُس کے علاوہ اس کے لیے کوئی چارہ نہیں ہے۔ انسانی تخلیق بھی اضطراری ہے انسان کو خبر نہیں ہوتی کہ اُس کا خالق کن ذرّاتِ خاکی کو غذا، دوا بنا کر مختلف درختوں پھلوں میں سے گزار کر کس انسان کی غذا بناتا ہے۔ اسی غذا سے نطفہ اور پھر اسے نطفے سے انسان بناتا ہے۔ وہ انسان کیسا بنتا ہے، اس کی شکل، قد کاٹھ کیسا ہے، عقل کتنی ہوگی؟ اس میں انسان کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اس کے اعضاو جوارح کیسے ہیں، وہ کتنا صحتمند رہتا ہے، کتنا بیمار ہوتا ہے، کتنا عرصہ زندہ رہتا ہے اور کب فوت ہو جاتا ہے؟ ان سب معاملات میں انسان کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ پھر انسان کے پاس کیا اختیار ہے؟

## انسان کا اختیار:

انسان کا اختیار فیصلہ کرنے پر ہے۔ یہ نورِ باطن جو کائنات کو روشن کرتا ہے اللہ کا دیا ہوا نور جو ہر نظام کے چلنے کا سبب ہے، آبادی اور روشنی کا سبب ہے خود انسان کے سینے میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ انسان کے پاس یہی اختیار ہے کہ وہ اس دنیا میں رہتے ہوئے اللہ کریم کا نور حاصل کرے اپنے دل کو روشن کرے۔ دنیا اور اس کی تمام نعمتوں کی حیثیت وصال الٰہی کے مقابلے میں ایک پر کاہ کی بھی نہیں اور وہ ذات ایسی کریم ہے کہ اس نے یہ نہیں فرمایا کہ دنیا کی لذتوں کو چھوڑ کر میری طرف آؤ۔ اس نے فرمایا کہ دنیا میں آباد رہو، دنیا کی نعمتوں سے مستفید ہو، دنیا کی لذتیں ضرور حاصل کرو لیکن میرے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق جائز حلال وسائل سے حاصل کرو اور میرے ارشاد کردہ طریقے کے مطابق استعمال کرو۔ اچھا لباس پہنو، اچھے گھر میں رہو، اچھی سواری رکھو، اولاد کی تربیت عمدہ کرو، والدین کی خدمت کرو اور یوں معاشرے میں مفید انسان بن کر رہو۔ دنیا کی آبادی کا سبب بنو۔ دوسروں کے لیے دکھ کا باعث بننے کی بجائے آسانیاں پیدا کرو۔ دنیا کے سارے کام کرو لیکن اس انداز سے کرو جس انداز سے کرنے کا میں حکم دیتا ہوں۔ دراصل اللہ کے بتائے ہوئے طریقے ہی ہر کام کو کرنے کا آسان ترین طریقہ بھی ہوتے ہیں۔ انسان کو یہی اختیار حاصل ہے کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے اپنے دل کو روشن کرے۔

## نور کا سرچشمہ، قلبِ اطہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم:

سب سے اعلیٰ ترین اور بہترین چراغ قلبِ اطہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ہے۔ سب سے بہترین

طاق سینہء محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام ہے، سب سے خوبصورت قندیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر میں ہے جو جہانوں میں نور بانٹ رہا ہے۔ تمام کائنات کو، نسلِ انسانی کو، آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر قیامت تک آنے والے انسانوں کو جو نور نصیب ہوتا ہے اس کی اصل، اس کا سرچشمہ سینۂ اطہر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ تمام انبیاؑ کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہء اطہر سے نور نصیب ہوا اور وہی نور انہوں نے آگے اپنی امتوں پر بانٹا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امام الانبیاؑ ہیں اور تمام امتوں کو اپنے انبیاؑ کی وساطت سے نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہی نصیب ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ عالی کے بعد سے اُن پر ایمان لانے والے وہ خوش قسمت لوگ ہیں جو براہ راست سینہء اطہر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کرتے ہیں اور آپ کی براہِ راست اُمت ہیں۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے لیے فرمایا: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ (آل عمران:110) تم بہترین اُمت ہو۔

اُمت کے بہترین ہونے کا سبب یہی ہے کہ یہ اُمت براہ راست سینہء اطہر سے مستفید ہوتی ہے۔ سو فرمایا وہ روشنی جو کائنات کو آباد رکھتی ہے وہ اللہ کا نور ہے اور اس کے حصول کا سبب ہے قلبِ اطہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کی مثال اللہ کریم نے ایک خوبصورت چراغ سے دی ہے جو بہت نازک اور حسین ہے بہترین طاق یعنی سینہء اطہر میں ہے۔ اس پر قندیل ہے جو ستاروں کی طرح روشن ہے اور اس چراغ میں دنیا کے مبارک ترین درخت زیتون کا تیل ہے جو بہترین ہے کہ جب جلتا ہے تو نہ دھواں دیتا ہے نہ ہی بُو۔

اس کے درخت کو اللہ کریم نے مبارک، بابرکت فرمایا ہے، ایک ایسا درخت جو عین باغ کے درمیان میں ہو۔ جو ہر لحاظ سے پھلتا پھولتا ہو سورج کی روشنی سے بھی مستفید ہو اور سیرابی سے بھی۔ اس کا تیل اتنا شفاف ہو کہ ایسا لگے کہ یہ بغیر آگ دکھائے ہی جل اٹھے گا اور روشنیاں بکھیرنے لگے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلبِ اطہر اور نور فطری طور پر ایسا صالح، ایسا شفاف اور روشن ہے کہ قبلِ بعثت بھی بے شمار کمالات کا اظہار ہوا جن سے انسانیت کو بھرپور فوائد نصیب ہوئے اور ایسے واقعات کا ظہور ہوا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ورسالت کی خبر دیتے تھے۔ جب بعثتِ عالی ہوئی تو گویا چراغ کو جو ایک خوبصورت قندیل میں، بلند طاق میں تھا جس میں انتہائی اعلیٰ روغن تھا اُسے ایسی شمع بنا دیا گیا جس نے چار دانگ عالم ہی نہیں ساری کائنات کو روشن کر دیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم!

## مومن کا نورِ قلبی:

اللہ ایسا کریم ہے کہ اس نے ہر سینے میں ایک چراغ رکھ دیا ہے اور اسی طرح اس کی حفاظت فرمائی ہے جیسے چراغ پر قندیل ہوتی ہے۔ یہی مثال مومن کے نور کی ہے کہ مزاج میں اللہ کی عطا کردہ فطری روشنی ہوتی ہے، جل اٹھنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ جب اُسے نورِ ایمان نصیب ہوتا ہے تو گویا اس چراغ کو کسی نے شعلہ دکھا دیا پھر وہ نہ صرف اپنے لیے بلکہ انسانیت کے لیے روشنی بن کر فلاح اور ہدایت کا سبب بن جاتا ہے۔ یہی فیصلہ انسان کو کرنا ہے کہ کیا اس چراغ کو نورِ نبوت سے روشن کرتا ہے یا دنیا میں کھو جاتا ہے اور حصولِ دنیا کے لیے غیر اللہ کے در پر دھکے کھاتا پھرتا ہے۔ کفر یہی ہے کہ اس چراغ کو توڑ پھوڑ کر برباد کر دیا جائے، ضائع کر دیا جائے۔ ایمان یہ ہے کہ اس چراغ کے لیے روشنی تلاش کی جائے اور سینوں کو منور کیا جائے۔ جس طرح طلوعِ آفتاب کے ساتھ کاروبارِ دنیا شروع ہوتا ہے اسی طرح سینے میں رکھا یہ چراغ جب نورِ نبوت سے جل اٹھتا ہے تو قربِ الٰہی کے لیے جدوجہد شروع ہو جاتی ہے۔ اعضاء و جوارح اللہ کی اطاعت کی طرف چلنا شروع ہو جاتے ہیں۔ ہاتھ وہ کام کرتے ہیں جو اللہ کو پسند ہیں، قدم اس سمت اٹھتے ہیں جس سمت پر چلنے کا حکم اللہ کریم نے دیا ہے۔ پیشانیاں سربسجود ہو جاتی ہیں۔

انسان کے اندر ایک جہاں آباد ہے تو نورِ ایمان سے گویا اس جہاں میں سورج طلوع ہو گیا۔

## اسلامی تصوّف کی حقیقت اور صحبتِ شیخ:

نورِ ایمان سے روشن سینے جب صحبتِ شیخ پا لیتے ہیں تو گویا سینہ بھڑک اٹھتا ہے، دل سورج کی مثال بن جاتا ہے اور عقل و دماغ تک اپنی محنت میں لگ جاتے ہیں کہ کچھ کمائی کر لیں، قربِ الٰہی میں کچھ قدم آگے بڑھ جائیں۔

یہی اسلامی تصوف ہے کہ نورِ نبوت سے مسلمانوں کے سینوں میں دھرے چراغوں کو روشن کر کے انسانیت کی راہوں پر سجا دیا جائے۔ صوفی خود اتباعِ شریعت کا بہترین نمونہ ہو اور اس کی طلب یہی ہو کہ وہ قربِ الٰہی میں ترقی کرے۔ رحمتِ الٰہی کے مزید جھونکے پا لے اور بہارِ وصال میں سے اپنا حصّہ پا لے۔ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ۔۔۔ نور علیٰ نور روشنی پر روشنی ہو جائے گی۔

پھر اس چراغ کا نور بڑھتا ہی رہتا ہے۔ نور پر مزید نور آتا رہتا ہے۔ روشنی پر روشنی آتی ہے یعنی اس میں اتنا نور سما جاتا ہے کہ اس کی کوئی حد نہیں رہتی۔ دنیوی طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ اگر دیا جلایا جاتا ہے تو اس کی روشنی کی ایک حد ہے، بجلی کے بلب جلائے جاتے ہیں تو اس کی ایک حد ہے۔ لیکن جو سینے میں رکھے چراغ روشن ہوتے ہیں تو ان کی روشنی ترقی کرتی چلی جاتی ہے بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ اس کے لیے مادّی روشنی کی طرح کا اہتمام نہیں کرنا پڑتا کہ

دیے کی جگہ لیمپ رکھا جائے یا کوئی اور ذریعہ بدلا جائے۔ دل کو بدلنے کی ضرورت نہیں بلکہ اسی دل میں اسی چراغ کی روشنی میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ فرمایا: یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ۔۔۔ اللہ اپنے نور سے جس کو چاہتے ہیں سیدھی راہ دکھاتے ہیں۔

اللہ کریم جسے چاہتے ہیں ان روشنیوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ یہاں یہ نہ سوچا جائے کہ روشنی تک پہنچانا منشاء باری پر ہے تو انسان کیا کر سکتا ہے۔ فرمایا: وَیَهْدِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ (شوریٰ:13) اور جو اس کی طرف رجوع کرے اسے اپنی طرف ہدایت دے دیتا ہے۔ گویا منشاء باری اُن کی تائید کرتی ہے جو یہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ انہیں اللہ کا قرب چاہیے۔ جو کائنات کو دیکھ کر انابت اختیار کرتے ہیں یعنی خلوصِ دل سے یہ طے کر لیتے ہیں کہ انہیں اللہ کے قریب جانا ہے، دور نہیں ہونا تو اللہ انہیں راستے دکھا دیتے ہیں۔ اللہ کریم اسے ایسے لوگوں سے ملا دیتے ہیں جو اس کی راہنمائی کرتے ہیں۔ ایسے لوگ جو عالمِ باعمل ہوتے ہیں اور اُسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے احکام پہنچاتے ہیں۔ اگر یہ علمائے حق جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے انداز واطوار سکھاتے ہیں، کلام الٰہی اور ارشادات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم پہنچاتے ہیں خود بھی روشن سینے رکھتے ہوں، اُن کے دلوں کے چراغ جل رہے ہوں اور وہ ہمارے ذہن تک بھی وہ باتیں پہنچائیں اور قلب کو وہ نور بھی پہنچائیں تو یہ مشائخ کہلاتے ہیں۔ یہ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ہو گیا اور اُن کی محبت میں قلب بھی نور حاصل کرتا ہے اور یوں چراغ سے چراغ روشن ہو جاتا ہے۔

جس طرح دنیوی تعلیم میں بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ کچھ ادارے پرائمری تک پڑھاتے ہیں کچھ مڈل تک، میٹرک تک پڑھاتے ہیں۔ کچھ انٹرمیڈیٹ تک اور کچھ تو پی ایچ ڈی تک بھی کرواتے ہیں۔ اسی طرح بزرگانِ دین بھی مختلف قلبی کیفیات کے حامل ہوتے ہیں کسی کے پاس ایک حد تک ہیں، دوسرے کے پاس اس سے زیادہ اور تیسرے کے پاس اس سے بھی زیادہ ہیں۔ چنانچہ جہاں یہ روشنیاں ملیں ضرور حاصل کرنی چاہیے اور اس نور کے حصول میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے کہ ہمارے پاس زندگی کی کوئی سند نہیں ہے کہ کتنی باقی ہے۔ کوئی لمحہ بھی آخری لمحہ ہو سکتا ہے۔ فرمایا: وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۳۵﴾ اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتے ہیں اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں۔

اللہ کریم کو مثال و تمثیل کی ضرورت نہیں۔ وہ ہر چیز کو ذاتی طور پر جانتے ہیں۔ وہ ہر شئے سے واقف، ہر بات سے آگاہ ہیں۔

## نورِ فطرت کو ضائع کرنے والے عوامل:

انسان کی استعداد محدود ہے چنانچہ اس کی راہنمائی کے لیے، سمجھانے کے لیے اللہ کریم مثالیں بیان فرماتے ہیں۔ اللہ اتنے کریم ہیں کہ ہر پیدا ہونے والے انسان میں فطری طور پر ہدایت کی طلب اور نورِ فطرت رکھا جاتا ہے۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم کا مفہوم ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، فطری صلاحیتوں کے ساتھ پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

انسانی کردار، والدین کی برائی اور معاشرے کے برے حالات اس کا طاق گرا دیتے ہیں، قندیل توڑ دیتے ہیں، چراغ کے ٹکڑے کر دیتے ہیں اور تیل ضائع ہو جاتا ہے۔ والدین کے روّیے بچوں میں بھی آ جاتے ہیں کہ دنیا کا ہر بچہ اپنے والد کو دنیا کا سب سے بہترین انسان سمجھتا ہے اور دنیا کی سب سے اچھی خاتون اپنی والدہ کو سمجھتا ہے لہٰذا اُن کے کردار کو اپنانا چاہتا ہے۔ اگر وہ جھوٹ بولتے ہیں تو وہ بھی جھوٹ بولنے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ اگر وہ سچے ہیں تو وہ بھی سچا بننا چاہتا ہے، نیک ہیں تو بچہ نیک ہونا چاہتا ہے اور اگر وہ نیک نہیں ہیں تو بچے کو بھی نیکی سے رغبت نہیں رہتی۔ والدین کی ذمّہ داری ہے کہ اولاد کی پرورش رزقِ حلال سے کریں۔ علمائے حق فرماتے ہیں کہ انسانی کردار کی اسّی فیصد تعمیر رزق سے ہوتی ہے اگر بچے کو حرام کی کمائی کھلاتے ہیں تو اس کا اسّی فیصد مزاج حرام سے بنتا ہے۔ ایک عمارت کو کیچڑ تھوپ کر بنایا جائے اور پھر یہ امید رکھی جائے کہ یہ سنگِ مرمر کی بن جائے گی، ایسی اُمید رکھنا فضول ہے۔ جب ہم اولاد کو ناجائز اور حرام رزق کھلاتے ہیں تو پھر بڑھاپے میں یہ شکوے بے کار ہیں کہ بچہ ناخلف ہے، گستاخ ہے، آوارہ ہو گیا ہے، بے حیائی کے کاموں میں ملوث ہو گیا ہے۔ ایسا تو ہونا ہی تھا کہ جس خام مال سے عمارت بنائی تھی ویسی ہی بنی۔ والدین کی بہت بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ بچوں کو بہت آسانیاں مہیا کریں آسائشیں دیں مزے کرائیں خواہ چوری سے کرائے جائیں۔ بھلا حرام کی آسانیاں کیا آسانیاں ہوں گی؟

اس کے بعد انسان کے مزاج کی پندرہ فیصد تعمیر ماحول کرتا ہے اور پانچ فیصد مزاج والدین کی نقل سے بنتا ہے۔ گویا تعمیرِ سیرت میں سب سے بنیادی چیز رزقِ حلال ہے جس کی طرف ہم کم ہی توجہ کرتے ہیں کہ وعظ کرنے والے بھی اس پر زیادہ بات نہیں کرتے اور لکھنے پڑھنے والے بھی کم ہی بات کرتے ہیں۔ ہم معاشرے کی اصلاح کی بات کرتے ہیں اچھی بات ہے، اللہ کرے اصلاح ہو جائے لیکن رزق جو تعمیرِ انسانیت کی بنیاد ہے اس کی اہمیت پر ضرور توجہ دینی چاہیے تاکہ جو نئی نسل آ رہی ہے وہ تو نیک آئے کم از کم اُن کی بنیاد تو صحیح ہو۔ ہم بنے بنائے لوگوں کو سیدھا کرنا چاہتے ہیں۔ ان پر بھی محنت کرنی چاہیے انہیں بھی سمجھایا جانا چاہیے لیکن اس کے ساتھ کیا یہ ضروری ہے کہ نئے کو

غلط بناتے رہیں اور پھر جب وہ بن جائیں تو تب اُن کی اصلاح کرتے رہیں؟ کیا یہ بہتر نہیں کہ نئے لوگوں کی تعمیر ہی درست کی جائے۔

والدین کو اولاد سے فطری محبت ہوتی ہے لیکن اس محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اولاد کو فطرت کے مطابق پالا جائے اور اسے رزقِ حلال کھلایا جائے تاکہ اس کی وجود کی بنیاد نیکی پر رکھی جائے تاکہ اس کی فطری استعداد ضائع نہ ہو۔

## اہل اللہ کے ٹھکانے:

یہ روشن چراغوں والے سینے، یہ منور القلوب ہستیاں، اللہ کے نور کے امین لوگ کہاں ملیں گے، ایسے لوگ کہاں پائے جاتے ہیں، انہیں کہاں تلاش کیا جائے؟

فرمایا: فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ وہ (قندیل) ایسے گھروں میں ہیں جن کے بارے اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ کے نام کا ذکر کیا جائے اور ان میں صبح اور شام ہمیشہ اللہ کی پاکی بیان کرتے رہیں۔

یہ روشن سینے اُن گھروں میں ملیں گے جن کی اللہ نے عظمت بنائی ہے مقدس قرار دیا ہے، ان میں اپنے نام کے ذکر کا حکم دیا ہے یعنی مساجد۔

## آداب واحترامِ مساجد:

مسجد ایک ایسا گھر ہے جسے بہت مضبوط، خوبصورت اور نہایت مزین بنایا جائے۔ ظاہری خوبصورتی کا ہی نہیں بلکہ ان کا دل سے ادب اور احترام کیا جائے۔ ان میں بلند آواز سے بات نہ کی جائے اور دنیا کی کوئی بات نہ کی جائے بلکہ ہمیشہ اللہ کا ذکر ہی کیا جائے۔ دنیوی باتیں کرنا مسجد میں حرام ہے ناجائز ہے۔ ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم سے واضح ہے کہ انہیں پاک صاف رکھا جائے۔ کوئی ناپاک وجود لے کر اندر داخل نہ ہو اور کوئی ناگوار بو اندر استعمال نہ کی جائے حتیٰ کہ بدبودار تیل بھی نہ جلایا جائے۔ ایسی چیزیں جن کے استعمال سے منہ سے بُو آتی ہو مثلاً لہسن پیاز سگریٹ حقہ وغیرہ ان کی بُو لے کر مسجد میں داخل نہ ہو بلکہ مسواک کر کے جائے۔ مسجدوں کی چٹائیوں اور ٹوپیوں کو، استعمال کی اشیاء کو میلا نہ کیا جائے کہ میلی کچیلی یا خستہ حال چیزیں رکھنا مسجد کی توہین کے مترادف ہے۔ اللہ کریم نے حکم دیا ہے کہ ان کی عظمت کی جائے۔ صحابہ کبار رضوان اللہ اجمعین اور تابعین تبع تابعین سے ثابت ہے کہ مساجد کو خوبصورت اور مزین کیا جاتا تھا، اپنی ذات شہرت یا بڑائی کے لیے نہیں بلکہ عظمتِ الٰہی کے لیے۔

فرمایا: وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهٗ۔۔۔اس میں ہمیشہ اللہ کا ذکر کیا جائے دنیا کی باتیں کرنا ممنوع ہے۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم میں کسی کا اونٹ گم ہوا تو اس نے کوشش کی کہ مسجد میں اس کی گمشدگی کا اعلان کرا دے چونکہ مسجد میں لوگ جمع ہوتے ہیں تو شاید کسی کو نظر آیا ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی مسجد میں ایسا اعلان کروائے تو اُسے جواب میں کہو لَا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيْكَ۔۔۔(ابن ماجہ) اللہ کرے تمہیں کبھی نہ ملے۔یعنی اگر کوئی مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کروائے تو جو بھی اعلان سنے وہ جواب میں کہے لَا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيْكَ اللہ تمہیں وہ چیز کبھی واپس نہ کرے۔ مسجد میں کوئی دنیوی بات یا گپ شپ جائز نہیں ہے۔ دین کی بات کی جانی چاہیے، بھلائی کی باتیں کی جائیں اور احترام ملحوظِ خاطر رکھا جائے۔ مساجد میں صبح شام اللہ کی پاکی بیان کی جائے۔ انگریزی کا محاورہ ROUND THE CLOCK اسی صبح شام کی ترجمانی کرتا ہے یعنی ہمہ وقت، لہٰذا جو بھی مسجد میں داخل ہو اُسے چاہیے کہ کثرت سے اللہ کا ذکر کرے۔ جس میں تمام طرح کا ذکر شامل ہے۔ اللہ کی تسبیح وتحمید کرے، تلاوت کرے، نوافل ادا کرے۔ روزے کے ساتھ ہے تو اعتکاف کے لیے مسجد میں بیٹھے ہیں تو اللہ کا ذکر کرے غرضیکہ مساجد میں اللہ ہی کا ذکر ہو اور اس کی عظمت بیان ہو۔

## اہلِ ذکر کی خصوصیت:

فرمایا: رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ۔۔۔(ایسے) لوگ ہیں جن کو اللہ کے ذکر اور نماز ادا کرنے سے اور زکوٰۃ دینے سے نہ (دنیا کا) کاروبار غافل کرتا ہے اور نہ خرید وفروخت۔

یہ روشن سینے رکھنے والے لوگ جو مساجد میں ملتے ہیں یہ اسی دنیا میں رہتے بستے ہیں یہیں ملازمت، مزدوری یا کاروبار کرتے ہیں، بچے پالتے ہیں۔ سارے کام کرتے ہیں لیکن دنیا کے کاروبار انہیں اللہ کی یاد سے روک نہیں سکتے۔ کاروبارِ حیات بھی کرتے رہتے ہیں اور ذکرِ الٰہی بھی جاری رہتا ہے۔ ان لوگوں کو جو مساجد کی زینت ہوتے ہیں دنیا کا کوئی کاروبار اللہ کے ذکر سے کبھی نہیں روک سکتا نہ ہی انہیں کوئی مصروفیت اقامتِ صلوٰۃ سے روک سکتی ہے۔ دنیا کے سارے کام بھی کرتے ہیں اور وقت پر باقاعدگی سے اللہ کی بارگاہ میں بھی ادا کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ۔۔۔ دنیا کی دولت کا لالچ انہیں زکوٰۃ ادا کرنے سے مانع نہیں ہوتا۔ یہ اللہ کے ان بندوں کی نشانیاں ہیں جن کے سینے اللہ کے نور سے روشن ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ مساجد میں اللہ کی بارگاہ میں وقت گزارتے ہیں۔ اس میں دینی مدارس، خانقاہیں سب آ جاتی ہیں لہٰذا ان سب کا ادب واحترام بھی لازم ہے۔ ان کی آبادی کے لیے کوشش کرنا بھی

لازم ہے اوران سے دنیوی مفادات حاصل کرنا حرام ہے۔

اللہ کے یہ بندے ایسے ہیں کہ ہر وقت اللہ کا ذکر اور تسبیح کرتے ہیں روشن سینے رکھتے ہیں اس کے باوجود، فرمایا: يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ﴿٣٧﴾ وہ اس دن سے جب (گھبراہٹ سے) دل الٹ جائیں گے اور آنکھیں (اوپر کو چڑھ جائیں گی) ڈرتے ہیں۔

اللہ کے یہ بندے یومِ حشر سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ جو گناہ کرتا ہے وہ بے خوف ہوتا ہے اور جو اللہ کا ذکر شروع کردے وہ اللہ اللہ بھی کرتا ہے، نمازیں ادا کرتا ہے تلاوت کرتا ہے، تسبیحات پڑھتا ہے، حلال کھاتا ہے، حرام سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور اس سب کے باوجود عظمتِ الٰہی سے لرزاں وترساں رہتا ہے۔ درحقیقت عظمتِ الٰہی کا احساس اُنہی دلوں میں ہوتا ہے جو نورِ نبوت سے روشن چراغ ہوتے ہیں۔ ایسے دلوں میں آخرت کا فکر اور خطرہ بھی ہوتا ہے لہٰذا عظمتِ الٰہی سے لرزاں وترساں رہتے ہیں۔

## اہل اللہ سے اللہ کا وعدہ:

وہ لوگ جنہوں نے اپنے سینے کے چراغوں کو چراغ نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم سے روشن کیا، اُن میں نورِ ربانی کو بسایا اُن سے اللہ کریم کا وعدہ ہے کہ: لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ۔۔۔ تاکہ اللہ اُن کو اُن کے عملوں کا بہت اچھا بدلہ دیں اور اپنے فضل سے اُن کو زیادہ بھی عطا کریں۔

ایسے لوگوں کو اللہ کریم اُن کے اعمال سے کہیں زیادہ بڑھا کر اجر عطا کریں گے اور ان پر اپنی مہربانیاں مسلسل بڑھاتے ہی چلے جائیں گے۔ جنت کی نعمتوں کے بارے میں یہ ملتا ہے کہ جنت میں ہر نعمت میں ہر لمحہ ترقی ہوتی رہے گی۔ جنت کے کھانے کا ہر لقمہ نئی لذت لیے ہوگا۔ ہر آن لذت فزوں تر ہوتی رہے گی۔ فرمایا: وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٨﴾ اور اللہ جس کو چاہتے ہیں بے شمار رزق عطا فرماتے ہیں۔ اہل اللہ پر اللہ کریم کی عطا کی کوئی حد کوئی حساب نہیں ہے کہ اتنا دے گا اور کہیں بس ہو جائے گی بلکہ وہ بے حساب عطا کرتے جائیں گے اور اللہ کے بندے اللہ کی نعمتیں لیتے چلے جائیں گے۔ یہ انعام اس لیے کہ انہوں نے اللہ کے نور سے سینوں کو روشن کیا، اطاعتِ الٰہی اور اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کیا۔

## نورِ ایمان سے محروم لوگوں کے اعمال کی مثال:

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے ہوش سنبھالتے ہی سب سے پہلے سینے میں دھرا چراغ اٹھا کر پٹخ دیا، فرمایا: وَالَّذِينَ كَفَرُوا۔۔۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ

مَآءً ؕ حَتّٰٓی اِذَا جَآءَهٗ لَمْ یَجِدْهُ شَیْئًا ۔۔۔ان کے اعمال ( کی مثال ایسے ہے ) جیسے میدان میں ریت کہ پیاسا اس کو ( دور سے ) پانی سمجھے۔ یہاں تک کہ جب اس کے قریب پہنچے تو اسے کچھ بھی نہ پائے۔

جنہوں نے کفر اختیار کیا، اپنی طرف سے وہ بھی دنیوی اعتبار سے بڑے کام کر لیتے ہیں۔ دولت کما لیتے ہیں، عالی شان گھر بنا لیتے ہیں اور پھر بعض بتوں کی پوجا شروع کر دیتے ہیں ان پر بڑے چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور غیر اللہ کی خدمت کر کے سمجھتے ہیں کہ ہمارے پاس تو بہت کچھ ہے۔ فرمایا، ان کے اعمال کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی بہت پیاسا شخص صحرا میں ریت کے سمندر کو دیکھ کر سمجھتا ہے کہ پانی کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریا ہے۔ اسے سراب کہتے ہیں۔ سو فرمایا، ان کے اعمال کی مثال اس سراب جیسی ہے کہ وہ جن کاموں کو آج بہت اچھا سمجھ رہے ہیں اپنے غلط فیصلوں کو صحیح سمجھ رہے ہیں۔ اللہ اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو چھوڑ کر جن غلط کاموں کو بہت اچھا سمجھ کر کرتے رہے جب موت آئے گی تو اُن اعمال کی کوئی حیثیت نہیں رہے گی۔ یہ ایسے ہوگا جیسے کوئی پیاسا سراب کو ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریا سمجھ رہا ہو لیکن جب وہ وہاں پہنچتا ہے تو سوائے ریت کے کچھ نظر نہیں آتا۔ اس سے آگے یہ ہوتا ہے: وَوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ اور اس کے پاس اللہ ( قضائے الٰہی ) کو پائے سو وہ اُسے اُس کا ( اس کی عمر کا ) حساب پورا پورا چکا دے اور اللہ جلد حساب کرنے والے ہیں۔

دنیا میں اتباعِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ جن کاموں کو بڑا اعلیٰ سمجھ کر کرتا رہا پھر اگلی بات یہ ہوتی ہے اپنے قریب اللہ کو پاتا ہے اور وہاں اسے حساب دینا پڑتا ہے۔ کفار جب موت کی وادی سے گزریں گے تو دنیا میں جن کاموں کو بزعمِ خود نیکیاں سمجھتے تھے اُن کا وجود ہی نہیں ہوگا۔ اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر دنیا میں کسی نیکی کا تصور نہیں ہے۔

خلافِ پیغمبر کسے راہ گزید
ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

اپنی مرضی سے کیے گئے فیصلوں کو نیکیاں سمجھ کر کرنے والے جب موت کی گھاٹی سے گزریں گے تو قریب جا کر پتا چلے گا کہ وہ نیکیاں ایک سراب تھیں۔ وہاں کچھ بھی نہیں ہوگا بلکہ وہاں بارگاہِ الٰہی میں جوابدہی شروع ہو جائے گی کہ، وَاللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ اور اللہ جلد حساب کرنے والے ہیں۔ علمائے حق اور علمائے تفسیر فرماتے ہیں کہ یہ مثال ان ادیان کی ہے جو اپنے اپنے وقت پر تو اسلام تھے لیکن بعثتِ عالی کے بعد سب کے لیے اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ضروری ہو گیا۔ یہود و نصاریٰ خود کو صاحب کتاب کہتے اور اس کے باوجود اپنی کتابوں میں تحریف کے

مرتکب ہوئے ان میں تبدیلیاں کر دیں۔ پھر ان تحریف شدہ احکامات کے مطابق سمجھتے ہیں کہ بڑی نیکیاں کر رہے ہیں گرجے میں بڑی محنت کر رہے ہیں، صومعے میں بڑی عبادت کر رہے ہیں۔ یہ سب دھوکا ہے۔ جنہوں نے ذاتِ باری کا بھی انکار کر دیا یا بتوں کی پوجا شروع کر دی یعنی جو صریح کفر میں چلے گئے اور غیر اللہ کو حاجت روا سمجھ کر اُن کی عبادت اور اطاعت میں لگ گئے اُن کی مثال ایسی ہے، اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ۔۔۔ یا (اُن کی مثال ایسی ہے) جیسے گہرے سمندر میں اندھیرے، جس پر لہر چلی آتی ہو اُس (لہر) کے اوپر دوسری لہر اس کے اوپر بادل (ہے غرض) اوپر تلے بہت سے اندھیرے (ہی اندھیرے) ہیں۔

یعنی کفر کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی تاریک سیاہ سمندر کی گہرائی میں گر گیا ہو اور اس تاریکی پر موج پر موج لپٹتی آ رہی ہو جس سے تاریکی میں مزید اضافہ ہو رہا ہو۔ اس پر سورج بھی نہ ہو بلکہ گہرے سیاہ بادل چھا رہے ہوں۔ تاریکیاں ہیں جو ایک دوسرے پر بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ کفر کے ساتھ جتنی غیر اسلامی رسومات اپناتا ہے ایک تاریکی چھا جاتی ہے دوسرا کوئی کام کسی رسم کے تحت کرتا ہے ایک اور تاریکی آ جاتی ہے حتیٰ کہ تاریکیاں بڑھتی ہی چلی جاتی ہیں اور ایسی تاریکی میں چلا جاتا ہے کہ، اِذَآ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَا۔۔۔ جب اپنا ہاتھ نکالے (دیکھنے کے لیے) تو اسے دیکھ بھی نہ سکے۔

کفر بہت ہی بڑی مصیبت ہے، بہت بڑی محرومی ہے کہ اتنی تاریکیاں ہیں گویا کچھ سجھائی ہی نہیں دیتا، ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔ اس سے زیادہ بدنصیبی کیا ہوگی کہ بحیثیت انسان اللہ کریم نے اس کے سینے میں بھی دل رکھا تھا اور اس دل میں استعداد بھی رکھی تھی۔ اس کے سینے میں بھی چراغ رکھا تھا اس میں تیل بھی ڈالا تھا اس پر قندیل بھی رکھی تھی لیکن اس نے سب کچھ توڑ پھوڑ کر اپنے آپ کو کفر کی تاریکیوں، ظلمتوں اور گہرائیوں میں پھینک دیا۔

## بارگاہِ الٰہی اور اتباعِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم سے ہی نور عطا ہوتا ہے:

یاد رکھو، وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾ اور اللہ ہی جس کو نور نہ دے تو اس کو (کہیں سے بھی) نور (ہدایت) میسر نہیں ہو سکتا۔

یہ روشنی، یہ نور اللہ کی بارگاہ سے عطا ہوتا ہے۔ جس کے لیے اللہ روشنی نہ دے وہ اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ سے یہ روشنی حاصل نہیں کر سکتا۔ اللہ کی بارگاہ کو چھوڑ کر اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم کو چھوڑ کر اگر وہ کہیں اور سے روشنی حاصل کرنا چاہے تو یہ ہرگز ممکن نہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ یاد رہے کہ دنیا کے چھوٹے سے چھوٹے

کام میں بھی اتباعِ رسالت سے ہی نور ہے۔ اگر کوئی شخص چھوٹے چھوٹے کاموں میں اتباعِ سنت کی پروانہیں کرتا تو پھر بڑے بڑے کاموں میں بھی اُسے اتباعِ سنت نصیب نہیں ہوتا۔ اس لیے ہر کام خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، اس نظر سے نگرانی کرنی چاہیے۔ خصوصاً رزق اور حصولِ رزق کے معاملات میں بہت احتیاط کرنی چاہیے اور یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر بندہ اپنے نصیب کا رزق ہی کھاتا ہے۔ آج تک دنیا سے جتنے لوگ گزر چکے ہیں اگر وہ ایک ایک دانہ بھی فالتو چھوڑ جاتے تو آج زمین پر غلّے کے ڈھیر ہی لگے ہوتے اور اگر وہ ایک ایک دانہ زیادہ کھا جاتے تو بعد میں آنے والی مخلوق بھوکی مرجاتی۔ ہر کوئی اپنے حصّے کا دانہ اور پانی استعمال کر کے دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔ لوگ نادان ہیں جو چوری اور رشوت سے مال جمع کرتے ہیں جبکہ کھاتے اتنا ہی ہیں جتنا اُن کے نصیب کا ہے باقی چھوڑ کر مر جاتے ہیں۔

اللہ کے بندوں کو چاہیے کہ خود حلال کھائیں اور اولاد کو حلال کھلائیں تاکہ وہ اولاد بن کر دکھائے، کہیں ان کے لیے سزا کا سبب نہ بن جائے۔ اس لیے کہ حرام غذا سے جو بدن بنتا ہے اس میں نور کہاں سے آئے گا؟

آج کے عہد کی سب سے اہم ضرورت یہ ہے کہ ہم حصولِ رزق کے معاملے میں اتباعِ سنت اختیار کریں اپنے روزمرّہ کے معاملات میں، اپنے حلیے اور لباس میں بھی سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم کو اختیار کریں تو ہر کام میں اللہ کی طرف سے نور عطا ہوتا ہے۔ اللہ کریم خود نور بانٹتے ہیں اور یہ نور سینۂ اطہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے آتا ہے اس کے باہر نور کا کوئی تصوّر نہیں ہے۔ سو فرمایا جس کے لیے اللہ نور پیدا نہیں فرماتے اس کے لیے کوئی دوسرا روشنی نہیں دے سکتا۔

# سورۃ النور رکوع 6 آیات 41 تا 50

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِیْحَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ﴿۴۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُزْجِیْ سَحَابًا ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیْنَهٗ ثُمَّ یَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِیْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَیُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ یَّشَآءُ ؕ یَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ یَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿ؕ۴۳﴾ یُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾ وَ اللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰى رِجْلَیْنِ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰۤى اَرْبَعٍ ؕ یَخْلُقُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ ؕ وَ اللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۴۶﴾ وَ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالرَّسُوْلِ وَ اَطَعْنَا ثُمَّ یَتَوَلّٰى فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَ مَاۤ اُولٰٓىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۷﴾ وَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ اِنْ یَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ یَاْتُوْۤا اِلَیْهِ مُذْعِنِیْنَ ﴿ؕ۴۹﴾ اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْۤا اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾

(اے مخاطب!) کیا تُو نہیں دیکھتا کہ جو آسمانوں یا زمین میں ہیں اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں اور (بالخصوص) پرندے جو پَر پھیلائے ہوئے (اڑتے پھرتے) ہیں ہر ایک اپنی عبادت اور تسبیح (کے طریقے) جانتا ہے اور اللہ کو ان سب کے افعال کا پورا علم ہے ﴿۴۱﴾ اور اللہ ہی کی حکومت ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور اللہ ہی کی طرف (سب کو) لوٹ کر جانا ہے ﴿۴۲﴾ کیا تُو نہیں دیکھتا کہ اللہ (ایک) بادل کو (دوسرے بادل کی طرف) چلاتے ہیں پھر اُن کو باہم مِلا دیتے ہیں پھر اُن کو تہہ بہ تہہ کر دیتے ہیں پھر تُو بارش کو دیکھتا ہے کہ اُس کے بیچ سے نکلتی ہے اور آسمان (بلندی پر) میں جو اولوں کے پہاڑ ہیں ان میں سے (اولے) برساتے ہیں پھر جس پر چاہتے ہیں اُس کو گراتے ہیں اور جس سے چاہتے ہیں اُس کو ہٹا دیتے ہیں۔ (اور) اِس (بادل) کی بجلی کی چمک گویا آنکھ کی بینائی کو اچک لے جائے گی ﴿۴۳﴾ اللہ ہی رات اور دن کو بدلتے رہتے ہیں بے شک اس (سب) میں اہلِ دانش کے لیے بہت دلائل ہیں ﴿۴۴﴾ اور اللہ نے ہی ہر چلنے پھرنے والے جان دار کو پانی سے پیدا فرمایا سو ان میں کوئی ایسا ہے کہ پیٹ کے بل چلتا ہے اور کوئی ان میں ایسا ہے جو دو پیروں پر چلتا ہے اور کوئی ان میں چار (پیروں) پر چلتا ہے اللہ جو چاہتے ہیں بناتے ہیں بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہیں ﴿۴۵﴾ بلاشبہ ہم نے واضح آیات نازل فرمائی ہیں اور اللہ جسے چاہتے ہیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرماتے ہیں ﴿۴۶﴾ اور لوگ (زبان سے) کہتے ہیں ہم اللہ پر اور (اس کے) پیغمبر پر ایمان لے آئے اور ہم نے حکم مانا پھر اُس کے بعد اُن میں سے ایک گروہ پھر جاتا ہے اور یہ لوگ ایمان والے ہی نہیں ﴿۴۷﴾ اور جب اللہ اور اس کے پیغمبر کی طرف (اس غرض سے) بلائے جاتے ہیں تاکہ وہ (رسول) ان کے درمیان فیصلہ فرما دیں تو ان میں سے ایک گروہ منہ پھیر لیتا ہے ﴿۴۸﴾ اور اگر ان کا کوئی حق بنتا ہو تو سرِ تسلیم خم کیے آپ کے پاس چلے آتے ہیں ﴿۴۹﴾ آیا اُن کے دلوں میں بیماری ہے یا اُن کو شک ہے یا وہ ڈرتے ہیں کہ اللہ اور اس کا پیغمبر ان پر

زیادتی نہ کرنے لگیں۔نہیں (یہ بات نہیں)، بلکہ یہ خود ظالم ہیں ﴿۵۰﴾

# تفسیر ومعارف

## کائنات کا ہر ذرّہ اللہ کا ذکر کرتا ہے:

اللہ کریم کی اس بے کراں کائنات میں اس کی بے شمار مخلوق بستی ہے جو انسانی علوم اور اعداد و شمار سے بالاتر ہے۔ بے شمار مخلوق ایسی ہے جسے انسان جانتا تک نہیں ہے، پہچانتا نہیں ہے لیکن وہ انسان کی خدمت میں لگی ہوئی ہے۔ سوفرمایا: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۭ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ (اے مخاطب!) کیا تو نہیں دیکھتا کہ جو آسمانوں یا زمین میں ہیں اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں اور (بالخصوص) پرندے جو پَر پھیلائے ہوئے (اڑتے پھرتے) ہیں ہر ایک اپنی عبادت اور تسبیح (کے طریقے) جانتا ہے اور اللہ کو ان کے سب افعال کا پورا علم ہے۔

ارشادِ باری ہوتا ہے کہ تمہیں اس بات کی کیوں سمجھ نہیں آتی، کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ یقیناً جو کوئی آسمانوں میں ہے یا زمینوں میں ہے ہر چیز اللہ کا ذکر کرتی ہے۔ سورج ہے، چاند ستارے ہیں، آسمانی مخلوق ہے، ملائکہ ہیں یا خود آسمان ہے سب اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ پرندے جو پر پھیلائے فضا میں اڑ رہے ہیں سب اللہ کی تسبیح کرتے ہیں۔ زمینیں ہیں، سیارے ہیں، زمین میں جو کچھ ہے اس کے اجزا، شجر و حجر، بر و بحر جاندار ہر چیز اللہ کا ذکر کرتی ہے۔

علمائے حق فرماتے ہیں کہ ان تمام اشیاء کا تمام مخلوق کا ذکر دو طرح سے ہے۔ ایک تو ہر چیز اپنے حال سے اللہ کا ذکر کرتی ہے کہ جس چیز کو اللہ کریم نے جس کام کے لیے تخلیق فرمایا ہے وہ پوری تندہی سے اپنا فریضہ سرانجام دے رہی ہے اور کام کو اللہ کے حکم کے مطابق کرنا بھی ذکرِ الٰہی ہے۔ وہ عملی ذکر ہے۔ سوفرمایا، کائنات کا ہر ذرّہ، ارض و سما کی ہر شئے اپنے اپنے کام پر لگی ہوئی ہے اور پوری فرض شناسی سے اپنا کام کر رہی ہے چنانچہ عملاً ہر شے ذکر کر رہی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہر شئے کی اپنی زبان ہے اور ہر شئے اپنی زبان سے بھی اللہ کا ذکر کرتی ہے۔ پرندے کی اپنی زبان ہے، جانور کی اپنی ہے، درخت کی اپنی ہے اور پتھر کی اپنی زبان ہے۔ قرآنِ کریم کے مطابق ہر شئے اپنی حیثیت کے مطابق شعور رکھتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد گرامی ہے کہ میں ان پتھروں کو پہچانتا ہوں کہ جب میں باہر نکلتا تھا تو وہ مجھ پر سلام پیش کیا کرتے تھے۔ اُن درختوں کو پہچانتا ہوں جو

مجھ پر درود بھیجا کرتے تھے۔

ایک مشہور واقعہ ہے کہ ابوجہل مٹھی میں کنکر لے کر آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے عرض کی کہ کیا آپ بتا سکتے ہیں میری مٹھی میں کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ میرے بتانے کی کیا بات ہے جو مُٹھی میں ہے وہ بتا دے کہ میں کون ہوں، اوراُن کنکریوں نے کلمہ پڑھا۔ مولانا رومیؒ نے اسی پر لکھا ہے، لاالہ گفت، الا اللہ گفت۔

بعض حضرات لکھتے ہیں کہ پتھروں کا کلمہ پڑھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا معجزہ ہے لیکن محققین فرماتے ہیں کہ یہ معجزہ نہیں ہے اس لیے کہ ہر چیز ہمہ وقت اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے شجر وحجر ہر آن کلمہ پڑھ رہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا معجزہ یہ ہے کہ کفار کو بھی پتھروں کا کلمہ سنوادیا جبکہ نورِایمان کے بغیر دل میں وہ استعداد ہی نہیں آتی کہ شجر وحجر کی زبان سمجھ سکے۔ یہ کلام تو ہر مومن بھی نہیں سن سکتا تو کافر کہاں سن سکتا ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا معجزہ ہے کہ کفار ومشرکین کو بھی پتھروں کا کلمہ پڑھنا سنوادیا۔

فرمایا! کیا تم اس بات پر غور نہیں کرتے کہ کائنات کی ہر چیز عظمتِ الٰہی پر گواہ ہے اوراس کی پاکی بیان کر رہی ہے۔ اگر ان چیزوں کا کلمہ سنائی نہ بھی دے تو یہ تو دیکھ سکتے ہو کہ سورج کے طلوع وغروب کا نظام کب سے چل رہا ہے۔ آج تک سورج کی روشنی یا تمازت میں کوئی کمی بیشی نہیں آئی نہ ہی اس کے فاصلوں میں۔ اگر یہ ذرا ذرا سا بھی قریب آتا رہتا، اپنے مدار سے ہٹ جاتا تو کائنات تباہ ہو جاتی۔ اگر یہ ذرا ذرا سا بھی دور ہوتا جاتا تو آج تک زمین سردی سے یخ بستہ ہوگئی ہوتی اور یہاں ہر چیز جم کر مر جاتی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اسی طرح چاند کا طلوع وغروب اوراس کا گھٹنا بڑھنا، ستاروں کا طلوع وغروب، کائنات کی ہر شے کا پیدا ہونا، شجر وحجر کا پیدا ہونا، سوکھ جانا پھر سے ہرا بھرا ہو جانا ایک مسلسل تخلیقی عمل ہے، جو مسلسل جاری ہے۔ زمین پر خشک سالی آتی ہے، خشک موسم آتے ہیں گھاس پھونس سوکھ کر ہوا میں اُڑ جاتی ہے اور زمین چٹیل ہو جاتی ہے۔ اللہ کی رحمت سے پھر بارشیں برستی ہیں اور ساری زمین پر پھر سے سبزے کی چادر بچھ جاتی ہے۔

ہر پھول، پھل اپنا ذائقہ اور تاثیر لیے پیدا ہوتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو ایک سی بارش برستی ہے ایک سی ہی زمین ہے، کس نے ان گلوں میں رنگ بھر دیے ہیں؟ کس نے انہیں اتنی مختلف خوشبوئیں دی ہیں؟ یہ تو دیکھنے میں بھی سمجھ آتی ہے کہ عظمتِ الٰہی پر ہر چیز گواہ ہے اوراس کی پاکی بیان کر رہی ہے۔

یہ پَر پھیلائے پرندے کون اڑاتا ہے؟ بڑے بڑے پرندے بھی ہیں اور چھوٹے چھوٹے بھی ہیں، ہوا میں اٹھکیلیاں کرتے پھرتے ہیں آخر انہیں کون تھامتا ہے، کس نے انہیں یہ توفیق دی ہے؟ کیسے مزے سے پَر پھیلائے یہ

پرندے ہوا میں موجیں کر رہے ہیں۔

## ہر جاندار اپنی تسبیح اور عبادت کے طریقے سے واقف ہے:

فرمایا: كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيحَهٗ۔۔۔ ہر ایک اپنے عبادت اور تسبیح کے طریقے جانتا ہے۔ ہر چیز خواہ وہ جاندار ہے یا بے جان ہے جانتی ہے کہ اُسے اللہ کی عبادت اور اس کی تسبیح کیسے کرنی ہے۔ ہر ایک کی تسبیح کا انداز اپنا ہے اور ہر ایک کی عبادت کا انداز بھی جداگانہ ہے۔ عبادت سے مراد ہے کہ اللہ نے جو حکم دیا ہے اس پر عمل کرنا عبادت ہے۔ یہ سب کام کیوں عبادت کہلاتے ہیں؟ روزہ رکھنا کیوں عبادت ہے، زکوٰۃ ادا کرنا، حج کرنا یہ کیوں عبادت کہلاتے ہیں؟ اس لیے کہ یہ سب کام کرنے کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ اسی طرح عملی زندگی میں ہر وہ کام جو اللہ کی اطاعت میں کیا جائے عبادت بن جاتا ہے۔ رزقِ حلال کمانا بھی عبادت ہے، والدین کی خدمت بھی عبادت ہے، قوم و ملک کی خدمت، لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک بھی عبادت ہے۔

اللہ کریم نے چار طرح کی مخلوق کو اختیار دیا ہے۔ ان میں فرشتے ہیں جو صرف اطاعت کرتے ہیں۔ اُن کے پاس نفس نہیں ہے نہ ہی بھوک پیاس نیند وغیرہ ہے۔ فرشتے سراپا عبادت ہیں، فرمایا: لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (التحریم: 6) جو اللہ کی کسی بات میں نافرمانی نہیں کرتے جو وہ ان کو حکم دیتا ہے اس کو بجالاتے ہیں۔

اس کا مطلب ہے کہ فرشتے ہمہ وقت عبادت میں مشغول ہیں۔ ان کے مقابل شیطان ہے۔ شیطان شطن سے ہے جس کے معانی ہیں دوری یا لمبائی، دور چلے جانا۔ شیطان رحمتِ الٰہی سے دور ہو گیا اسی لیے شیطان کہلایا۔ اس کی اولاد اور پیروکار، خواہ وہ جنات میں سے ہوں یا انسانوں میں سے، سارے رحمتِ الٰہی سے دور ہو کر سراپا گناہ بن جاتے ہیں۔

تیسری مکلف مخلوق جنات ہیں اور چوتھی انسان ہے۔ جنات میں مومن بھی ہیں کافر بھی کہ انہیں بھی اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ایمان لاتے ہیں یا کفر کا انتخاب کرتے ہیں۔ نیک بھی ہیں اور ان میں بدکار بھی ہیں۔ نیک یا مسلمان جنّ تعداد میں کم ہوں گے لیکن ہوتے ضرور ہیں۔ کفار زیادہ ہیں اور ہر عقیدے کے ہیں۔ اس لیے کہ انسانوں کی آمد کے بعد جنات انسانوں کا ہی اتباع کرتے ہیں چنانچہ جتنے فرقے انسانوں میں ہیں اُتنے ہی فرقے انہوں نے بھی اپنا رکھے ہیں۔

چوتھی مکلف مخلوق انسان ہے اور انسانوں میں بہترین انسان انبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی ہیں اور انسانوں میں بدترین کفار ہی ہیں۔ مکلف مخلوق کا حساب روزِ حشر ہوگا۔ انہیں زندگی کی مخصوص مہلت دی جاتی ہے جس کی مدت

موت کے ساتھ ختم ہوجاتی ہے۔ زندگی کا باب بند ہوجاتا ہے اور عمل کا عرصہ ختم ہوجاتا ہے اور برزخ میں چلے جاتے ہیں اور قیامت تک وہی انتظار گاہ ہے۔

ان سب میں سب سے زیادہ مکلف انسان ہے کہ اسے معرفتِ ذاتِ باری کا شعور عطا ہوا ہے جو کسی دوسری مخلوق کو نہیں بخشا گیا۔

قرآن میں ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے: وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ۔۔(بنی اسرآئیل:44)(زمینوں اور آسمانوں میں) کوئی ایسی چیز نہیں مگر اس کی تعریف کے ساتھ پاکی بیان کرتی ہے۔

اس کا مطلب ہے کہ کائنات کی کوئی چیز جب تسبیح چھوڑ دے تو فنا ہوجاتی ہے۔ درخت چھوڑ دے تو سوکھ جاتا ہے، گھاس اور سبزہ چھوڑ دے تو خشک ہوجاتا ہے۔ دریا اور چشمے ذکر چھوڑ دیں تو خشک ہوجاتے ہیں۔ پہاڑ ذکر چھوڑ دیں تو ریزہ ریزہ ہوجاتے ہیں۔ ہر چیز کی بقا کا دارومدار اللہ کی تسبیح پر ہے۔ انسان بھی جب اللہ کی یاد چھوڑ دیتا ہے تو درحقیقت مرجاتا ہے، تباہ ہوجاتا ہے، بکھر جاتا ہے۔ ایک جانور، ایک درندہ باقی رہ جاتا ہے جو محض کھاتا پیتا ہے اور لوگوں کو ایذا پہنچاتے لڑتے بھڑتے مرجاتا ہے۔ جن میں ایمان نہیں ہوتا قرآن اُنہیں مردہ کہتا ہے جبکہ اللہ کی راہ میں جان دینے والے کو زندہ کہتا ہے۔ جو چیز اللہ کی تسبیح سے رک جائے وہ فنا ہوجاتی ہے۔ کائنات کے ہر ذرّے کی بقا اسی پر ہے۔ انسان کے لیے بھی ذکر کے یہ دونوں طریقے ہیں کہ وہ اپنے کردار سے بھی اللہ کو یاد کرے، اپنی گفتار سے بھی اللہ کو یاد کرے۔ اس کے اٹھنے بیٹھنے سے اس کے میل جول سے، دوستی دشمنی میں پتا چلے کہ یہ اللہ کا بندہ ہے یعنی اس کا کردار دیکھ کر اللہ یاد آئے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ دنیا سے پردہ فرما جائیں گے تو لوگ کس کے پاس راہنمائی کے لیے جائیں گے؟ آج تو کوئی سوال پیدا ہوتا ہے تو ہم آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوجاتے ہیں بعد میں آنے والے لوگ کیا کریں گے انہیں کون سیدھے راستے پر بلائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایسے لوگوں کے پاس جاؤ جن کے پاس بیٹھنے سے اللہ یاد آئے یعنی ایسے لوگ راہنمائی کریں گے جن کی محفل میں جا کر بیٹھو تو اللہ یاد آئے۔ ایک اور ارشادِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام یوں ہے۔ فرمایا: خِیَارُ عِبَادِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ اِذَا رُأُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ (مشکوٰۃ) اللہ کے اچھے بندے وہ ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ یاد آجائے۔

گویا انسان کی پوری عملی زندگی بھی ذکر ہے اور جتنی باتیں شرعی دائرے کے اندر کرتا ہے ساری ذکر ہیں۔ تلاوتِ قرآن کرتا ہے تو یہ بھی ذکر ہے۔ تسبیحات پڑھتا ہے، درود شریف پڑھتا ہے یہ سب ذکر ہے، لیکن جو عمومی باتیں بھی کرتا ہے اگر وہ خلافِ شریعت نہیں ہیں تو وہ بھی ذکر ہیں۔ خلافِ شریعت گفتگو سے زبان کو اسی

لیے روکتا ہے کہ اللہ کا حکم ہے تو اللہ کی یاد اس میں آجاتی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ انسان کو ذکرِ کثیر کا حکم دیا گیا ہے اور ذکرِ کثیر ذکرِ قلبی ہے، ذکرِ خفی ہے۔اللہ کریم جسے توفیق بخشیں: وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ اور اللہ کو ان سب کے افعال کا پورا علم ہے۔

ہر ایک کے کردار سے اللہ کریم ذاتی طور پر واقف ہیں للہٰذا کسی کی کوئی محنت ضائع نہیں جائے گی۔

## بادشاہی صرف اللہ کو زیب دیتی ہے:

فرمایا: وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾ اور اللہ ہی کی حکومت ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور اللہ ہی کی طرف (سب کو) لوٹ کر جانا ہے۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری

کائنات کی بادشاہی صرف اللہ ہی کے لیے ہے اور کسی کو جچتی ہی نہیں، یہ صرف اللہ ہی کو زیب دیتی ہے کہ باقی سب تو خود اللہ کی مخلوق ہے، محتاج ہے۔محتاج بھلا کیا حکمرانی کرے گا، محتاج کیا بادشاہت کرے گا، جو خود محتاج ہے فقیر ہے گداگر ہے مانگنے والا ہے وہ بھلا کیا حکومت کرے گا؟

دوسری جگہ ارشادِ ربانی ہے فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ (فاطر:15) اے لوگو! تم (سب) اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی بے نیاز، خوبیوں والے ہیں۔تم تو سارے فقرا ہو ہر لمحہ ہر چیز کے لیے محتاج ہو۔تمہاری ہر سانس ادھار ہے مانگی ہوئی ہے، ہر نگاہ مانگی ہوئی ہے ہر عضو مانگا ہوا ہے۔تم تو ہمہ وقت مانگنے والے ہو، کبھی پانی مانگتے ہو، کبھی کھانا مانگتے ہو کبھی لباس مانگتے ہو ہر لمحہ کچھ نہ کچھ مانگتے ہی رہتے ہو۔جو دنیا میں بادشاہ بنے بیٹھے ہیں وہ بھی مانگ رہے ہیں۔عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ امرا بڑی آسانی میں ہوتے ہیں، سچ تو یہ ہے کہ امرا زیادہ محتاج ہوتے ہیں غریبوں کی نسبت کہ غریب آدمی تو اپنے لیے مزدوری بھی کر لیتا ہے۔امیر آدمی تو خود اُٹھ کر پانی بھی نہیں پیتا بلکہ یہی چاہتا ہے کہ کوئی اُسے پانی پلا دے، کھانا کھلا دے بستر لگا دے وہ تو بندے بندے کا محتاج ہوتا ہے روزمرّہ کی زندگی میں بھی۔

فرمایا! بادشاہی زیب ہی اللہ کو دیتی ہے جو غنی ہے کسی کا محتاج نہیں ہے۔جو خود حق ہے اور حق ہی ارشاد فرماتا ہے۔بھلا ظلم کرنے والے بھی کبھی بادشاہ ہوتے ہیں۔انسانوں کے پاس وقتی اور لمحاتی طور پر اقتدار آتا ہے تو وہ ظلم کرتے ہیں۔حکمران کا کام عدل کرنا ہے، اپنی رعیت کی دیکھ بھال کرنا ہے، ظلم کرنا نہیں ہے۔انسان جب حکمران بنتا

ہے تو الٹا رعیت کو اپنی دیکھ بھال پر لگا لیتا ہے یہ کیسا طرزِ حکمرانی ہے کہ رعیت حکمرانوں کی دیکھ بھال کر رہی ہے۔ فرمایا یہ سارے گداگر ہیں مانگنے والے ہیں حکمرانی تو صرف اللہ کو سزاوار ہے جو دیتا ہے کسی سے لینے کا محتاج نہیں ہے۔ جو ہر چیز پر قادر ہے اور جس کا حکم چلتا ہے۔ دنیا کے حکمراں تو اسباب کے محتاج ہیں، حفاظت کے لیے محافظوں کے محتاج ہیں۔ اللہ کریم تو خود اسباب کا خالق ہے، مسبب الاسباب ہے۔ اللہ کے لیے ہی زمینوں اور آسمانوں کی بادشاہی ہے اس کے سوا کسی کو سزاوار نہیں اس لیے کہ سب نے ایک دن لوٹ کر اسی کے پاس جانا ہے۔ وہ وقت آئے گا جب اعلان کیا جائے گا، لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (المومن:16) آج کس کی بادشاہت ہے؟

دنیا کے بڑے بڑے شہنشاہ بھی میدانِ حشر میں ہوں گے، خدائی کے دعویدار بھی ہوں گے، جمہوری حکمران بھی موجود ہوں گے اور پوچھا جائے گا بتاؤ حکومت کس کو سزاوار ہے؟ آج کس کی بادشاہی ہے، آج کس کی حکمرانی ہے؟ کوئی چوں بھی نہ کر سکے گا، سب اللہ کی بادشاہی کا اقرار کریں گے لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔۔۔ (المومن:16) اللہ کی جو اکیلے اور غالب ہیں۔

## اللہ کی قدرت کاملہ کے کرشمے:

فرمایا: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا۔۔۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ (ایک) بادل کو (دوسرے بادل کی طرف) چلاتے ہیں پھر اُن کو باہم ملا دیتے ہیں پھر اُن کو تہہ بہ تہہ کر دیتے ہیں۔

اے مخاطب! کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ کس طرح بادلوں کو اٹھاتا ہے وہ پانی کو بخارات میں تبدیل کر دیتا ہے پھر وہ بخارات کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اکٹھے ہو کر بادلوں کے ٹکڑے بنتے ہیں۔ پھر اللہ انہیں جمع فرما دیتا ہے اور تہہ در تہہ گہرے بادل بن جاتے ہیں۔ وہی بخارات جو نظر نہیں آتے۔ دریا سے بھی اٹھ رہے ہیں، تالابوں سے بھی اٹھ رہے ہیں، سمندروں سے بھی اٹھ رہے ہیں ان کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بنتے ہیں پھر ان سے بادلوں کو جمع کرتا ہے اور یوں تہہ در تہہ گھٹائیں چھا جاتی ہیں۔ ان گھٹاؤں کے درمیان بظاہر کوئی پانی نہیں ہوتا۔ آج ہوائی جہاز پر سفر کرنے والوں نے دیکھا کہ جہاز بادلوں سے گزر کر اوپر نکل جاتے ہیں، پھر نیچے اتر آتے ہیں لیکن وہاں کوئی پانی نہیں ہوتا نہ ہی بجلی ہوتی ہے کیونکہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ بادلوں سے گزر کر کوئی جہاز EARTH ہوا ہو، یا بھیگا ہو یا اس پر پانی کی بوچھاڑ ہی پڑی ہو۔ ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ فرمایا لیکن جب وہ چاہتا ہے تو: فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ۔۔۔ پھر تو بارش کو دیکھتا ہے اس کے بیچ سے نکلتی ہے۔

جب اللہ چاہتے ہیں تو بادلوں کے بیچ میں سے پانی برسنے لگتا ہے۔ اتنا پانی ہوا اٹھائے پھرتی ہے جو ٹنوں کے حساب سے ہوتا ہے جسے زمین برداشت نہ کر سکے اُسے ہوا لیے پھرتی ہے۔ جہاں اللہ کریم حکم دیتے ہیں وہاں ہوا پانی کو لے جاتی ہے اور اس کے حکم سے برسا دیتی ہے۔ جہاں زیادہ برسانے کا حکم ہوتا ہے وہاں جب یہ برستا ہے تو زمین بھرا اُٹھتی ہے اور شہروں کے شہر غرق ہو جاتے ہیں یہ پانی بادلوں میں ہوتا ہے اور جہاں اللہ کریم نہیں چاہتے وہاں نہیں ہوتا۔ جتنے چاہتا ہے اتنے ہی بادل بنتے ہیں اور اتنا ہی برستے ہیں۔ بعض اوقات کالی گھٹائیں چھا جاتی ہیں لیکن ایک قطرہ پانی کا نہیں برستا جبکہ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ دھوپ ہوتی ہے آسمان صاف ہوتا ہے یکا یک بادل آتے ہیں اُن میں سے بارش کی بوندیں نکلتی ہیں اور یکدم جھل تھل کر دیتی ہیں۔

آج کا انسان بارش کے ظاہری اسباب تلاش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ دھوپ سے پانی میں بخارات اٹھتے ہیں پھر ہوا میں بادل بن کر چلتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ مگر یہ کیوں نہیں غور کرتے کہ دھوپ کون نکالتا ہے؟ دھوپ میں بھاپ بنانے کی تاثیر کس نے رکھی ہے؟ سورج کو گرمی اور روشنی کس نے دی ہے؟ اسباب کو بنانے اور چلانے والا کون ہے اور اسباب چاہے کتنے ہی بے حد و حساب کیوں نہ ہوں انہیں کنٹرول بھی اللہ کریم کی قدرت کاملہ ہی کرتی ہے۔

فرمایا: وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ۔۔۔ اور آسمان (بلندی پر) میں جو اولوں کے پہاڑ ہیں ان میں سے (اولے) برساتے ہیں پھر جس پر چاہتے ہیں گراتے ہیں اور جس سے چاہتے ہیں اس کو ہٹا دیتے ہیں۔

آسمانوں میں جہاز فضاؤں میں پھرتے ہیں بادلوں سے اوپر اڑتے ہیں لیکن کبھی کوئی جہاز اولوں سے نہیں ٹکرایا۔ جہاز میں بیٹھ کر دیکھا جائے تو دور نیچے بادلوں کی تہہ نظر آتی ہے اوپر فضا صاف ہوتی ہے۔ جب جہاز نیچے اترتے ہیں تو بادلوں کی تہوں سے گزرتے ہیں لیکن کبھی جہاز کے شیشوں سے اولے ٹکراتے دیکھے نہ ہی سنے۔ اللہ قادر ہیں وہیں سے اولے برسا دیتے ہیں اور ایسے لگتا ہے جیسے پتھروں کی بارش ہوگئی، پھر اولے ہی اولے نظر آتے ہیں لیکن ایسا نہیں ہے کہ اولے بے تحاشہ برسیں بلکہ صرف وہاں برستے ہیں جہاں وہ ربِ کائنات برسانا چاہے۔ ایک کھیت اولوں سے تباہ ہو جاتا ہے دوسرا ساتھ ہی سلامت کھڑا ہوتا ہے۔ جسے چاہیں بچا لیتے ہیں جسے چاہیں تباہ کر دیتے ہیں اور ایسا بھی نہیں ہے کہ جہاں برسائیں وہاں جتنا مرضی برستے رہیں بلکہ ہر ایک قطرے پر اور ہر اولے پر اس کا اختیار ہے جہاں اللہ کریم حکم دیں وہاں پہنچتا ہے۔

فرمایا: يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ (اور) اس (بادل) کی بجلی کی چمک گویا آنکھ کی بینائی کو

اچک لے جائے گی۔

جب بادلوں میں بجلی کڑکتی ہے تو ایسے لگتا ہے کہ انسان کی نگاہ اُچک لے گی اندھا کر دے گی لیکن بادلوں میں سے جہاز میں سوار ہو کر گزرو تو وہاں بجلی نہیں ہوتی۔ بادلوں میں پانی نہ ہی اولے نظر آتے ہیں۔ اللہ کریم خود ہی جانتے ہیں کہ یہ سب چیزیں انہوں نے کہاں سجا رکھی ہوتی ہیں، کہاں چھپا رکھی ہوتی ہیں کہاں اور کب ظاہر فرماتے ہیں۔ وہ قادر ہے بادلوں میں اس نے بجلی بھی رکھی ہوئی ہے جب چمکتی ہے تو آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے۔

بادشاہی تو اللہ ہی کو زیبا ہے کہ اُس کے سوا کوئی نہیں جو بارش برسا سکے۔ کوئی ایسا نہیں جو اولے برسائے اور جب چاہے، جہاں چاہے، جتنے چاہے برسا دے یا جب برف باری کرے تو برف کے تلے کتنے پہاڑ دب جاتے ہیں۔ ایسے پہاڑ بھی ہیں جو سالہا سال برف پوش رہتے ہیں حالانکہ بادلوں میں برف کا کوئی ٹکرا تک نظر نہیں آتا۔ یہ سب قدرت باری کے کرشمے ہیں۔

اللہ کریم کی قدرتِ کاملہ کا ایک اور مظہر یہ بھی ہے کہ: يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ۔۔۔ اللہ ہی رات اور دن کو بدلتے رہتے ہیں۔

اللہ کی بارگاہ میں ایک ایک رات، ایک ایک دن کا حساب ہے کہ کتنے لمحے رات کی تاریکی ہوگی اور کتنے لمحے دن روشن رہے گا وہی ہیں جو انہیں گھٹاتے اور بڑھاتے رہتے ہیں۔ اللہ ہی رات کو دن میں داخل کرتے ہیں تو دن بڑا ہو جاتا ہے اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی دن کو رات میں داخل کرتے ہیں تو رات بڑی ہو جاتی ہے دن چھوٹے ہو جاتے ہیں۔ یہ نظام ایسا ہے کہ مستقل ایک ہی ڈگر پر چل رہا ہے جس سے انسانوں نے بھی اندازے لگا لیے ہیں کہ فلاں تاریخ کو رات اتنی لمبی ہوگی اور فلاں کو اتنی ہوگی۔ اللہ کریم رات اور دن کو ادل بدل کرتے رہتے ہیں اور کوئی اُس کے نظام کو روک نہیں سکتا نہ آگے پیچھے کر سکتا ہے۔ وہی بھلا ہے جو خود کو اس نظام سے جوڑ لے جو اس نظام سے ٹکراتا ہے وہ خود ٹوٹ جاتا ہے اللہ کا نظام نہیں ٹوٹتا یہ ایسا مضبوط نظام ہے۔

## قدرتِ باری کے مظاہر اہلِ نگاہ کے لیے سبق آموز ہیں:

فرمایا: اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَعِبۡرَةً لِّاُولِى الۡاَبۡصَارِ ۝٤٤ بے شک اس (سب) میں اہل دانش کے لیے بہت دلائل ہیں۔

ان سب باتوں میں جو لوگ صاحب نگاہ ہیں، اہل دانش و بصیرت ہیں اُن کے لیے بڑی عبرت ہے کہ ایسے قادرِ مطلق رب کی اطاعت کیوں نہ کی جائے جس نے انسان کی خدمت کے لیے اتنا بڑا نظامِ کائنات چلا رکھا ہے۔

اہلِ نظر دیکھتے ہیں کہ آخر یہ بارشیں کیوں برستی ہیں سورج کیوں نکلتا ہے، چانداور ستارے کس کے لیے چمکتے ہیں، پرندے جانور دریا اور سمندر کس کی خدمت کے لیے ہیں؟ یہ سب انسان کے لیے ہیں اور انسان میں کیا اتنا شعور بھی نہیں ہے کہ اس کا شکرادا کرے۔ اس منعم حقیقی نے خاکی ذرّات کو مختلف شکلیں دیں اور بالآخر پانی کی ایک شکل دے دی اور اس کے ایک قطرے میں لاکھوں جرثومے سمو دیے اور صرف ایک جرثومے سے انسان کا وجود پیدا فرما دیا۔ کیا انسان غور نہیں کرتا کہ پھر اُسے اللہ نے شکل وصورت عطا کی، زیب وزینت دی علم وشعور عطا فرمایا، بینائی، سماعت اور گویائی عطا فرمائی تو پھر اس کا بدلہ یہی ہے کہ انسان اپنے پروردگار کا شکرادا کرے۔ آخر انسان اللہ سے بغاوت کر کے کہاں جائے گا کہ یہ نظام چلتا رہے گا اور اس کی جوانی بھی بڑھاپے میں ڈھل جائے گی۔ قرآن میں اس کے بارے ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے: وَمَنۡ نُّعَمِّرۡهُ نُنَكِّسۡهُ فِى الۡخَلۡقِ (یٰسٓ:68) اور جس کو ہم بڑی عمر دیتے ہیں تو اس کو طبعی حالت میں الٹا کر دیتے ہیں۔ انسان بڑھاپے میں پھر بچہ بن جاتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بچوں کی طرح ضد شروع کر دیتا ہے۔ یاداشت کمزور ہوجاتی ہے باتیں بھول جاتا ہے، چیزیں رکھ کر بھول جاتا ہے۔ یعنی بڑھاپے میں اللہ کریم اس کی تخلیق پھر سے الٹا دیتے ہیں اور وہ دوبارہ بچوں کی طرح ہوجاتا ہے۔ بزرگوں کا مزاج چونکہ بچوں جیسا ہوجاتا ہے تو اُن کی اولاد کو یہ بات سمجھنی چاہیے اور اُن سے تنگ نہیں آنا چاہیے بلکہ اُن کی خدمت کرنی چاہیے۔

ان سب باتوں میں صاحبِ نظر کے لیے بڑی عبرت ہے لہٰذا اُسے چاہیے کہ اپنے آپ کو اللہ کے نظام کے مطابق ڈھال لے، اُس کے مطابق چلے اور احکامِ الٰہی کی اطاعت کرے۔ وہ اللہ کے نظام کی مخالفت کر کے کیا دن کو رات یا رات کو دن بنا لے گا؟ کیا بارش کو برسا یا روک سکے گا؟ ہرگز نہیں! مخالفت کرنے والا خود تباہ ہو جائے گا اللہ کا نظام نہیں ٹوٹے گا۔ صاحبِ دانش لوگوں کے لیے اس سارے نظام میں بہت عبرت ہے کہ جب کسی ذرّے میں حکم الٰہی سے سرتابی کی مجال نہیں تو یہ لمحاتی اختیار جو ہمیں عطا ہوا ہے ہم اس زندگی میں اللہ کی نافرمانی کیوں کریں۔

## سب جانداروں کی تخلیق پانی سے:

فرمایا: وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنۡ مَّآءٍ۔۔۔ اور اللہ نے ہی ہر چلنے پھرنے والے جاندار کو پانی سے پیدا فرمایا۔

اللہ کریم نے ہر ذی روح، پانی کے ایک قطرے سے ہی بنایا ہے اس کی صنعت کا کمال ہے کہ ہر جاندار کے

اجزا خاک سے ہیں ہر ایک کا خمیر خاک سے ہے لیکن اُن خا کی ذرّات کو پھر وہ ایک پانی میں تبدیل کر دیتا ہے۔

خا کی ذرّات سے کہیں پھل بنتا ہے کہیں غلّہ بنتا ہے چاول بنتے ہیں تو کہیں جڑی بوٹیاں بنتی ہیں جن سے دوا بنتی ہے۔ یہ سب انسان کی غذا بن جاتی ہے اور مختلف مراحل سے گزر کر مَنی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ پانی کی یہ خصوصیت کہ جس کے ایک قطرے میں لاکھوں جرثومے پائے جاتے ہیں اور اس سے توالد وتناسل کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اسی پانی کے قطرے سے انسان بھی پیدا ہوتے ہیں، حیوان بھی پرندے بھی پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ کریم ایسے قادرِ مطلق ہیں کہ مادّے کو پیدا فرماتے ہیں پھر سب طرح کے مادّے کو ڈھال کر ایک پانی کی شکل دے دیتے ہیں اور اسی پانی کے قطرے سے جان دار کو پیدا کر دیتے ہیں۔

فرمایا وہ ایسا قادر ہے کہ: فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۔۔۔ ان میں سے کوئی ایسا ہے کہ پیٹ کے بل چلتا ہے۔

یعنی ان جان داروں میں سے ایسے بھی ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں، مثلاً سانپ، چھپکلی وغیرہ اور بعض ایسے ہیں: وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ۔۔۔ اور کوئی ان میں ایسا ہے جو دو پیروں پر چلتا ہے اور کوئی ان میں چار (پیروں) پر چلتا ہے۔ اللہ جو چاہتے ہیں بناتے ہیں۔

سب جانداروں کا خالق ایک ہے۔ جسے پیٹ کے بل رینگنے کے لیے بنایا وہ پیٹ کے بل رینگتا ہے اپنے لیے ٹانگیں مہیا نہیں کر سکتا۔ جسے دو ٹانگیں دی گئی ہیں اس کی چار نہیں بنتی اور چار ٹانگوں والا دو ٹانگوں پر نہیں چل سکتا۔ اس کے نظام کی مخالفت ممکن نہیں ہے، کوئی کیا تبدیلی کر لے گا اور اس کے نظام میں کیا رخنہ ڈالے گا؟ اس کا کیا بگاڑ لے گا۔ وہ ایسا قادر ہے کہ جو چاہتا ہے تخلیق فرماتا ہے، جس طرح کی مخلوق پیدا کرنا چاہتا ہے، کر دیتا ہے۔ کیا انسان ایک چیونٹی کی ہیئت بدل سکتا ہے، کیا کسی پرندے کی صورت بدل سکتا ہے؟ ہرگز نہیں تو پھر انسان کو چاہیے کہ خود کو اللہ کے نظام کے مطابق ڈھالے مخالفت نہ مول لے اس لیے کہ: اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہیں۔ ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہتے ہیں کہ وہ قادرِ مطلق ہیں۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ انسان اپنی خواہش کو اُس کی خواہش کے مطابق ڈھال لے کیونکہ ہو گا وہی جو اللہ چاہے گا۔ انسان قادر نہیں ہے کہ جو چاہتا ہو ویسا ہو بھی جائے۔ اللہ ہی قادر ہے۔

## راہنمائی کے لیے واضح ارشادات:

فرمایا: لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾ بلاشبہ ہم

نے واضح آیات نازل فرمائی ہیں اور اللہ جسے چاہیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرماتے ہیں۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ہم نے ایسی آیات نازل فرمائی ہیں جو باتوں کو کھول کر بیان کرتی ہیں کسی طرح کی غلط فہمی نہیں رہنے دیتیں۔ اللہ کریم نے ایسی نشانیاں نازل فرمائی ہیں ایسی کتابیں اور انبیاؑ نے ایسے ارشادات فرمائے ہیں جو کسی بات میں کسی کام میں کسی طرح کا ابہام یا غلط فہمی رہنے ہی نہیں دیتے، ہر چیز کھول کر رکھ دیتے ہیں۔ جو یہ ساری آیات سن کر، پڑھ کر، سمجھ کر ہدایت پانا چاہتا ہے جس کے دل میں ہدایت کی آرزو پیدا ہوجاتی ہے اس کے لیے ہدایت کے راستے کھول دیتے ہیں۔ فرمایا: وَيَهْدِيٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ (الشوریٰ: 13) جو اس کی طرف رجوع کرے اُسے اپنی طرف راستہ دِکھا دیتے ہیں۔

جس کے نہاں خانۂ دل میں ہدایت کی آرزو جنم لیتی ہے جو ہدایت کا طالب ہوتا ہے اللہ اسے محروم نہیں رکھتے اُسے ہدایت فرما دیتے ہیں، سیدھے راستے کی طرف راہنمائی فرما دیتے ہیں۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہم اگر گمراہیوں کا شکار ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری طلب صادق نہیں ہے۔ ہمارے نہاں خانہء دل میں شاید وہ طلب ہی پیدا نہیں ہوئی کہ اللہ ہمیں ہدایت فرماتے۔ وہ طلب پیدا کرنی چاہیے۔

## اقرارِ اطاعت کے بعد نافرمانی پر اصرار؟

لوگ کیوں گمراہ ہوجاتے ہیں؟ فرمایا: وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٧﴾ اور لوگ (زبان سے) کہتے ہیں ہم اللہ پر اور (اس کے) پیغمبر پر ایمان لے آئے اور ہم نے حکم مانا پھر اس کے بعد اُن میں سے ایک گروہ پھر جاتا ہے اور یہ لوگ ایمان والے ہی نہیں۔

ایسے لوگ جو اللہ کی نازل کردہ روشن آیات سن کر بھی بہرے بنے رہے اور اُن کے دل میں ہدایت کی آرزو ہی پیدا نہیں ہوئی وہ تو گمراہ ہوئے ہی ہدایت نہ پا سکے لیکن وہ لوگ کیوں گمراہ ہوگئے جن کا دعویٰ تھا کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لے آئے ہیں؟ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم اللہ کو واحد و لاشریک مانتے ہیں، زبانی اقرار کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو برحق رسول مانتے ہیں لیکن جب عملی زندگی میں داخل ہوتے ہیں تو نافرمانی کرتے ہیں۔ اسی لیے لوگ گمراہ ہوجاتے ہیں کہ دعویٰ تو اسلام کا کرتے ہیں جب کلمہ پڑھتے ہیں تو اس میں اقرار کرتے ہیں کہ اللہ کو معبودِ برحق مانتے ہیں رسول اللہ کو رسولِ برحق صلی اللہ علیہ وسلّم مانتے ہیں اور اطاعت کریں گے، لیکن عملاً اطاعت نہیں کرتے۔ گویا یہ طبقہ اپنے قول سے پھر جاتا ہے اس کا دعویٰ تو یہ

تھا کہ میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت کروں گا لیکن جب میدانِ عمل میں جاتا ہے تو نافرمانی کرتا ہے۔ فرمایا، یادرکھو یہ لوگ ایمان والے نہیں ہیں۔ اگر سمجھا جائے تو یہ بہت سخت بات ارشاد ہوئی ہے کہ ایک بندہ کلمہ پڑھتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو ماننے کا دعویٰ کرتا ہے، اُن کی اطاعت کا وعدہ کرتا ہے کہ کلمہ اسی اقرار کا نام ہے لیکن عمل اپنی پسند سے کرتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات کے خلاف کرتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے: وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ۝ یہ لوگ ایمان والے نہیں ہیں۔

قرآن کریم کے اس انداز کو دیکھیں کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم پر اور اطاعت کا اقرار کرنے کے بعد نافرمانی کرتے ہیں تو ان کا دعویٰ ایمان جھوٹ ہے۔ یہ لوگ ایمان والے نہیں ہیں اس لیے کہ ہر دعویٰ عمل سے ثابت ہوتا ہے، دعوے کا ثبوت عمل ہوتا ہے۔ مسلمان کہلانے سے بات نہیں بنتی مسلمان ہونے اور اسلام پر عمل سے بات بنتی ہے۔ یادرہے کہ ہم کسی پر کفر کا فتویٰ دینے کے مجاز نہیں ہیں۔ ایک دفعہ حضرت اشرف علی تھانویؒ سے کسی نے کہا کہ مولوی صاحبان لوگوں کو کافر بناتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ مولوی کافر بناتے نہیں کافر بتاتے ہیں کافر لوگ خود بنتے ہیں۔ علما صرف بتاتے ہیں کہ یہ کافر ہو گیا ہے کافر بناتے نہیں ہیں۔

اب اسی آیہ کریمہ میں یہ اصول ارشاد ہو گیا کہ ایمان کا محض دعویٰ کافی نہیں ہے عملاً اطاعت ضروری ہے۔ ایک آدمی دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے کھانا کھا لیا لیکن کھاتا نہیں ہے تو کیا اس دعوے سے اس کی بھوک مٹ جائے گی؟ کھانا کھائے گا تو مٹے گی محض کہنے سے نہیں مٹے گی۔

## اسلامی نظام کا نفاذ، ایمان کی کسوٹی ہے:

فرمایا: وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۝ اور جب اللہ اور اس کے پیغمبر کی طرف (اس غرض سے) بلائے جاتے ہیں تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرمادیں تو ان میں سے ایک گروہ منہ پھیر لیتا ہے۔

ایسے برائے نام مسلمانوں سے جب کہا جائے کہ معاملات میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم سے فیصلہ کروائیں یعنی اپنے نظامِ حیات پر اللہ کے دین کو نافذ کریں تو کہتے ہیں کہ یہ ہمیں منظور نہیں۔

مسلمان جب اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف بلائے جائیں تاکہ وہ ان کے درمیان یہ فیصلہ فرمادیں کہ اُن کے معاملاتِ دنیا کیسے چلائے جائیں گے۔ مسلمانوں کی معاشرت، معیشت، عدالتی نظام، لین دین،

تہذیب اور ثقافت کیسی ہو یہ سب اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم ارشاد فرمائیں گے۔ جب بات یہاں پہنچتی ہے تو اُن میں سے ایک طبقہ منہ پھیر لیتا ہے اور اطاعت سے انکار کرتا ہے۔ غریب کو تو نہ چاہتے ہوئے بھی انکار کی جرأت شاید نہ ہو لیکن امرا اور بااثر لوگ الگ ہو جاتے ہیں۔ آج کے دور میں بھی نام نہاد دانشور مل جاتے ہیں جو خود کو مسلمان کہتے ہیں لیکن اسلام کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ خیال نہیں کرتے بلکہ انہیں اسلام کے قوانین پر اعتراض بھی ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ ہرگز ایمان دار نہیں ہو سکتے۔

اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ جن مسلمان ممالک میں شریعت نافذ نہیں ہے قانونِ الٰہی کو حکومت کا قانون نہیں بنایا گیا، اس آیت کے مطابق اُن ذمہ داران کا مسلمان ہونا مشکوک ہے۔

اسلام تو مکمل ضابطۂ حیات ہے جو قیامت تک آنے والے ہر سوال کا جواب دے سکتا ہے لیکن آج کل کے برائے نام مسلمان اسلام سے محبت کا دعویٰ تو رکھتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے عقیدت کا دم بھرتے ہیں، نعتیں قوالیاں تو جھوم جھوم کر سنتے ہیں لیکن جب نظامِ حیات پر نفاذ کی بات ہو تو کہتے ہیں اسلام برحق تو ہے لیکن جدید دور کا ساتھ نہیں دے رہا۔ یعنی معاذ اللہ اُن کی نظر میں یہ نامکمل ہے۔ اسلام تو ہر دور کے لیے نافذ العمل ہے، ہر مسئلے کا حل پیش کرتا ہے۔ الگ بات ہے وہ حل ان لوگوں کو پسند نہیں آتے کہ ان کی خواہشات پوری نہیں کرتے۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے قانون کا ساتھ زمانے کو دینا ہے، زمانہ اس کے تابع ہے، وہ زمانے کے تابع نہیں ہے۔ انسان اس کے تابع ہیں، اللہ کا دین انسانوں کی خواہشات کے تابع نہیں ہے۔ کتنی بدنصیبی ہے کہ آج جمہوریت ہی کا راگ الاپا جاتا ہے اور ایوانوں میں غیر اسلامی نظام کے تحت بننے والے قوانین کو تو قابلِ عمل سمجھا جاتا ہے جدید دور اور زمانے کے ساتھ ہم آہنگ سمجھا جاتا ہے اور اسلام کو معاذ اللہ ناقابلِ عمل۔ یہ رویہ ایمان کے منافی ہے۔

فرمایا: وَاِنۡ يَّكُنۡ لَّهُمُ الۡحَقُّ يَاۡتُوۡۤا اِلَيۡهِ مُذۡعِنِيۡنَؕ﴿۴۹﴾ اور اگر ان کا کوئی حق بنتا ہو تو سرِ تسلیم خم کیے آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کے پاس چلے آتے ہیں۔

ایسے لوگ جو اسلام سے بھاگتے ہیں اور اس پر عمل کرنا مشکل سمجھتے ہیں، مزے کی بات یہ ہے کہ اگر انہیں کوئی فائدہ مل رہا ہو تو فوراً اسلام کی طرف آجاتے ہیں۔ انہیں دین یاد آجاتا ہے اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلّم یاد آجاتا ہے۔ جہاں کچھ دینا پڑے کوئی خواہش یا عادت قربان کرنی پڑے، کوئی برائی چھوڑنی پڑے وہاں اسلام کو قدامت پسندی کہتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے جھگڑوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے فیصلے کروانا پسند نہیں کرتے لیکن اگر ان کو کچھ فائدے کی امید ہو کوئی چیز دوسرے فریق کے قبضے میں ہو اور ان کا حق بنتا ہو تو پھر دوڑے

آتے ہیں پھر مسلمان بن جاتے ہیں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم یاد آجاتے ہیں۔ پھر حق جتاتے ہیں کہ یہ حق ہمیں اللہ نے دیا ہے، یہ حق ہمیں قرآن نے دیا ہے۔ گویا دین کو بھی دنیا کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ان کی مسلمانی محض دنیا حاصل کرنے کے لیے ہے، جہاں کوئی دنیوی فائدہ نظر آتا ہے وہاں اسلام کے لیے بڑی گرمجوشی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور جہاں کچھ دینا پڑتا ہے وہاں سے فرار کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں۔

فرمایا: اَفِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ اَمِ ارۡتَابُوۡۤا اَمۡ یَخَافُوۡنَ اَنۡ یَّحِیۡفَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ وَرَسُوۡلُہٗ ؕ بَلۡ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۵۰﴾ آیا اُن کے دلوں میں بیماری ہے یا اُن کو شک ہے یا وہ ڈرتے ہیں کہ اللہ اور اس کا پیغمبر ان پر زیادتی نہ کرنے لگیں۔ نہیں (یہ بات نہیں) بلکہ یہ خود ظالم ہیں۔

ان لوگوں کے دل کا مرض کیسا شدید ہے کہ کبھی تو انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی نبوت پر ہی شک ہوتا ہے اور کبھی ان کے دلوں میں یہ وہم آجاتا ہے کہ اگر ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس فیصلے کے لیے جائیں گے تو معاذ اللہ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم ان سے ظلم کریں گے۔ یہ اسلام کے قانون سے اس لیے بھاگتے ہیں کہ ان کے دل تباہ ہو گئے ہیں اور ان کے دلوں میں یہ بات آگئی ہے کہ اللہ کا قانون ان سے زیادتی کا مرتکب ہوگا۔ درحقیقت یہ لوگ خود بہت ظالم ہیں جو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے دین کو، دینی احکام کو ظالمانہ، جابرانہ یا وحشیانہ کہتے ہیں وہ خود سب سے بڑے ظالم ہیں۔ ظلم یہ خود کرتے ہیں الزام دین پر دیتے ہیں۔ یہ بے انصاف، ظالم لوگ ہیں۔

## سورۃ النور رکوع 7 آیات 51 تا 57

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾

دراصل ایمان والوں کی بات تو یہ تھی کہ جب ان کو اللہ اور اس کے پیغمبر کی طرف بلایا جائے کہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور ایسے ہی لوگ (آخرت میں) کامیابی حاصل کریں گے ﴿۵۱﴾ اور جو شخص اللہ اور

اس کے پیغمبر کی فرمانبرداری کرے اور اللہ سے ڈرے اور پرہیزگاری اختیار کرے تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں ﴿۵۲﴾ اور یہ اللہ کی بڑی سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر آپ ان کو حکم دیں تو یہ ضرور (گھروں سے) نکل کھڑے ہوں۔ فرمایئے قسمیں مت کھاؤ (تمہاری) فرمانبرداری (کی حقیقت) معلوم ہے (کیونکہ) بے شک اللہ تمہارے کاموں سے خوب باخبر ہیں ﴿۵۳﴾ فرما دیجیے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور (اس کے) پیغمبر کی اطاعت کرو پھر اگر (اطاعت سے) رُوگردانی کرو گے تو (سمجھ لو کہ) ان (پیغمبر) کے ذمہ وہی (تبلیغ) ہے جو ان کی ذمہ داری مقرر کی گئی ہے اور تمہارے ذمہ وہ ہے جس کی ذمہ داری تم پر مقرر کی گئی ہے۔ اور اگر تم ان کے فرمان پر چلو گے تو سیدھا راستہ پا لو گے ﴿۵۴﴾ اور (بہرحال) پیغمبر کے ذمہ صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ جو لوگ تم میں سے ایمان لائیں اور نیک کام کریں اللہ ان سے وعدہ فرماتے ہیں کہ (اتباع کی برکت سے) ان کو ملک میں ضرور حکومت عطا فرمائیں گے جیسا ان سے پہلے (اہلِ ہدایت) لوگوں کو حکومت بخشی تھی اور ان کے لیے ان کے دین کو جسے ان کے لیے پسند فرمایا ہے ضرور مستحکم (اور پائیدار) فرمائیں گے اور خوف کے بعد اُن کو ضرور امن بخشیں گے۔ وہ میری ہی عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں گے۔ اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ بدکردار ہیں ﴿۵۵﴾ اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور پیغمبر کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم فرمایا جائے ﴿۵۶﴾ (اے مخاطب!) کافروں کے بارے یہ خیال نہ کرنا کہ وہ زمین (کے کسی حصہ) میں (بھاگ کر ہم کو) ہرا دیں گے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے ﴿۵۷﴾

# تفسیر و معارف

گزشتہ رکوع کی آخری آیات میں ان لوگوں کی بات چل رہی تھی جن کے دلوں میں مرض ہے، بیماری ہے یا

کسی شک میں مبتلا رہتے ہیں، انہیں یہ خوف ہے کہ اللہ یا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم اُن کے ساتھ زیادتی نہ کرنے لگیں حالانکہ یہ خود ظالم ہیں۔اس رکوع میں مومنین کے کردار پر بحث ہے۔

## مومنین کا کردار:

اللہ کریم نے ایک اصول ارشاد فرمادیا ہے جس سے ہر کلمہ گو اپنے آپ کو جانچ سکتا ہے کہ وہ کیسا مومن ہے، اس کا ایمان کتنا سچا ہے۔اس کا کردار اس کے ایمان پر کتنا گواہ ہے۔

فرمایا: اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾

دراصل ایمان کی بات تو یہ تھی کہ جب ان کو اللہ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف بلایا جائے کہ ان کے درمیان فیصلہ کردیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور ایسے ہی لوگ ( آخرت میں ) کامیابی حاصل کریں گے۔

اس آیۂ کریمہ میں پورے نظامِ زندگی کی بات آ گئی کہ جنہیں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان اور یقین ہے ان کے سارے معاملاتِ زندگی احکامِ الٰہی اور ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم کے مطابق طے ہوتے ہیں۔ یہ شرطِ ایمان ہے۔مومنین کے درمیان ہر بات کا فیصلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کرتے ہیں خواہ وہ معاملہ تہذیب وتمدن کا ہو، خرید وفروخت، لین دین کا ہو، عدالتی نظام کا ہو، تعلیمی نظام کا ہو۔گویا پورا نظامِ حیات اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے حکم کے تابع ہوگا، اس کے مطابق ہوگا۔مومنین کو جب اس بات کی دعوت دی جائے کہ تمہارے درمیان اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم طے کریں گے کہ تمہیں زندگی کیسے گزارنی ہے، معاملات کیسے چلانے ہیں، آپس میں تعلقات کیسے استوار کرنے ہیں؟ تمہیں خانگی، قومی، بین الاقوامی، معاشی اور معاشرتی زندگی کیسے گزارنی ہے تو تقاضائے ایمان یہ ہے کہ وہ سنتے ہیں اور اطاعت کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی نبوت کی دلیلوں میں سے ایک بہت بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے عرب کے ویرانوں اور صحراؤں میں جلوہ افروز ہو کر پوری انسانیت کے لیے ایک کامل نصابِ حیات عطا فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ساری انسانیت کے لیے اللہ کے رسول تھے، ہیں اور ہمیشہ رہیں گے قیامت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ہی دورِ رسالت جاری وساری رہے گا اور کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے زندگی کے اسالیب ارشاد فرمادیے۔ ذاتی، قومی، بین الاقوامی سطح کے معاملات ہوں یا

عبادات، قوانین ہوں یا تعلیم کے اصول حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سب کے لیے لے کر آئے۔ یہ بے مثال کارنامہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے سوا کوئی سرانجام نہیں دے سکتا۔

دنیا کے ممالک میں اُن کے دانشور سر جوڑ کر بیٹھتے ہیں، بڑی بحث و تمحیص کے بعد قانون بناتے ہیں جو اُن کے اپنے ملک کے لیے بھی ناقابلِ عمل ثابت ہوتا ہے چنانچہ اس میں ترامیم کرتے ہیں۔ پھر یہ تو ممکن ہی نہیں کسی ایک ملک کا قانون دوسرے ممالک کے لیے قابلِ عمل ہو، مشرق کا قانون مغرب پر لاگو ہو جائے یا مغرب کا مشرق پر لاگو ہو سکے۔ یہ ناممکن ہے۔

ایک ہی قانون، ایک ہی ضابطۂ حیات ایسا ہے جو پورے روئے زمین کے انسانوں کے لیے یکساں مفید اور قابلِ عمل ہے اور وہ اسلام ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے عطا فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جو عبادات بھی ارشاد فرمائیں وہ بھی روئے زمین پر مسلمان آسانی سے ادا کر رہے ہیں۔ ایسے ہی معاملات بھی سب کے لیے قابلِ عمل ہیں۔ مومنین کی تعریف بیان کی گئی ہے کہ جب انہیں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف بلایا جائے کہ وہ تمہارے درمیان فیصلہ کریں تو وہ بخوشی قبول کرتے ہیں۔

اب 'فیصلہ' سے مراد ہے کہ پورا نصابِ زندگی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم طے فرمائیں۔ خانگی معاملات، میاں بیوی کے تعلقات کیسے ہوں گے، اولاد کی تربیت کیسے کی جائے گی والدین کی خدمت کیسے ہوگی، پڑوسی کے حقوق کیا ہوں گے۔ بیمار و مساکین کے حقوق کیا ہیں، حصولِ معاش کے کون سے وسائل جائز ہیں کون سے ناجائز ہیں؟ معاشرتی نظام، نظامِ عدل، نظامِ تعلیم، نظامِ سیاست، الغرض اس میں تمام امور و معاملات شامل ہیں۔

سو فرمایا ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ حق بہترین طرزِ حیات کو پہچان کر اس کی طرف لپکے اس کو اپنائے۔ اسلامی تہذیب اور تمدن کو اپنائے اور ایک ہی بات کہے سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا۔۔۔ہم نے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کا حکم سن لیا اور ہم سراپا اطاعت ہیں، کوئی بہانہ کوئی عذر نہ تراشے۔

یہاں ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ یاد آ رہا ہے جو اس وفد کی سربراہی کر رہے تھے جو کسریٰ ایران کے پاس بھیجا گیا تھا۔ ایران بہت بڑی اور قدیم سلطنت تھی اور اس زمانے کی دو بڑی قوتوں میں سے ایک تھی۔ کسریٰ نے ان کے وفد کے لیے بڑے شاہانہ انداز میں کھانے کا اہتمام کیا۔ کھانے کے دسترخوان پر کھانا کھاتے ہوئے ان کے ہاتھ سے ایک لقمہ زمین پر گر گیا۔ آپؓ نے بسم اللہ کہہ کر لقمہ اٹھایا اور اُسے جھاڑ کر کھا لیا۔ اس پر ساتھ بیٹھے ہوئے ساتھی نے کہنی مار کر ٹوکتے ہوئے عرض کیا کہ یہ کسریٰ کا دربار ہے، اس کے بڑے اہلِ دربار، جرنیل اور معروف لوگ اس دعوت میں شریک ہیں۔ وہ یہ دیکھ کر کیا کہیں گے یہ خلافِ تہذیب ہے۔ انہوں نے مسکرا کر کہا مجھے کسریٰ کی

تہذیب سے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت عزیز ہے۔ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت ہے کہ گر جائے تو اٹھا کر جھاڑ کر کھالو، مجھے کسریٰ کی تہذیب کی پروا نہیں۔

یہ تقاضائے ایمان ہے، یہ شرطِ ایمان ہے۔ ہمارے عہد کا مسئلہ یہ ہے کہ ہم سب دعویٰ تو ایمان کا رکھتے ہیں اور یہ بھی اللہ کا شکر ہے کہ اس نے کلمہ تو نصیب کیا ہے، دعویٰ تو نصیب کیا ہے لیکن آج ہمارا حلیہ اسلامی رہا ہے نہ افکار و کردار اسلامی رہے۔ کسی معاملے میں بھی یک رنگی نہیں ہے۔ ہماری عدلیہ غیر اسلامی ہے، ہمارے آپس کے تعلقات میں اسلام کی جھلک نظر نہیں آتی بلکہ اب تعلقات صرف مفادات کی حد تک رہ گئے ہیں۔ جب تک کسی سے نفع کی امید ہوتی ہے تعلق رکھا جاتا ہے اور جب یہ لالچ ختم ہو جائے تو کوئی کسی کا واقف بھی نہیں رہتا۔ معاملات میں ہر کوئی اپنا فیصلہ نافذ کرنا چاہتا ہے اور ایک دوسرے کی جان کی درپے رہتے ہیں۔

الغرض نہ قانون ہمارا ہے نہ تہذیب ہماری ہے۔ یہ سمجھ ہی نہیں آتی کہ ہماری اپنی تہذیب کیا ہے، ہمارا اپنا قومی لباس کیا ہے، ہماری قومی زبان کیا ہے؟ دس بندے بیٹھے ہوں تو دس کے الگ الگ حلیے ہوتے ہیں۔

یاد رہے کہ ظاہری حلیہ اور بول چال، باطن کا غماز ہوتا ہے یہ اندر کی نشاندہی کرتا ہے۔ حلیہ دل کا غماز ہوتا ہے، اندر کیا ہے یہ باہر سے پتا چلتا ہے۔ بادام کے باہر سے پتا چلتا ہے کہ اندر بادام ہے، اخروٹ کے باہر سے پتا چلتا ہے کہ اندر اخروٹ ہے۔ ہم دنیا کے کاموں میں کبھی کم سے کم پر اکتفا نہیں کرتے صرف دین کے معاملے میں ہم کہتے ہیں کہ کلمہ پڑھ لینا، نماز پڑھ لینا کافی ہے۔ کاروبار میں، معاملات میں دیانتداری یا صداقت کی ضرورت نہیں، ان میں اسلام کو اپنانے کی ضرورت نہیں۔ حلیے تک میں کہا جاتا ہے کہ حلیے میں کیا رکھا ہے؟ یاد رہے کہ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر کامیابی کا دارومدار ہے اس طرح حلیہ بھی سُنّت کے دائرے میں رکھنا ضروری ہے۔

نورِ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا حکم ہر معاملے میں مانا جائے اطاعت کی جائے اور ایسا کرنے والے مومن ہی فلاح پانے والے ہیں۔ فلاح قرآن کریم کا وسیع المعانی لفظ ہے اور یہ لفظ ضامن ہے ایسی ہمہ جہت کامیابی کا کہ جسے فلاح نصیب ہوگی وہ دنیا کی زندگی میں بھی کامیاب ہوگا، موت بعد الموت، برزخ میدان حشر اور آخرت میں بھی کامیاب ہوگا۔

فرمایا: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾ اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم کی فرمانبرداری کرے اور اللہ سے ڈرے اور پرہیزگاری اختیار کرے تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔ سب سے پہلے یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اللہ کی اطاعت کیا ہے؟ ہمارے پاس اللہ کی رضامندی یا ناراضگی کی دلیل کیا ہے؟ قرآن کریم فرماتا ہے: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ

اللہَ ۔۔۔(النسآء:80)

گویا جس بات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمادیا اللہ راضی ہوتے ہیں، وہ اللہ کی رضامندی کی دلیل ہے۔جس بات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمادیا اللہ ناراض ہوتے ہیں وہ اللہ کی ناراضگی کی دلیل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت اور اتباع ہی اللہ کی اطاعت ہے اور پھر صرف اطاعت ہی مقصود نہیں فرمایا، وَيَخْشَ اللّٰهَ ۔۔۔دل کی گہرائیوں سے کرے اداکاری نہ کرے محض اطاعت کی اداکاری نہ ہو بلکہ بندہ خلوصِ دل اور محبت سے اطاعت کرے۔جیسے اُن صحابیؓ کا واقعہ بیان ہوا جنہوں نے کسریٰ کے دسترخوان پر بیٹھ کر فرمایا کہ اُنہیں کسریٰ کی تہذیب سے غرض نہیں تھی، اُنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنت، کسریٰ کی تہذیب سے زیادہ عزیز تھی۔یہ تھی حقیقی مسلمانی!

وطنِ عزیز میں آج یہ عالم ہے کسی سانحہ میں اگر جانی نقصان ہوجائے تو مغربی اقوام کی نقل میں مسلمان بھی شمعیں روشن کرنا شروع ہو گئے ہیں یا پھولوں کا گلدستہ یا پتیاں پھینک دیتے ہیں۔مغربی اقوام کے پاس تو ایصالِ ثواب کا کوئی تصور نہیں ہے چنانچہ وہ شمعیں روشن کرتے ہیں، مسلمان کیوں اُن کی نقل کرتے ہیں؟ اور کچھ نہیں تو کم ازکم سورۃ الفاتحہ ہی پڑھ کر بخش دیں۔

فرمایا تقاضائے ایمان یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت کی جائے، خلوصِ دل اور دل کی گہرائیوں سے کی جائے اور وَيَتَّقْهِ ۔۔۔پرہیزگاری اختیار کی جائے۔

اُردو زبان میں تقویٰ کا ترجمہ ڈر کردیا جاتا ہے، یہاں پرہیزگاری کردیا گیا ہے اور پرہیزگاری ڈر سے بہتر ترجمہ ہے۔عربی میں تقویٰ کا مفہوم ایک ایسا ڈر ہے جو رشتوں میں دراڑ آنے کا ہوتا ہے کہ اگر میں نے ایسا کام کیا تو کہیں میرا بھائی ناراض نہ ہوجائے یا دوست خفا نہ ہوجائے۔یہ نسبت جب اللہ کریم سے ہوجائے تو اسے تقویٰ کہتے ہیں اور چونکہ اللہ کریم تو ہر چیز جاننے والے ہیں تو انسان محتاط ہوجاتا ہے کہ ایسی بات بھی نہ سوچے جو اللہ سے تعلق بگاڑ دے۔ایسا لفظ بھی منہ سے نہ نکالے جو اللہ کریم کی ناراضگی کا باعث بنے۔کوئی بھی ایسا کام نہ کرے جس سے اس رشتے میں دراڑ آئے تو یہ ڈر تقویٰ کہلاتا ہے۔

فرمایا اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت، دل کی گہرائی اور خلوص سے کی جائے تو اس سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے یعنی اللہ کریم سے وہ تعلق پیدا ہونے لگتا ہے کہ پھر اس کی ناراضگی سے ڈر لگنا شروع ہوجاتا ہے۔

جن لوگوں کو یہ نعمت نصیب ہوجائے، فرمایا: فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴿۵۲﴾ تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔یہی لوگ اپنی منزل پالیتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں۔

## نافرمانوں کا وطیرہ:

فرمایا: وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ لَئِنۡ اَمَرۡتَهُمۡ لَيَخۡرُجُنَّ۔۔۔ اور یہ اللہ کی بڑی سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر آپ ان کو حکم دیں تو یہ ضرور (گھروں سے) نکل کھڑے ہوں۔

یہ لوگ اللہ کی قسمیں پوری قوت سے اٹھاتے ہیں اس بات پر کہ اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم نے حکم دیا تو یہ لوگ میدانِ جنگ میں نکل جائیں گے اپنے سر کٹوا دیں گے۔ فرمایا: قُلۡ لَّا تُقۡسِمُوۡا ۚ طَاعَةٌ مَّعۡرُوۡفَةٌ۔۔۔ فرمایئے قسمیں مت کھاؤ (تمہاری) فرمانبرداری (کی حقیقت) معلوم ہے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم! انہیں فرما دیجیے کہ قسمیں اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے نہ اعلانِ جہاد پر قربانیاں دینے کے دعوے کرنے کی ضرورت ہے۔ اطاعت تو ایک معروف عمل ہے اور یہ لوگ اپنی روزمرہ زندگی میں کتنی اطاعت کرتے ہیں؟ دعویٰ تو یہ کر رہے ہیں کہ جب وقت آئے گا تو جان لڑا دیں گے۔ بھئی جب وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا لیکن سوال یہ ہے کہ جو امن کے زمانے میں ایک سجدہ نہیں کر سکتا، وہ جان کیا دے گا؟

جو امن کے زمانے میں اسلامی طرزِ حیات نہیں اپنا سکتا، جس کا حلیہ بول چال، ذریعہ معاش، کاروبار، آمدنی، اخراجات اسلامی نہیں ہیں وہ اسلام پر جان کیسے دے سکتا ہے؟ لہٰذا اس پر قسمیں اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ لَا تُقۡسِمُوۡا۔۔۔ قسمیں مت اٹھاؤ اس لیے کہ جو یہ چھوٹے چھوٹے کام نہیں کر سکتا وہ اتنا بڑا کام، یعنی جان کی قربانی کیسے دے سکتا ہے؟ اس لیے کہ طَاعَةٌ مَّعۡرُوۡفَةٌ۔۔۔ اطاعت معروف چیز ہے، نظر آتی ہے اور پتا چلتا رہتا ہے کہ کون کتنا اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کر رہا ہے۔ تمہارے کردار سے تمہاری بول چال ہے، تمہارے لین دین سے، تمہارے اٹھنے بیٹھنے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تم کتنے اطاعت گزار ہو۔ سو یہ بات طے ہے کہ جو روزمرہ کے معمولی کاموں میں اطاعت گزار نہ ہو وہ قسمیں اٹھائے بھی تو کیا ہوگا، وہ اللہ کے لیے جان کب دے سکے گا!

سب یہ یاد رکھیں، اِنَّ اللّٰهَ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۵۳﴾ (کیونکہ) بے شک اللہ تمہارے کاموں سے خوب باخبر ہیں۔ سب کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ جو کچھ وہ کرتے ہیں وہ اللہ کریم کے سامنے کر رہے ہیں۔ اللہ کریم ہر ایک کے ہر عمل سے واقف ہیں، اُن کے کردار اور افکار سے ہمہ وقت آگاہ ہیں۔

فرمایا: قُلۡ اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا عَلَيۡهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيۡكُمۡ مَّا حُمِّلۡتُمۡ ؕ وَاِنۡ تُطِيۡعُوۡهُ تَهۡتَدُوۡا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۵۴﴾ فرما دیجیے کہ اللہ کی اطاعت

کرو اور (اس کے) پیغمبر کی اطاعت کرو پھر اگر (اطاعت سے) روگردانی کرو گے تو سمجھ لو کہ ان (پیغمبر) کے ذمہ وہی (تبلیغ) ہے جو ان کی ذمہ داری مقرر کی گئی ہے اور تمہارے ذمہ وہ ہے جس کی ذمہ داری تم پر مقرر کی گئی ہے۔ اور اگر تم ان کے فرمان پر چلو گے تو سیدھا راستہ پالو گے اور (بہر حال) پیغمبر کے ذمہ صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ان سے فرما دیجیے کہ اطاعت کے دعوے نہ کریں نہ قسمیں اٹھائیں بلکہ اللہ کی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت کریں۔ عملی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا اتباع اختیار کریں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت میں ہی اللہ کریم کی اطاعت ہے۔ اگر تم لوگ عملی زندگی میں اطاعت سے منہ پھیرتے ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنت کو نہیں اپناتے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرزِ حیات، طرزِ فکر کو نہیں اپناتے تو اس کے ذمہ دار تم خود ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ پورے طریقِ حیات میں تمہاری راہنمائی کریں۔ اللہ کریم کے احکامات تم تک پہنچا دیں اور یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذمہ داری ہے۔ تم سے منوانا آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذمہ داری نہیں ہے۔ ماننا نہ ماننا یہ تمہارے اور تمہارے پروردگار کے درمیان ہے۔ اگر تم حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے، سیدھے راستے پر آ جاؤ گے اپنے گھر کی طرف چلے جاؤ گے۔ بنی آدم کا گھر تو جنت ہے لہٰذا تم ہدایت پا جاؤ گے اور اپنے گھر چلے جاؤ گے اور اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت نہیں کرو گے تو گویا راستے سے بھٹک جاؤ گے اور یوں جہنم جو زندانِ الٰہی ہے گھر نہیں ہے، جیل خانہ ہے اس میں جا گرو گے۔

دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم میں ہے۔ یاد رکھو، وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿54﴾ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذمہ داری ہے کہ بات کھول کر واضح کر کے تم تک پہنچا دیں۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم مبعوث تو ساری انسانیت کے لیے اور ہمیشہ کے لیے ہوئے لیکن اپنی تریسٹھ سالہ حیاتِ مبارکہ میں جزیرہ نمائے عرب سے باہر تشریف نہیں لے کر گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اعلان فرمایا: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۔۔۔ (الاعراف: 158) اے اولادِ آدم! میں تم سب کے لیے اللہ کا رسول ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ہی برصغیر پاک و ہند کے لیے بھی نبیؑ تھے، چین، جاپان، برما، یورپ، امریکہ، افریقہ کے لیے، ساری دنیا کے لیے نبیؑ تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اپنی حیاتِ مبارکہ میں عرب سے باہر کبھی تشریف لے کر نہیں گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا تشریف لے جانا ضروری نہیں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا پیغام پہنچانا ضروری تھا۔ تیئیس برسوں میں نزولِ قرآن مکمل ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے چشمِ عالم سے پردہ فرمایا تو

اس وقت سارا جزیرہ نمائے عرب اسلام کے زیرِ نگین آچکا تھا۔ یمن بھی فتح ہو چکا تھا۔

خلافتِ راشدہ کا دور شروع ہوا اور خلفائے راشدین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پیغام کو پہنچانے کا حق اس طرح ادا کیا کہ تیئس سالہ عہدِ خلافت راشدہ میں معلوم دنیا کے تین چوتھائی حصّوں پر اسلامی ریاست بن چکی تھی۔ اسلامی قوانین، اسلامی تہذیب اور معاشرت عملاً نافذ ہو چکے تھے۔ شاہی محلات سے لے کر فقیر کی کٹیا تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا پیغام پہنچ چکا تھا۔ اس کے بعد اللہ کریم نے ایسے اسباب پیدا فرما دیے کہ تب سے لے کر اب تک اور اب سے تا قیامت اللہ کے بندے جنہیں اللہ کریم توفیق دیں گے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا پیغام دنیا کو پہنچاتے رہیں گے۔ یہ بہت بڑا منصب ہے جن کو اللہ کریم عطا فرماتے ہیں اور بہت خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو خلوص سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا پیغام پہنچاتے ہیں اور پہنچاتے رہیں گے۔ روئے زمین پر اللہ کے بندے تبلیغ کے ذریعے، تعلیم کے ذریعے، تقریر وتحریر کے ذریعے اللہ کا پیغام پہنچا رہے ہیں۔ اللہ کریم نے ایک مخلوق کو اس خدمت پر لگا رکھا ہے اور حقیقتاً یہ لوگ بڑے خوش نصیب ہیں جو صدقِ دل سے، خلوص سے اس پیغام کو عام کر رہے ہیں۔

آج تو کمپیوٹر پر نقشہ بنا دیا گیا ہے کہ جونہی سحر پھوٹتی ہے تو مشرق سے اذانیں شروع ہوتی ہیں تو مسلسل فجر کی اذان ہوتی چلی جاتی ہے۔ پھر ظہر کی اذان شروع ہوتی ہے اور مسلسل ہوتی چلی جاتی ہے یعنی روئے زمین پر ہر لمحہ اذانیں ہو رہی ہیں۔ جوں جوں سورج چلتا رہتا ہے کسی نہ کسی ملک میں فجر ہوتی ہے کہیں ظہر کہیں عصر ہوتی ہے گویا چوبیس گھنٹے اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللہ بلند ہوتا رہتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا پیغام پہنچایا جا رہا ہے، حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح یہ دعوت چوبیس گھنٹے دی جا رہی ہے۔

یہ بھی ایک قابلِ غور حقیقت ہے کہ گزشتہ انبیاؑ ورسلؑ کے واقعات اور تاریخ دیکھی جائے تو پتا چلتا ہے کہ رفتہ رفتہ اُن کے ادیان دنیا سے نابود ہو گئے۔ اُن کے ماننے والے دنیا سے اُٹھتے گئے اور دین کی جگہ رسومات نے لے لی تا آنکہ کوئی دین بتانے والا باقی نہ رہتا تو نیا نبیؑ مبعوث ہو جاتا جو پھر سے معاشرے کی تطہیر کرتا اور رسومات کی جگہ احکاماتِ الٰہی کو نافذ کرتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم پر نبوت کی تکمیل ہو گئی اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیمات پھیلانے کی توفیق اللہ کریم نے خوش نصیب لوگوں کو دی اور یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ کام دین کی تبلیغ اور تعلیم وتربیت کا ہوتا رہا ہے اور ان شآء اللہ ہوتا رہے گا۔

## دنیا کی کامیابی بھی اتباعِ رسالت میں ہے:

یاد رکھو آخرت تو آخرت ہے، دنیا کی کامیابی بھی اگر کوئی چاہتا ہے تو وہ صرف اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم

میں ہے، فرمایا: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ ۔۔۔ جو لوگ تم میں سے ایمان لائیں اور نیک کام کریں اللہ ان سے وعدہ فرماتے ہیں کہ (اتباع کی برکت سے) ان کو ملک میں ضرور حکومت عطا فرمائیں گے۔

تم میں سے جن لوگوں کا عقیدہ بھی درست ہوگا یعنی ایمان صحیح ہوگا اور عمل صالح ہو جائے گا جو خلوص سے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پیغام کو قبول کریں گے اور مان لیں گے اور اپنی عملی زندگی کو اس پر استوار کریں گے ایسے لوگوں سے اللہ کریم کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں زمین میں حکومت، سلطنت و ریاست دیں گے۔ فرمایا: كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۔۔۔ جیسا ان سے پہلے (اہلِ ہدایت) لوگوں کو حکومت بخشی تھی۔

جس طرح پہلی قومیں کہ جب تک اطاعتِ الٰہی پر کاربند رہیں اللہ نے انہیں زمین پر تسلط دیا، حکومت اور اختیار عطا فرمایا۔

## اسلامی ریاست کی خصوصیات:

اللہ کریم اپنے اطاعت گزار بندوں کو زمین میں حکومت و نیابت عطا فرمائیں گے اور اُن کی حکومت کی خصوصیت یہ ہوگی، فرمایا: وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ۔۔۔ اور ان کے لیے ان کے دین کو جسے ان کے لیے پسند فرمایا ہے ضرور مستحکم (اور پائیدار) فرمائیں گے اور خوف کے بعد اُن کو ضرور امن بخشیں گے۔ وہ میری ہی عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں گے۔

اللہ کے ان بندوں کی حکومت کی خصوصیت یہ ہوگی کہ وہ تمکینِ دین کا سبب بنیں گے۔ نفاذِ دین تو شاید ایک ہلکا لفظ ہو تمکینِ دین اس سے بہت زیادہ قوی ہے کہ دین کو بزورِ بازو منوایا جائے تو اللہ کے بندے اس دین کے لیے جو اللہ کریم نے اُن کے لیے پسند فرمایا ہے تمکین کا سبب بنیں گے۔ اُن کی حکومت دین کو تمکین، قبضہ تسلط دے گی یعنی کوئی دین سے باہر کچھ کر نہیں سکے گا اور کوئی دینی حدود کو توڑنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ دین کی پاسداری ہر فرد کرے گا اور اللہ کریم اپنے بندوں کی حکومت میں انہیں زندگی کے تمام خطرات سے بے نیاز کر دیں گے۔ انسانی زندگی تو ہر وقت خوف کے سائے میں گزرتی ہیں لیکن جن کو اسلامی ریاست نصیب ہوگی اُن کی زندگی سے خوف کے سائے اٹھ جائیں گے اور وہ لوگ صرف اللہ کی عبادت کریں گے کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اسلامی ریاست میں امن اور سکون ہوگا کسی قسم کا خوف نہیں رہے گا اور اللہ کے بندے صرف اللہ کی عبادت کریں گے اور رائی کے برابر بھی شرک نہیں کریں گے۔ یہ

سب مشروط ہے اطاعتِ الٰہی سے کہ جب تک اطاعت پر کاربند رہیں گے یہ انعامات انہیں ملتے رہیں گے، فرمایا: وَمَنۡ كَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۵۵﴾ اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ بدکردار ہیں۔

اسلامی ریاست کے قیام کے بعد بھی اگر لوگ ناشکری اختیار کریں تو پھر وہ حد سے گزر جانے والے ہوں گے، بدکار ہوں گے اور اُن کا حشر برا ہوگا۔ جس نے اس کے بعد ناشکری کی، کفر کیا، اللہ کی اطاعت سے انکار کیا تو وہ حد سے گزر جانے والا ہوگا پھر اس کے ساتھ یہ وعدہ نہیں رہے گا۔

سورۂ نور کی اس آیہ کریمہ کو آیہ استخلاف کہتے ہیں یعنی خلافت کی آیت اور خلافتِ راشدہ ہی قرآن کریم کے بنائے ہوئے نقشے کی بہترین تعبیر ہے۔

## خلافتِ راشدہ آیۂ استخلاف کی بہترین تعبیر:

اس آیۂ مبارکہ کی سب سے خوبصورت تعبیر خلافتِ راشدہ میں نظر آتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانۂ اقدس میں ہی سارا جزیرہ نمائے عرب اسلام کے زیرِ نگین آ گیا اور وہاں مثالی امن قائم ہوا اور کسی کو کوئی خوف اور خطرہ نہ رہا۔ خلافتِ راشدہ میں فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد تک اتنا وسیع ہوا کہ اسلامی ریاست کی سرحدیں افریقہ، چین، سائبریا، یورپ تک جا ملیں اور ہندوستان تک بات پہنچ گئی۔ اتنی عظیم الشان ریاست میں ہر طرف امن تھا کسی کو کوئی خطرہ یا خوف نہیں تھا، وہاں اسلام نافذ تھا۔ اسلامی قوانین نافذ تھے اور تعلیمی، سیاسی، عدالتی، معاشی سارے نظام ہی اسلام پر استوار تھے۔ مختلف ممالک، مختلف لوگوں اور علاقوں میں بیک وقت اسلام نافذ تھا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دس سالہ دورِ خلافت میں چھبیس لاکھ مربع میل علاقہ فتح ہوا جس میں پینتیس ہزار بہت بڑے شہر شامل تھے۔ یہ وہ شہر تھے جنہیں بین الاقوامی معیار پر بڑا کہا جا سکتا ہے اور مؤرخین لکھتے ہیں کہ اتنے وسیع علاقے میں کسی عورت کی چیخ نہ کسی بوڑھے آہ سنائی دیتی ہے اور نہ ہی کسی بچے کے آنسو دکھائی دیتے ہیں۔ ورنہ جہاں فاتح افواج جاتی ہیں قرآن کریم میں اس کا نقشہ بھی کھینچا گیا ہے۔

ملکہ بلقیس نے کہا تھا کہ: اِنَّ الۡمُلُوۡكَ اِذَا دَخَلُوۡا قَرۡيَةً اَفۡسَدُوۡهَا وَجَعَلُوۡۤا اَعِزَّةَ اَهۡلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفۡعَلُوۡنَ (النمل: 34) بے شک بادشاہ جب (فاتح ہو کر) کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اُسے تباہ کر دیتے ہیں اور وہاں کے عزت والوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے۔ فاتحین تو جب کسی ملک میں داخل ہوتے ہیں تو اُسے تہہ و بالا کر دیتے ہیں لیکن خلافتِ راشدہ کی فوجیں جہاں بھی پہنچیں وہاں لوگوں کو امن نصیب ہوتا گیا، انہوں نے لوگوں کے آنسو پونچھے اور مفتوحین نے شکر ادا کیا کہ یہ لوگ آئے ہیں اور ہمیں امن نصیب

ہوا ہے۔ یہ مثال تھی نفاذِ اسلام کی کہ جہاں نافذ ہوا وہاں امن اور عدل قائم ہوگیا۔

آج مسلمانوں کے پاس چھپن حکومتیں ہیں لیکن اس آیہء مبارکہ کی کوئی ہلکی سی جھلک اگر نظر آتی ہے تو وہ عرب کی حکومتوں میں نظر آتی ہے جہاں کم از کم حدود تو نافذ ہیں، زندگی اسلام کے مطابق ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوۃ پر عمل ہو رہا ہے جزا اور سزا کا اسلامی طریقہ رائج ہے، فوری انصاف دیا جاتا ہے اور مثالی عدل ہو رہا ہے۔ لباس بھی اسلامی ہے اور گفتگو بھی عربی زبان میں ہوتی ہے تو اب روئے زمین پر یہ جھلک عرب ممالک میں ہی نظر آتی ہے۔ اللہ کریم ایسی حکومتوں کو قائم رکھے اور انہیں مزید ہمت اور طاقت عطا فرمائیں۔ دنیا کے کسی ملک میں اگر کہیں امن ہے تو انہی ممالک میں ہے جہاں اسلامی قوانین نافذ ہیں۔

## ایک دعا:

اللہ کریم سے دعا ہے کہ وطنِ عزیز پر بھی اسلام کی حکومت قائم ہو ہمیں بھی یہ دن دیکھنے نصیب ہوں۔ ہمارے معاشرے میں بھی اسلامی نظام رائج ہو اور اسلامی عدل اور انصاف ملے۔ ہمیں بھی کسی قسم کا کوئی خطرہ یا خوف نہ رہے، ہر چیز اللہ کے قاعدے کے مطابق ہو۔ لین دین میں، گھر میں، باہر کسی طرح کا کوئی خطرہ نہ رہے کسی بددیانتی کا ڈر نہ رہے۔ اللہ کریم ہم پر بھی رحم فرمائیں اور اربابِ اختیار کو، سیاسی راہنماؤں کو بھی نیکی کی توفیق ارزاں فرمائیں۔

## انفرادی ذمہ داری:

درحقیقت ہدایت اور اصلاح کا کام اپنی ذات سے شروع ہوتا ہے اور سب سے پہلے خود سدھرنا پڑتا ہے پھر دوسرے کے لیے تمنا کی جاسکتی ہے۔ اگر عوام اپنی اصلاح کرلیں تو خواص کو مجبوراً کرنی پڑ جائے گی۔ اگر نہیں کریں گے تو خود بخود معاشرے میں ردّ کر دیے جائیں گے۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ عوام خود ڈاکو ہے۔ نمازیں پڑھ لیتے ہیں لیکن جھوٹ بولنے سے باز نہیں آتے۔ ہر سال عمرے ادا کرتے ہیں لیکن لین دین میں بددیانتی نہیں چھوڑتے، سود کھانا نہیں چھوڑتے اور سود کے پیسوں سے حج بھی ادا کر لیتے ہیں ہم نے مسلمانی کو بھی گلے سے لگا رکھا ہے اور کفر کو بھی جانے نہیں دیتے، ہمارا عجیب مزاج بن چکا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادِ عالی کا مفہوم ہے کہ ایک شخص بہت دور سے آئے گا بیت اللہ پہنچے گا، سفر کی تھکاوٹ، لباس پر گرد و غبار، پریشان، بال اس کے لمبے سفر کی داستان سنا رہے ہوں گے۔

اور وہ بڑے درد سے پکارے گا اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ لیکن اس کی پکار قبول نہیں ہوگی اور اللہ کریم کی طرف سے کوئی جواب نہیں آئے گا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم، ایسا کیوں ہوگا؟ فرمایا اس لیے کہ اس

کا لباس حرام سے ہوگا، کھانا پینا حرام سے ہوگا۔ زادِراہ حرام سے ہوگا۔

اللہ ہمیں معاف کریں اور ہدایت دیں۔ اگر ہم توبہ کرلیں تو ملک پر اسلامی حکومت بن جائے۔ ہم اسلامی حکومت کا مطالبہ تو کرتے ہیں لیکن ہم یہ کیوں نہیں کہتے کہ اگر میں اپنی اصلاح کرلوں تو میری ذات پر تو اسلام ہی کی حکومت رہ جائے گی۔ جو فرد خلوص سے توبہ کر کے اپنی زندگی کو اسلام میں ڈھال لیتا ہے وہ دنیا میں اگر آگ بھی لگی ہو تو اس کے دل میں آگ نہیں ہوتی، سکون ہوتا ہے۔ اللہ ہمیں توفیق دیں اور ہم اپنے آپ پر اسلام نافذ کرسکیں اور اعمال صالح کرسکیں۔ صلاحیت ہر اس عمل میں ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں ہے۔

اگر لوگ یہ کہیں گے کہ یہ بات تو حکومت اور ملک کی ہو رہی ہے کہ اللہ انہیں حکومت عطا کریں گے ہم تو اپنی ذاتی زندگی کی بات کرتے ہیں، ہم کیا کریں؟ فرمایا: وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝۵۶ اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور پیغمبر کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم فرمایا جائے۔

اللہ کی عبادت پورے خلوص کے ساتھ کرو اور اپنے مال کو حلال اور پاک رکھو۔ زکوٰۃ کا معنی ہے پاکیزگی لہٰذا مال کو پاک کرنے کے لیے اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ جو فرض ہے اُسے فرض سمجھ کر ادا کرو اور اس کے علاوہ نفل صدقہ دو۔ حلال کماؤ گے تو اُسے پاک رکھو گے ورنہ حرام کمائی میں پاکیزگی کہاں سے آئے گی۔ اگر حلال کما کر لایا جائے اور اس میں سے زکوٰۃ ادا نہ کی جائے تو وہ بھی پاک نہیں رہتا۔ چنانچہ اپنی معاشرت کو پاک کرو۔ حلال اور جائز وسائل سے کماؤ اُسے اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرو اور ہر کام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اختیار کرلو۔ بات چل رہی تھی ریاست وحکومت کی تو عام آدمی سوچ سکتا ہے کہ مجھے ریاست سے کیا، میرا ذاتی مسئلہ تو نہیں کہ اُمرا مانیں گے یا نہیں، ریاست اسلامی بنے گی یا نہیں؟ فرمایا، تمہارا کام یہ ہے کہ عبادات میں بھی خلوص سے محنت کرو معاملات اور معاشرت میں حلال کماؤ، جائز امور پر خرچ کرو اور اپنی زندگی کو سنت کے مطابق ڈھال لو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

اللہ تو اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْن ہے اور اس کی رحمت تو ہر شے سے وسیع ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً ۔۔۔ (المومن: 7) لیکن آگے قبولیت کی استعداد بھی تو ہونی چاہیے۔ رحمت کی بارش برس رہی ہو اور بندہ غار میں بیٹھا یہ شکوہ کرے کہ اس پر تو قطرہ بھی نہیں پڑا تو یہ اس کا قصور ہے کہ وہ اپنے گناہوں کے غار میں گھسا ہوا ہے۔ اس غار سے باہر نکلے، توبہ کرے اور میدان میں آئے گا تو بارش سے استفادہ کرے گا۔ فرمایا، تم ذاتی زندگی کی بات کرتے ہو تو اس میں بھی کامیابی کا یہی نسخہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ کی عبادت پورے خلوص اور اہتمام سے کرو رزق حلال کماؤ اُسے طیب رکھو اور تمام امور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم فرمایا جائے۔

## کافر کو وقتی اقتدار مل بھی جائے تو بھی اس کا اخروی انجام جہنم ہے:

فرمایا: لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾ (اے مخاطب!) کافروں کے بارے یہ خیال نہ کرنا کہ وہ زمین (کے کسی حصہ) میں (بھاگ کر ہم کو) ہرا دیں گے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

یہ جو وہم آتا ہے کہ دنیا کی حکومتیں تو کافروں کے پاس ہیں تو فرمایا اس خیال کو دل سے نکال دو۔ کافر کو کبھی سکون نصیب نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں اگر اُن کے پاس اقتدار ہے تو یہ مسلمانوں کی کمزوری کی وجہ سے ہے، اُن کی نالائقی کے سبب ہے۔ اللہ نے تو مسلمانوں کے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ زمین میں انہیں اقتدار اعلیٰ دیں گے لیکن مسلمان وہ شرائط پوری نہ کریں جو اس وعدے کے ساتھ ہیں تو نتیجتاً جیسی حکومتیں مسلمانوں کے پاس ہیں اس سے زیادہ طاقتور حکومتیں کافروں کے پاس بھی ہیں۔ اس کے باوجود کافر حکومت لے کر بھی کامیاب نہیں ہوتا اس لیے کہ کافر کا انجام جہنم ہے اور یاد رکھو! آخرت اپنے اثر کے لحاظ سے بہت مضبوط ہے جبکہ دنیا بہت کمزور ہے۔

کافر کی آخرت چونکہ جہنم ہے لہٰذا اس کے اثرات اس کی دنیوی زندگی میں بھی اس کے قلب پر منعکس ہوتے رہتے ہیں۔ اس لیے کافر دنیا میں بھی ہمیشہ پریشان اور دکھی رہتا ہے۔ کسی نہ کسی پریشانی میں مبتلا رہتا ہے اور بے سکون رہتا ہے جبکہ آخرت میں تو اس کے لیے دوزخ ہے جو بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔ بالفرض اگر مسلمانوں کو یہ وہم ہو کہ کافر دنیا میں مزے کر رہا ہے تو آخر وہ کتنا عرصہ کر لے گا کہ بالآخر تو اُسے جہنم میں جانا ہے۔ کافر کے پاس اگر چند روزہ دولت یا اقتدار ہے تو بھی وہ چند روزہ ہے۔ وہ تو پھانسی گھاٹ پر کھڑا ہے کہ جیسے ہی موت آئے گی اُسے جہنم جانا ہے تو پھر اُسے اقتدار سے کیا فائدہ ملا؟ دولت سے کیا عیش کی اس نے؟ اقتدار سے کیا مزے لیے اس نے جسے بالآخر جہنم میں جانا ہے؟

دنیا کی جیل میں اگر کوئی سزائے موت کا قیدی ہو تو اس کے لیے تو کھانا الگ سے بنتا ہے۔ جیل کا کھانا اتنا برا ہوتا ہے جیسے جانوروں کو دیا جاتا ہے لیکن جو قیدی پھانسی کی کوٹھری میں ہوتا ہے اس کے لیے جو کھانا بنتا ہے وہ گھر کے کھانے سے بھی بہتر ہوتا ہے اور بڑے اہتمام سے اُسے دیا جاتا ہے لیکن کوئی قیدی یہ نہیں سوچتا کہ ایسا کھانا کھانے کے لیے اللہ اُسے پھانسی کی کوٹھری میں بھیج دے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کھانے سے باز آئے اس کوٹھری سے اللہ بچائے کہ آخر اُس کو کتنے دن یہ کھانا ملنا ہے آخر میں تو پھانسی پر ہی لٹک جائے گا۔

چنانچہ کافر کے اقتدار اور چند روزہ مزے سے نہ گھبراؤ اور اگر اپنی ذات میں سکون چاہتے ہو تو بھی اللہ کی اطاعت کرو اور اگر ملک پر اسلامی حکومت چاہتے ہو تو ملک کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر لگاؤ۔

# سورۃ النور رکوع 8 آیات 58 تا 61

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۚ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ ؕ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۶۰﴾ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦١﴾

اے ایمان والو! (تمہارے پاس آنے کے لیے) تمہارے غلام لونڈیاں اور جو (بچے) تم میں سے حدِ بلوغ کو نہیں پہنچے ان کو تین بار (تین اوقات میں) اجازت حاصل کرنا چاہیے (ایک تو) صبح کی نماز سے پہلے اور (دوسرے آرام کے لیے) جب دوپہر کو تم اپنے (کچھ) کپڑے اتار دیتے ہو اور نمازِ عشاء کے بعد یہ تین تمہارے پردے کے اوقات ہیں اس سے آگے پیچھے نہ تم پر گناہ ہے اور نہ اُن پر کہ (کام کاج کے لیے) ایک دوسرے کے پاس کثرت سے آتے رہتے ہو۔ اس طرح اللہ اپنی آیتیں تم پر کھول کر بیان فرماتے ہیں اور اللہ جاننے والے حکمت والے ہیں ﴿۵۸﴾ اور جب تمہارے لڑکے بالغ ہو جائیں تو اُن کو بھی اسی طرح اجازت لینی چاہیے جس طرح اُن سے اگلے (بالغ آدمی) اجازت حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح اللہ تم پر اپنی آیتیں وضاحت کے ساتھ بیان فرماتے ہیں اور اللہ علم والے (اور) حکمت والے ہیں ﴿۵۹﴾ اور بڑی عمر کی عورتیں جن کو نکاح کی کچھ امید نہ رہی ہو تو اُن کو اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے (زائد) کپڑے اتار رکھیں بشرطیکہ زینت (کے مواقع) کا اظہار نہ کریں اور (اگر) اس سے بھی بچیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے اور اللہ سننے والے جاننے والے ہیں ﴿۶۰﴾ نہ اندھے پر کچھ گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کچھ گناہ ہے اور نہ بیمار آدمی پر کچھ گناہ ہے اور خود تمہارے لیے بھی اس بات میں کچھ مضائقہ نہیں کہ تم اپنے گھروں (جن میں بی بی اور اولاد کے گھر بھی ہیں) میں سے کھانا کھا لو یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا جن کی کنجیاں تمہارے ہاتھ میں ہوں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے۔ (اور) اس کا بھی تم پر کچھ گناہ نہیں کہ سب مل کر کھانا کھاؤ یا الگ الگ۔ پھر جب تم (اپنے) گھر میں جایا کرو تو اپنے لوگوں (گھر

والوں) کو سلام کیا کرو یہ اللہ کی طرف سے مبارک (اور) پاکیزہ تحفہ ہے۔ اسی طرح اللہ تم پر اپنی آیتیں صاف صاف بیان فرماتے ہیں تاکہ تم سمجھو ﴿۶۱﴾

# تفسیر و معارف

## اسلامی معاشرت:

دینِ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جس میں عبادات فرائض ضروری ہیں اور عبادات کا حاصل تعلق باللہ ہے، اللہ کریم سے ایسی آشنائی ہے کہ بندہ امور دنیا میں بھی اللہ کریم کی اطاعت کرے۔ آج کے عہد کی بدقسمتی یہ بھی ہے کہ ہم نے دین اور دنیا کو تقسیم کرلیا ہے۔ ہم عبادات کو دین سمجھتے ہیں اور معاملاتِ دنیا کو ہم اس سے الگ رکھ کر اپنی مرضی کے مطابق انجام دینا چاہتے ہیں۔ اسلام میں ایسا نہیں ہے۔ قرآنِ کریم نے یہ فلسفہ یوں سمجھایا ہے: اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡھٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ۔۔۔ (العنکبوت:45) بے شک صلوٰۃ بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔

گویا عبادات ایک ایسی کیفیت عطا کرتی ہیں کہ جب ہم امورِ دنیا کی طرف جاتے ہیں تو ہم انہیں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے حکم کے مطابق بجالاتے ہیں۔ اگر دنیا کو دین سے الگ کر دیا جائے تو دین کے پاس باقی کیا رہ جاتا ہے؟ بندے کا اصل امتحان ہی یہ ہے کہ وہ امورِ دنیا میں کس کی اطاعت کرتا ہے، اپنی مرضی کرتا ہے، شیطان کے کہنے پر کرتا ہے یا اللہ کریم کی اطاعت کرتا ہے۔ اپنی مرضی کرنا بھی ہمارا خیال ہی ہوتا ہے۔ اصل میں دعوت دینے والی تو دو ہی ہستیاں ہیں یا اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں جو حق کی طرف دعوت دیتے ہیں یا دوسری طاقت طاغوت اور شیاطین ہیں جو برائی کی طرف بلاتے ہیں۔ ہم میں سے ہر کوئی ان میں سے ایک کی دعوت قبول کرتا ہے۔ اگر امورِ دنیا کو شیطان کے حوالے کر دیں تو باقی دین میں کیا بچتا ہے؟

ہر معاشرے کی ایک تہذیب، ایک معاشرت ہوتی ہے۔ زندگی گزارنے کا ایک انداز ہوتا ہے میل جول اور باہم تعلقات کا ایک انداز ہوتا ہے اور یہی تہذیب بنیاد ہوتی ہے معاشرے کے سدھار یا بگاڑ کی۔ معاشرے کے بگڑنے کی بنیاد عموماً خانگی امور بنتے ہیں۔ میاں بیوی کے تعلقات، والدین اور اولاد کے تعلقات میں جب بگاڑ پیدا ہوتا ہے تو وہ پوری عملی زندگی میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح معاشرے کے حسن اور سنورنے کی ابتدا بھی ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے ہوتی ہے۔ اللہ کے بندے ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی احسن طریقے سے نبھاتے ہیں اور وہ بڑے بڑے کام بھی اعلیٰ طریقے وسلیقے سے انجام دیتے ہیں۔ قرآن کریم نے حسنِ معاشرت کو خانگی اور گھریلو زندگی سے

شروع فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے، يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ؕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ۔۔۔اے ایمان والو! (تمہارے پاس آنے کے لیے) تمہارے غلام لونڈیاں اور جو (بچے) تم میں سے حدِ بلوغ کو نہیں پہنچے اُن کو تین بار (تین اوقات میں) اجازت حاصل کرنا چاہیے (ایک تو) صبح کی نماز سے پہلے اور (دوسرے آرام کرنے کے لیے) جب دوپہر کو تم اپنے (کچھ) کپڑے اتار دیتے ہو اور نمازِ عشاء کے بعد۔ یہ تین تمہارے پردے کے اوقات ہیں۔

ہر گھر کے رہنے والوں کا اپنے اوقات میں تصرف کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔ کچھ اوقات ایسے ہیں جس میں تمام اہلِ خانہ مل کر بیٹھتے ہیں، کھانا کھا لیتے ہیں مل کر ایک دوسرے کا حال احوال پوچھتے ہیں۔ کچھ اوقات ایسے ہیں جس میں ہر فرد اپنے اپنے کمرے میں ہوتا ہے جو اس کا ذاتی وقت ہوتا ہے جس میں وہ آسودہ تن ہو جاتا ہے RELAX ہو جاتا ہے۔ سو فرمایا تین اوقات ایسے ہیں جن میں گھریلو ملازمین بھی اور نابالغ بچے بھی اجازت لے کر یا دروازہ کھٹکھٹا کر پوچھ کر اندر داخل ہوں۔ فجر کی نماز سے پہلے جب لوگ بیدار ہوتے ہیں اٹھ کر لباس بدلتے ہیں سونے والا لباس اتار کر دوسرا لباس پہنتے ہیں وضو کی تیاری کرتے ہیں تو اس وقت کسی ملازم کو اور بچوں کو بھی بلا اجازت کمرے میں داخل ہونا منع ہے۔ اسی طرح دوپہر کو جب لوگ آرام کرنے کے لیے کمروں میں جاتے ہیں تو یہ پابندی ہونی چاہیے کہ کوئی ملازم یا بچہ بغیر اجازت لیے کمرے میں داخل نہ ہو یہ اس لیے ہے کہ اس وقت بندہ بے تکلف آرام کر رہا ہوتا ہے، زائد کپڑے یا زائد لباس اتار دیتا ہے۔ اگر ملازم یا کسی بچے نے اندر جانا ہے تو اُن کے لیے ضروری ہے کہ دروازہ کھٹکھٹا کر اجازت طلب کریں اور اجازت ملنے پر ہی داخل ہوں۔ اسی طرح عشاء کی نماز کے بعد بھی بے تکلف ایک دوسرے کے کمرے میں نہیں جانا چاہیے حتیٰ کہ گھریلو ملازمین یا چھوٹے بچے جو ہر طرف بھاگتے پھرتے ہیں انہیں بھی اس کا پابند کیا جائے کہ وہ بلا اجازت ان اوقات میں کمروں میں نہ جائیں کہ یہ بندے کے خالص ذاتی اوقات ہوتے ہیں۔ ان اوقات میں وہ آرام کر رہا ہوتا ہے فالتو لباس اتار کر بے تکلفی سے بیٹھا ہوتا ہے لہٰذا ان میں مداخلت نہ کی جائے۔ یہ تین اوقات پردے کے ہیں یعنی بندے کے ذاتی اوقات ہیں جسے انگریزی میں PRIVATE TIME کہتے ہیں لہٰذا ان اوقات میں بلا اجازت کسی کے کمرے میں داخل ہونا ممنوع ہے ان اوقات کے علاوہ فرمایا: لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۔۔۔اس سے آگے پیچھے نہ تم پر گناہ ہے اور نہ اُن پر کہ (کام کاج کے لیے) ایک دوسرے کے پاس کثرت سے آتے رہتے ہو۔ پردے کے ان تین اوقات کے علاوہ ایک دوسرے کے کمرے میں آنے جانے پر کوئی ممانعت

نہیں اور نہ ہی ملازمین یا بچوں پر پابندی ہے۔ سب ایک دوسرے سے متعلق ہیں۔ کام کاج کے لیے بھی ایک دوسرے سے ربط ہے چنانچہ اگر ملازم کھانا لے کر جاتا ہے یا پانی پلانے جاتا ہے یا کوئی اور کام کرنے جاتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے اور اگر بچے بھی آتے جاتے ہیں تو صحیح ہے البتہ پردے کی تین اوقات میں مداخلت ممنوع ہے کہ یہ بندے کے ذاتی اوقات ہیں۔

## احکامِ الٰہی حکمت پر مبنی ہیں:

فرمایا: كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾ اس طرح اللہ اپنی آیتیں تم پر کھول کر بیان فرماتے ہیں اور اللہ جاننے والے حکمت والے ہیں۔ اللہ کریم اس طرح واضح احکام بیان فرماتے ہیں اس لیے کہ وہ جانتے ہیں اور دانا تر ہیں۔ اللہ کریم انسان کے خالق ہیں اس کے مزاج اور ضروریات کے بھی خالق ہیں چنانچہ اس کے مزاج اور ضروریات کو بھی جانتے ہیں اور خواہشات کو بھی جانتے ہیں اور تعلقات کو بھی جانتے ہیں۔ اللہ حکیم ہیں دانا تر ہیں اور اُن کا ہر حکم حکمت سے پُر ہوتا ہے۔ اُن کا ہر حکم صحیح بھی ہوتا ہے اور انسانی عقل اور زندگی کے عین مطابق بھی ہوتا ہے۔

قرآن کریم نے معاشرت یا تہذیب کی بنیاد گھروں سے رکھی ہے، بچوں کی تربیت ملازموں تک کی تربیت سے رکھی ہے کہ ہر ایک کو دائرۂ تہذیب کے اندر رہنا ہوگا۔ فرمایا: وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾ اور جب تمہارے لڑکے (بچے) بالغ ہو جائیں تو اُن کو بھی اسی طرح اجازت لینی چاہیے جس طرح اُن سے اگلے (بالغ آدمی) اجازت حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح اللہ تم پر اپنی آیتیں وضاحت کے ساتھ بیان فرماتے ہیں اور اللہ علم والے اور حکمت والے ہیں۔

بچے بھی جب بالغ ہو جائیں تو پھر اُن پر بھی وہی قانون لاگو ہوگا جو گھر کے دوسرے بڑوں پر ہوتا ہے کہ جس طرح بڑے ایک دوسرے کے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے اجازت طلب کرتے ہیں اسی طرح بالغ ہونے پر اب یہ بھی اجازت لے کر ہی داخل ہوں گے۔ بچے تھے تو ان تین اوقات میں اجازت لیتے تھے باقی اوقات میں آجا سکتے تھے لیکن جب بالغ ہو گئے تو اب بلا اجازت آجا نہیں سکیں گے۔ جس طرح اُن کے بڑے ایک دوسرے کی اجازت لے کر دروازہ کھٹکھٹا کر داخل ہوتے ہیں ویسے ہی انہیں بھی کرنا پڑے گا۔ اللہ کریم اس طرح واضح احکام ارشاد فرماتے ہیں۔ اس طرح چھوٹے چھوٹے امور میں بھی راہنمائی فرماتے ہیں اس لیے کہ وہ جاننے والے اور حکمت

والے ہیں۔ وہ دانا تر ہیں اور اُن کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

انسانی کردار کی بنیاد بچپن سے، گھر سے ہی بنتی ہے۔ یہ بات کہ ماں کی گود سب سے بڑا مدرسہ ہے بالکل صحیح ہے اور قرآنِ حکیم نے اسی لیے بچپن سے جوانی اور بزرگوں تک کے لیے گھر کی چاردیواری کے اندر رہنے کے آداب متعین فرما دیے۔ اب ظاہر ہے جو فرد گھر کی چاردیواری کے اندر آداب، تہذیب اور ضابطے کا خیال رکھتا ہے وہ باہر جائے گا تو بے مہار نہیں ہوگا بلکہ خیال رکھے گا کہ اُسے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے۔ یہ کہنا بجا ہے کہ تہذیب کی ابتدا گھر سے، بچپن سے اور ان بنیادی باتوں سے ہوتی ہے۔

## عمر رسیدہ خواتین اور پردہ:

اللہ کریم ہر بات سے واقف اور دانا تر ہیں اور باتوں کو بڑی وضاحت سے، ہر پہلو سے بیان فرماتے ہیں ہر ضرورت پوری کرنے کا خوبصورت طریقہ ارشاد فرماتے ہیں تاکہ معاشرہ پاکیزہ اور آرام دہ ہو۔ ایسا ہی ایک اور قاعدہ ارشاد فرماتے ہیں: وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ ؕ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۶۰﴾ اور بڑی عمر کی عورتیں جن کو نکاح کی کچھ اُمید نہ رہی ہو تو اُن کو اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے (زائد) کپڑے اتار رکھیں بشرطیکہ زینت (کے مواقع) کا اظہار نہ کریں اور (اگر) اس سے بھی بچیں تو یہ اُن کے حق میں بہتر ہے اور اللہ سننے والے جاننے والے ہیں۔

معاشرے کی پاکیزگی کے لیے اسلام نے عورتوں پر پردہ لازم کیا ہے اور محرمات کے علاوہ کسی کے سامنے اظہارِ زینت سے منع کیا ہے۔ کچھ خواتین جو عمر رسیدہ ہو جاتی ہیں، نکاح کی عمر سے گزر جاتی ہیں اُن کے لیے یہ گنجائش ہے کہ وہ زائد چادر یا لباس جو پردے کے لیے اوڑھا جاتا ہے، اتار سکتی ہیں۔

جو خواتین جوان ہیں، نکاح کی عمر میں یا شادی شدہ ہیں انہیں ہر حال میں اپنا پردہ قائم رکھنا ہے لیکن وہ خواتین جو بڑھاپے کی طرف چلی گئی ہیں اور انہیں نکاح کی آرزو بھی نہیں رہی وہ گھر میں سر ننگا کر کے بیٹھ سکتی ہیں۔ ایسی خواتین پردے کے لیے اوڑھی ہوئی زائد چادر بھی اتار سکتی ہیں لیکن اس کے ساتھ بھی ایک شرط ہے کہ وہ بھی زینت کا اشتہار نہ بنیں۔ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ ۔۔۔ یعنی وہ بھی میک اپ کر کے زیور پہن کر چادر اتار کر نہ بیٹھیں۔ اپنا زیب و زینت کسی پر ظاہر نہ کریں۔ اس کے بغیر وہ گھر میں زائد چادر اتار کر بیٹھ سکتی ہیں۔ پھر فرمایا: وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۔۔۔ اگر وہ پردہ نہ اتاریں تو یہ بہتر ہے۔ یعنی ایسی بزرگ خواتین کو جو نکاح کی عمر سے گزر جاتی ہیں یہ سہولت اگرچہ دی گئی ہے کہ وہ زائد پردے کی چادر اتار دیں تو خیر ہے لیکن اگر انہوں نے بناؤ سنگھار کر رکھا ہو زیور

پہن رکھے ہوں تو پردے میں رہنا ہوگا۔ اگر وہ بناؤ سنگھار نہیں کرتیں اور پھر بھی چادر نہیں اتارتیں پردے میں رہتی ہیں تو یہ بہر حال اُن کے حق میں بہتر ہے۔ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٦٠﴾ اللہ کریم ہر بات کو سنتے ہیں، خود ہر چیز کو جانتے ہیں۔ انسانی مزاج، انسانی افکار اور کردار اور کردار کے نتیجے میں جو چیزیں ظاہر ہوتی ہیں جو کام ہوتے ہیں، اللہ کریم سب سے واقف ہیں اور دانا تر ہیں۔ اس لیے اللہ کریم جو حکم دیتے ہیں وہ ہی بہترین راہِ ہدایت ہے۔

## مل جل کر کھانا کھانا اور معذورین کی دلجوئی:

ایک بہت ضروری بات کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے جو اسلامی معاشرے میں ہونی چاہیے کہ ایسے افراد جو معذور ہو جاتے ہیں اُن کا خیال رکھا جائے۔ نزولِ قرآن کے وقت تو غریب یا معذور سے کلام کرنا بھی خلافِ شان تصور ہوتا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ ۔۔۔ نہ اندھے پر کچھ گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کچھ گناہ ہے اور نہ بیمار آدمی پر کچھ گناہ ہے اور خود تمہارے لیے بھی اس بات میں کچھ مضائقہ نہیں کہ تم اپنے گھروں (جن میں بی بی اور اولاد کے گھر بھی ہیں) میں سے کھانا کھالو۔

معاشرے کے ایسے افراد جو کسی بیماری یا کمزوری کا شکار ہیں، معذور ہیں کوئی اندھا ہے یا کوئی ٹانگوں سے معذور ہے یا کسی کو کوئی عارضہ لاحق ہے تو اُن کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ اگر انہیں اپنے ساتھ کھانے میں شامل کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ عموماً ایسے مریضوں کو الگ تھلگ رکھا جاتا ہے اُن کی کوٹھری پر اُن کا کھانا پانی پہنچا دیا جاتا ہے۔ خاص طور پر جب گھر میں کوئی ایسا فرد ہو تو اُن کے ساتھ حسن سلوک اس حد تک ہی کیا جاتا ہے کہ اُن کے کمرے تک کھانا پانی اور دوا پہنچا دی جاتی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ جب تم مل جل کر کھانا کھاتے ہو تو اگر گھر میں کوئی اندھا ہے، بوڑھا ہے لنگڑا ہے یا بیمار ہے تو اُسے بھی اس اجتماعی کھانے میں شامل کر لیا کرو۔ یہ صحیح نہیں کہ اُس معذور یا بوڑھے کو اس کی کوٹھری یا کمرے میں کھانا پکڑا کر خود فارغ ہو جاؤ بلکہ اُسے بھی اپنی محفل میں اپنے کھانے میں شامل کرلو، اپنے اجتماع میں شامل کرلو۔ جب اُسے شامل کیا جائے گا تو اس کو بھی احساس ہو گا کہ وہ اس گھر کا فرد ہے اس کی بھی اہمیت ہے۔ کسی سے بات کرے گا، کسی کی سُنے گا تو اس کا کچھ دکھ کم ہو جائے گا ورنہ اس کو کمرے تک محدود رکھ کر جتنی بھی خدمت کرتے رہیں وہ خوش نہیں رہے گا۔ جب تک آپ اس کو اپنے ساتھ اپنے خاندان کے ساتھ نہیں بٹھائیں گے وہ یہی محسوس کرے گا کہ اُسے رڈ کر دیا گیا ہے، اُسے کوئی پوچھتا ہی نہیں۔ چنانچہ قرآن کریم یہ ارشاد فرما رہا ہے کہ اگر ایسا کوئی معذور بوڑھا یا بیمار گھر میں موجود ہو جو چلنے پھرنے سے یا دیکھنے سے

قاصر ہو تو اُن کی دلجوئی کرو اور انہیں بھی پکڑ کر سہارا دے کر دسترخوان پر لے آؤ۔ یہ بھی گھر والوں کے ساتھ مل کر بیٹھیں، کھائیں پئیں، باتیں کریں اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم گھروں میں مل کر کھانا کھاؤ، دعوت کی طرح کھاؤ کہ دسترخوان لگا کر سارا خاندان ایک جگہ جمع ہو کر کھائے۔ فرمایا: اَنۡ تَاۡكُلُوۡا مِنۡۢ بُيُوۡتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اٰبَآئِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اُمَّهٰتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اِخۡوَانِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اَخَوٰتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اَعۡمَامِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ عَمّٰتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اَخۡوَالِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ خٰلٰتِكُمۡ اَوۡ مَا مَلَكۡتُمۡ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوۡ صَدِيۡقِكُمۡ‌ ؕ لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَاۡكُلُوۡا جَمِيۡعًا اَوۡ اَشۡتَاتًا۔۔۔ تم اپنے گھروں (جن میں بی بی اور اولاد کے گھر بھی ہیں) میں سے کھانا کھالو یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا جن کی کنجیاں تمہارے ہاتھ میں ہوں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے۔ (اور) اس کا بھی تم پر کچھ گناہ نہیں کہ سب مل کر کھانا کھاؤ یا الگ الگ۔

یہ اسلامی روایات عرب ممالک میں اور چند خلیجی ریاستوں میں آج بھی موجود ہیں کہ اگر بادشاہ بھی کہیں گیا ہو اور وہاں جب دسترخوان لگے گا تو بادشاہ کے وزراء اور امراء، اس کے خدام محافظ اور ڈرائیور، میزبان قبیلے کے سب خاص و عام ایک ہی دسترخوان پر بیٹھ جائیں گے۔ ایسے ہی جب گھروں میں دعوتیں کرتے ہیں تو اُن کے ملازم بھی دسترخوان پر ساتھ بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ یہ تہذیب اب عرب ممالک کے علاوہ کہیں نظر نہیں آتی۔

سو فرمایا کوئی حرج نہیں کہ گھر میں دسترخوان سجا کر مل کر کھاؤ یا اگر والدین کے گھر جاتے ہو تو وہاں سب مل کر کھاؤ۔ والدین کا گھر الگ ہے، بھائیوں کے گھر الگ الگ ہیں تو اگر کسی بھائی کے گھر جاتے ہو، بہنوں کے گھر جاتے ہو، چچاؤں، پھوپھیوں، خالاؤں یا ماموؤں کے گھر جاتے ہو تو اگر وہاں کھانا کھاتے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تمہارے بعض ایسے دوست ہوتے ہیں جو تم پر اتنا اعتماد کرتے ہیں کہ اگر کہیں باہر جائیں تو اپنے گھروں کی چابیاں تمہیں سونپ جاتے ہیں تو ایسے دوستوں کے گھروں میں دعوت کھاتے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یوں مل بیٹھنے سے، ایک دوسرے کے گھر آنے جانے سے مل کر کھانا کھانے سے تعلقات میں گرمجوشی پیدا ہوتی ہے اور ایک دوسرے کے دکھ سکھ کا احساس ہوتا ہے۔ رشتہ داروں اور دوستوں کے گھروں میں آنے جانے سے مل کر کھانا کھانے سے جہاں بندے کو کچھ دیر مسرت نصیب ہوتی ہے وہاں تعلقات میں تازگی بھی آتی ہے ایک دوسرے کے دکھ بانٹنے کا جذبہ بھی بیدار ہوتا ہے اور یوں رشتے مضبوط ہوتے ہیں۔ یہ ساری بنیادی باتیں ہیں، ایک انسانی معاشرے کی

تہذیب کے لیے یہ ضروری ہیں۔

## گھروں میں داخلے کے آداب:

فرمایا: فَاِذَا دَخَلۡتُمۡ بُیُوۡتًا فَسَلِّمُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِکُمۡ تَحِیَّۃً مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ مُبٰرَکَۃً طَیِّبَۃً ۔۔۔ پھر جب تم (اپنے) گھر میں جایا کرو تو اپنے لوگوں (گھر والوں) کو سلام کیا کرو۔ یہ اللہ کی طرف سے مبارک (اور) پاکیزہ تحفہ ہے۔

معاشرے کی پاکیزگی کے لیے ایک خوبصورت اصول دیا جا رہا ہے کہ جب بھی اپنے گھر میں داخل ہوتے ہو یا دوسرے کے گھروں میں ملنے جاتے ہو تو گھر والوں کو نیکی اور سلامتی کی دعا یعنی السلام علیکم ضرور کہا کرو۔ یہ اللہ کی طرف سے بہت مبارک اور پاکیزہ تحفہ بھی ہے کہ گھر والوں پر اور اپنے آپ پر سلامتی کی دعا کی جائے۔ اسی طرح جب مسلمان انفرادی طور پر ملتے ہیں تو ایک دوسرے کے کو السلام علیکم، وعلیکم السلام کہتے ہیں جو ایک بہت خوبصورت دعا ہے اور بہت اچھا تحفہ بھی ہے۔ جب کوئی بندہ کسی دوسرے کو'السلام علیکم' کہتا ہے تو یہ اس کی طرف سے ضمانت ہوتی ہے کہ میری طرف سے آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی میری طرف سے آپ کے لیے سلامتی کی دعا ہے۔ سو فرمایا، گھر میں جب داخل ہوتے ہو تو اہل خانہ پر بھی اپنے آپ پر بھی سلامتی کی دعا کرو یعنی سلام ضرور کیا کرو کہ اللہ کے نزدیک بہت بابرکت بات ہے اور معاشرے کی پاکیزگی کا سبب بھی ہے۔

## احکام الٰہی انسانی عقل وشعور کی راہنمائی کرتے ہیں:

فرمایا: کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۱﴾ اسی طرح اللہ تم پر اپنی آیتیں صاف صاف بیان فرماتے ہیں تا کہ تم سمجھو۔

اللہ کریم ایسے احکامات تعلیم فرماتے ہیں تا کہ تم عقلمندی اور دانشمندی کے کام کرو اور ایک مہذب معاشرہ بن سکو۔ دانشمندی یہ ہے کہ معاشرے کو مہذب کیا جائے جس کی بنیاد گھر کی تہذیب ہے۔ گھروں میں جب تہذیب ہوگی بچوں کو تہذیب سکھائی جائے گی، بوڑھوں کے ساتھ حُسنِ سلوک ہوگا، معذور کے ساتھ ہمدردی اور پیار ہوگا کھانا پینا مل جل کر ہوگا، رشتہ داروں سے میل جول رکھا جائے گا، ایک دوسرے کے دکھ درد بانٹے جائیں گے تو یہ سارے لوگ ایک دوسرے کی بھلائی چاہنے والے بن جائیں گے۔ یہی سارے لوگ جب گھر سے باہر معاشرے میں جائیں گے تو اسی تہذیب کو لے کر جائیں گے اور معاشرے میں ایک اجتماعیت پیدا ہوگی۔ یوں سارا اسلامی معاشرہ ایک دوسرے کا خیر خواہ بن جائے گا۔ شریعت کے کسی بھی حکم کو غیر ضروری نہ سمجھا جائے کہ ہر حکم اللہ کا ہی حکم ہے اور انتہائی اہم ہوتا ہے۔

یادر ہے کہ بات کی اہمیت بات کرنے والی ہستی کی ذات کے حوالے سے ہوتی ہے لہٰذا ان احکام کو ہلکا سمجھ کر چھوڑ نہ دیا جائے کہ خیر ہے اگر رہ بھی گئے۔ حق تو یہ ہے کہ جب یہ احکامِ الٰہی ہیں تو پھر ان کی عظمت اتنی ہے جتنی احکامِ الٰہی کو سزاوار ہے۔ یہ احکام انسان کی دنیوی زندگی کے لیے، اجتماعی زندگی کے لیے بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ اگر ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر توجہ نہ کی جائے تو بڑی سطح پر بھلائی کہاں ہو سکے گی؟

یادر ہے کہ ہر حکمِ الٰہی کی تعمیل ضروری ہے اور تعمیل نہ کرنے سے نقصان ضرور ہوتا ہے۔ جتنا اہم وہ حکم ہوتا ہے اتنا ہی عدمِ تعمیل سے نقصان بھی ہوتا ہے۔

## جدید تہذیب یا بد تہذیبی:

آج ایسا عجیب عہد آ گیا ہے، لوگ اتنے عجیب بن گئے ہیں اُن کی سوچ اتنی اُلٹ گئی ہے کہ جتنی بد تہذیبی کی جائے اُسے جدید تہذیب کہا جاتا ہے۔ آج کل کا معاشرہ ایسا بن رہا ہے کہ گھروں میں کوئی تہذیب نہیں رہی، کھانے پینے، آنے جانے، ملنے جلنے کے آداب نہیں رہے۔ ایک بچہ گھر سے ہی غیر مہذب بنتا ہے، اب عالم یہ ہے کہ بچے بھاگ رہے ہوتے ہیں اور ہاتھ میں کھانا بھی پکڑا ہوتا ہے اور کھا بھی رہے ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ بڑے افراد بھی گاڑی چلا رہے ہوتے ہیں ساتھ کھانا بھی کھا رہے ہوتے ہیں یا بھاگتے دوڑتے ہوئے کھا رہے ہوتے ہیں۔ بظاہر تو یہ معمولی چیزیں ہیں لیکن ان کا اثر اجتماعی زندگی پر پڑتا ہے اور آج کے ماحول میں صاف نظر آتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے کتنے لاتعلق ہو گئے ہیں اور نفسا نفسی کا عالم ہو گیا ہے ہر کوئی اپنی زندگی جینا چاہتا ہے اور دوسرے کو پوچھنے کو بھی تیار نہیں ہے۔ اب تو بات اس سے کہیں آگے بڑھ چکی ہے کہ لوگ خود تو زندہ رہنا چاہتے ہیں لیکن دوسروں کو قتل کر دینے کے درپے ہوتے ہیں۔ یعنی دوسرے کے لیے اتنی رعایت بھی نہیں کرتے کہ اُسے بھی اللہ نے پیدا کیا ہے اور اللہ کے حکم سے جب اس کا وقت آئے گا وہ مر جائے گا تو میں اُسے قتل کیوں کروں۔ لیکن لوگ خود زندہ رہنا چاہتے ہیں اور دوسرے کا وجود بھی برداشت نہیں کرتے اور پھر مزے کی بات یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ یہ دین ہے۔

دین تو چھوٹی چھوٹی باتوں سے شروع ہوتا ہے، حسنِ سلوک کا سبق دیتا ہے کہ گھر میں بچوں، بڑوں، بزرگوں، ملازموں میں کیسے تعلقات ہوں گے۔ بیمار اور معذوروں کی دلجوئی کیسے کی جائے گی۔ یہ سب مل کر ایک اجتماعی زندگی کی بنیاد فراہم کرتا ہے جو معاشرے کو بھی سنوار دیتا ہے۔

## سورۃ النور رکوع 9 آیات 62 تا 64

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ اِذَا کَانُوۡا مَعَہٗ عَلٰۤی اَمۡرٍ جَامِعٍ لَّمۡ یَذۡہَبُوۡا حَتّٰی یَسۡتَاۡذِنُوۡہُ ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَسۡتَاۡذِنُوۡنَکَ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ ۚ فَاِذَا اسۡتَاۡذَنُوۡکَ لِبَعۡضِ شَاۡنِہِمۡ فَاۡذَنۡ لِّمَنۡ شِئۡتَ مِنۡہُمۡ وَ اسۡتَغۡفِرۡ لَہُمُ اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۶۲﴾ لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَیۡنَکُمۡ کَدُعَآءِ بَعۡضِکُمۡ بَعۡضًا ؕ قَدۡ یَعۡلَمُ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ یَتَسَلَّلُوۡنَ مِنۡکُمۡ لِوَاذًا ۚ فَلۡیَحۡذَرِ الَّذِیۡنَ یُخَالِفُوۡنَ عَنۡ اَمۡرِہٖۤ اَنۡ تُصِیۡبَہُمۡ فِتۡنَۃٌ اَوۡ یُصِیۡبَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۶۳﴾ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ قَدۡ یَعۡلَمُ مَاۤ اَنۡتُمۡ عَلَیۡہِ ؕ وَ یَوۡمَ یُرۡجَعُوۡنَ اِلَیۡہِ فَیُنَبِّئُہُمۡ بِمَا عَمِلُوۡا ؕ وَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۶۴﴾

بلاشبہ ایمان والے وہی ہیں جو اللہ اور اس کے پیغمبر پر ایمان رکھتے ہیں اور جب کبھی ایسے کام کے لیے جو اکٹھے ہو کر کرنے کا ہو ان (پیغمبر) کے پاس جمع ہوں تو اُن سے اجازت لیے بغیر چلے نہیں جاتے۔ بے شک جو لوگ آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں وہی اللہ اور اس کے پیغمبر پر ایمان رکھتے ہیں پھر جب یہ لوگ اپنے کسی کام کے لیے آپ سے (جانے کی) اجازت طلب کریں تو اُن میں سے آپ جسے چاہیں اجازت فرما دیا کریں۔ اور (اجازت دے کر بھی) اُن کے لیے اللہ سے بخشش کی دعا کیجیے بے شک اللہ بخشنے والے مہربان ہیں ﴿۶۲﴾ پیغمبر کے بلانے (سے بات کرنے) کو ایسا نہ سمجھو جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے (سے بات کرتے)

ہو۔ بلاشبہ اللہ ان لوگوں سے واقف ہیں جو تم میں سے آنکھ بچا کر چل دیتے ہیں تو جو لوگ اس (اللہ) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں اُن کو ڈرنا چاہیے کہ اُن پر (دنیا میں) کوئی مصیبت آپڑے یا (آخرت میں) ان پر دردناک عذاب نازل ہو ﴿۶۳﴾

جان لو! جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے بے شک سب اللہ ہی کا ہے۔ اور یقیناً اللہ اس حالت کو بھی جانتے ہیں جس پر تم (اب) ہو اور جس روز لوگ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے تو جو عمل وہ لوگ کرتے رہے وہ (اللہ) اُن کو بتا دیں گے اور اللہ ہر چیز سے واقف ہیں ﴿۶۴﴾

# تفسیر و معارف

## عنداللہ مومن کون ہیں:

آج دنیا میں تقریباً دو سو کروڑ مسلمان ہیں جو سارے ہی اس بات کے مدعی کہ وہ مسلمان ہیں اللہ کو مانتے ہیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کو بھی مانتے ہیں۔ سب ہی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھتے ہیں۔ اللہ کریم فرما رہے ہیں کہ عنداللہ یہ حقیقی مسلمان نہیں فرمایا: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ۔۔۔ بلاشبہ ایمان والے وہی ہیں جو اللہ اور اس کے پیغمبر پر ایمان رکھتے ہیں اور جب کبھی ایسے کام کے لیے جو اکٹھے ہو کر کرنے کا ہو ان (پیغمبر) کے پاس جمع ہوں تو اُن سے اجازت لیے بغیر چلے نہیں جاتے۔

فرمایا، مومنین صرف ماننے کا دعویٰ نہیں کرتے اور نہ ہی محض دعویٰ کرنے سے کوئی ایمان دار ہو جاتا ہے بلکہ اصل بات یہ ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کسی کام کے لیے طلب فرماتے ہیں کہ آؤ یہ کام کیا جائے، جنگ ہے یا کہیں صلح وامن ہے تو مومنین خدمت میں حاضر ہو جاتے ہیں۔ جس کام کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم یہ فرما دیں کہ سارے یہ کام کرو تو ایمان کا تقاضا ہے کہ وہاں بہانہ بازی نہ چلے اور ارشادِ عالی کی تعمیل کی جائے اور پورے خلوصِ دل سے کی جائے۔

ایمان دار وہی ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمتِ عالی میں پورے خلوص سے اور دلی گرویدگی کے ساتھ تعمیلِ ارشاد کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور تعمیلِ ارشاد کرتے ہیں، وہاں سے نظریں بچا کر کھسک نہیں جاتے البتہ

اگر کوئی مجبوری ہو اور جانا ضروری ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لیتے ہیں کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں تو میں اُدھر چلا جاؤں۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دے دیں تو وہ الگ بات ہے ورنہ مومن خدمتِ عالی سے دامن نہیں بچاتے۔

فرمایا: اِنَّ الَّذِیۡنَ یَسۡتَاۡذِنُوۡنَکَ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ۔۔۔ بے شک جو لوگ آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں وہی اللہ اور اس کے پیغمبر پر ایمان رکھتے ہیں جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر کسی دوسرے کام کو چلے جاتے ہیں وہ بھی مومن ہیں اس لیے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رخصت دینے سے، اجازت دینے سے ہی دوسری طرف گئے ورنہ ہرگز نہ جاتے۔ ہاں یہ یاد رہے کہ اجازت دینے یا نہ دینے کا اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہے۔

فرمایا: فَاِذَا اسۡتَاۡذَنُوۡکَ لِبَعۡضِ شَاۡنِہِمۡ فَاۡذَنۡ لِّمَنۡ شِئۡتَ مِنۡہُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَہُمُ اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۶۲﴾ پھر جب یہ لوگ اپنے کسی کام کے لیے آپ سے (جانے کی) اجازت طلب کریں تو اُن میں سے آپ جسے چاہیں اجازت فرمادیا کریں۔ اور (اجازت دے کر بھی) اُن کے لیے اللہ سے بخشش کی دعا کیجیے۔ بے شک اللہ بخشنے والے مہربان ہیں۔

اگر کوئی مومن مجبوری کے تحت کسی دوسری طرف جانے کی اجازت مانگتا ہے تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی ہے کہ آپ اُسے رخصت دیں یا نہ دیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہ دیں تو اُسے تعمیلِ ارشاد کرنی ہوگی اور وہی کام کرنا ہوگا جس کا حکم دیا گیا۔ جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم رخصت دے دیں، جانے کی اجازت دے دیں۔ فرمایا وَاسۡتَغۡفِرۡ لَہُمُ اللّٰہَ۔۔۔ اُن کے لیے اللہ سے بخشش کی دعا کیجیے۔

فرمایا، اگر یہ صورت حال ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کا حکم دیا اور سارے صحابہؓ وہاں جمع ہو گئے ہیں اب اُن میں سے ایک عرض کرتے ہیں کہ میرا مکان گر رہا ہے یا بہت مجبوری ہے کسی بیمار کو دوا دینی ہے لہٰذا مجھے جانے کی اجازت عطا فرمائیں کہ میں وہ کام کرلوں۔ فرمایا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر منحصر ہے کہ آپ اجازت دیں یا نہ دیں۔ فرمایا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں اور وہ چلا جائے تب بھی اس سے خطا ہوگئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے کام کو چھوڑ کر دوسری طرف گیا تو یہ جرم تو اُس نے کیا ہے۔ اُسے بخشش چاہیے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش چاہیے، اتنی بڑی سفارش چاہیے حالانکہ وہ اجازت لے کر گیا ہے۔ فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بخشش کے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ اُسے اس بات پر سزا نہ دیں۔ یہاں سے معاملے کی نزاکت کو دیکھا جائے کہ کوئی بہت مجبوری میں ہی اجازت طلب کرے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے اگر چلا جائے گا تو اس کا ایمان تو

رہے گا لیکن اس سے غلطی ہوئی کہ وہ تعمیل ارشاد سے معذور رہا۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اجازت دینے کے ساتھ ساتھ اس کے لیے بارگاہ الوہیت میں اس کی سفارش بھی کیجیے تاکہ اللہ کریم اس پر خفا نہ ہوں۔ گویا تعمیلِ ارشاد میں کوتاہی کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ عذرِ شرعی سے رہ جائے وہ ایک الگ بات ہے، غلطی سے رہ جائے تو اس غلطی کا احساس ہونا چاہیے اور بندہ گزشتہ کوتاہیوں کی معافی مانگے اور آئندہ کے لیے وعدہ کرے کہ خلوصِ دل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا اتباع کروں گا۔ اطاعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا معاملہ اگر اتنا نازک ہے تو ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ تہذیب و اخلاق جو قرآن ہمیں سکھا رہا ہے کیا یہ ہمارے گھروں میں ہمارے اعمال و کردار میں پائے جاتے ہیں؟ نماز، روزہ، عبادات تو فرض ہیں اُن کے سوا تو چارہ ہی نہیں لیکن یہ آدابِ معاشرت، تہذیب جو قرآن کریم میں ارشاد ہو رہے ہیں، میل جول، کھانے پینے، بڑے چھوٹوں کے تعلقات کے آداب ان سب پر بھی عمل اتنا ہی ضروری ہے۔ یہ بھی نصِ قرآنی سے ثابت ہو رہا ہے۔

یہ معاملہ اتنا نازک ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ان کے لیے بخشش کی دعا کریں جو اگرچہ اجازت لے کر جاتے ہیں لیکن تعمیلِ ارشاد سے معذور ہو گئے اور یقیناً اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۶۲ اللہ معاف کرنے والے رحم کرنے والے ہیں۔

گویا اگر عذرِ شرعی سے بھی ارشادِ رسالت پناہی کی تعمیل رہ جائے تو اللہ کی بخشش اور توبہ مانگنی چاہیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اس کی سفارش فرمائیں اور بخشش طلب کریں۔ تو ہم جو محض سستی یا دنیوی کاموں کے لالچ میں تعمیلِ ارشاد چھوڑ دیتے ہیں وہ کس کھاتے ہیں جائے گا، اس کا کیا بنے گا؟

## آدابِ بارگاہِ رسالت پناہی:

فرمایا: لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔۔۔ پیغمبر کے بلانے (سے بات کرنے) کو ایسا نہ سمجھو جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے (اور بات کرتے) ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات کو عام نہ سمجھا جائے کہ جس طرح لوگ آپس میں بات کرتے ہیں کہ بھائی، دوست وغیرہ ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ ایسا ہونا چاہیے یا یہ کرنا چاہیے تو کوئی کرتا ہے کوئی نہیں بھی کرتا۔ مالک ملازم سے کہتا ہے یہ کرنا چاہیے تو کوئی کرتا ہے، کوئی اہمیت ہی نہیں دیتا۔ پھر آپس میں مشورے بھی دیے جاتے ہیں کہ ایسا ہونا یا نہ ہونا چاہیے۔ والد کہتا ہے کہ یہ کام ایسے ہونا چاہیے، بیٹا ادب سے کہہ دیتا ہے کہ دوسرا طریقہ بہتر ہے۔ فرمایا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم ارشاد فرمائیں پھر اس بے تکلفی کی اجازت نہیں، پھر تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یوں کیا

جائے یا یوں نہ کیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر کے مطابق اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی بارگاہ میں اس طرح بات نہ کرو جس طرح تم ایک دوسرے سے بات کرتے ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کہنا بھی گستاخی ہے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم، یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کہا جائے، انتہائی ادب اور احترام کے ساتھ مخاطب کیا جائے اور یہ بھی صرف تب جب بارگاہِ عالی میں حاضر ہوں، حضوری نصیب ہو۔ کوئی بات عرض کرنا چاہیں تو اپنی درخواست یوں پیش کی جائے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم یہ میری درخواست ہے، یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم یہ میری درخواست ہے۔ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کہہ کر درخواست نہ پیش کی جائے کہ یہ بھی بے تکلفی میں آتا ہے اور اس بارگاہ میں بے تکلفی بھی گستاخی ہے۔

فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات کو آپس کی باتوں کی طرح مت لو کہ یہ احکامِ الٰہی ہیں جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی معرفت تم تک پہنچ رہے ہیں۔ جو تہذیب اللہ کریم سکھا رہے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم تم تک پہنچا رہے ہیں تم ان باتوں کو روزمرہ کی معمول کی باتیں نہ سمجھو۔ انہیں معمولی یا عام باتیں نہ سمجھو یہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات ہیں لہٰذا ان کو وہی عظمت دینی چاہیے جو ان کی شایانِ شان ہے۔ سو پورے دردِ دل اور خلوص کے ساتھ ان احکامات کی تعمیل ہونی چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بلانے کو عام نہ سمجھو کہ جیسا لوگ ایک دوسرے کو بلاتے ہیں اور کوئی جا سکے تو چلا جاتا ہے ورنہ کہہ دیتا ہے کہ میں فارغ نہیں ہوں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم اگر طلب فرمالیں تو جانا فرض ہوگا اور بغیر اجازت وہاں سے واپسی حرام ہوگی۔

## منافقین کا انداز:

فرمایا: قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۔۔۔ بلاشبہ اللہ اُن لوگوں سے واقف ہیں جو آنکھ بچا کر چل دیتے ہیں۔

بعض لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاداتِ عالی کے لیے بہانے تراشتے ہیں کہ آنکھ بچا کر یا بہانہ تراش کر جان چھڑاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ کسی کو پتا بھی نہ چلے اور تعمیلِ ارشاد بھی نہ کریں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم طلب فرماتے ہیں تو کوئی کھسک جائے اور اپنا غیر حاضر ہونا ظاہر بھی نہ ہونے دے

یعنی اعلانیہ نافرمانی نہ کرے بلکہ چھپ کر کرے تو وہ اللہ سے تو نہیں چھپ سکتا۔ یعنی اس بارگاہ میں بہانہ بازی نہیں چل سکتی، یہ منافقین کا انداز تھا۔ محض بہانہ بنا کر یا چھپ چھپا کر نکل جانا کہ کسی کو پتا بھی نہ چلے لیکن اللہ کریم سب کو خوب جانتے ہیں۔

## احکامِ الٰہی کی مخالفت کا وبال:

فرمایا: فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهٖٓ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾ تو جو لوگ اس (اللہ) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں اُن کو ڈرنا چاہیے کہ اُن پر (دنیا میں) کوئی مصیبت آ پڑے یا (آخرت میں) اُن پر دردناک عذاب نازل ہو۔

جو لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات پر عمل نہیں کرتے، نافرمانی اور مخالفت کرتے ہیں حیلے بہانے سے نافرمانی کرتے ہیں انہیں اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی بڑی آزمائش کی لپیٹ میں نہ آجائیں، اُن پر آسمانوں سے مصیبتیں نازل ہونا نہ شروع ہو جائیں۔ انہیں اللہ کی گرفت سے ڈرنا چاہیے کہ اُن پر اللہ کا عذاب نازل نہ ہو جائے کہ وہ بہت ہی دردناک عذاب ہے۔

## لمحہ فکریہ:

آج ہمارے معاشرے پر نگاہ ڈالیں تو یوں نظر آتا ہے کہ کوئی گھر سُکھی نہیں ہے۔ ہر گھر کا دکھ بھی نرالا ہے، ہر بندے کی تکلیف الگ ہے، پریشانی عجیب نوعیت کی ہے، ہر گھر میں پریشانی اور بے سکونی ہے تو ہمیں یہ سوچنا پڑے گا کہ کہیں ہر گھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی نافرمانی تو نہیں ہو رہی؟ اس لیے کہ خلافِ سنت معاشرت و تہذیب مصیبتوں کو دعوت دیتی ہے، عذاب الٰہی کے نزول کا سبب بنتی ہے۔

یاد رہے کہ سکون صرف اتباعِ رسالت میں ہے، اسلام میں ہے جبکہ آج کا مسلم معاشرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے احکام کی کھلی خلاف ورزی کرنے کے ساتھ ان احکامات کو ناقابلِ عمل کہنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ مغربی تہذیب کے دلدادہ نام نہاد دانشور یہی درس دیتے ہیں۔ دنیا میں مسلمان یا فتنہ کی زد میں ہیں یا ان پر اللہ کا عذاب وارد ہے کہ کفار کے ہاتھوں ذلیل ہو رہے ہیں اور قتل بھی کیے جا رہے ہیں۔

آج ہماری آبادیاں اور شہروں کے شہر آوارگی میں پھنس گئے ہیں، ہم اس آگ میں جھلس گئے ہیں۔ اس آوارگی کا نتیجہ ہم پر خانہ جنگی، قتل و غارت گری کی صورت میں مسلط ہے۔ ایک ہی گھر کے سارے فرد ہیں کچھ قاتل بن گئے ہیں کچھ ظلماً قتل ہو رہے ہیں۔ یہ سارے عذاب صرف اس لیے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا اتباع

چھوڑ دیا ہے۔ خلافِ سنت زندگی عذاب الٰہی کو دعوت دیتی ہے۔ اگر زندگی سنت کے مطابق نہیں ہوگی تو مصیبتیں آتی رہیں گی، ایک کا تدارک کریں گے تو دوسری آجائے گی۔

آج بھی سارے مصائب کا واحد علاج یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت اختیار کرلی جائے، اپنی تہذیب اور معاشرت کی خبر لی جائے، نظامِ تعلیم کو درست کیا جائے۔ لوگوں کو یہ شعور دیا جائے، تعلیم دی جائے کہ زندہ رہنے کا سلیقہ وہی ہے جو اللہ نے قرآن میں عطا فرمایا ہے۔ دینی مدارس اور دنیوی تعلیمی ادارے بھی یہ بتائیں کہ اللہ کریم نے زندگی گزارنے کا یہ طریقہ سکھایا ہے، مل جل کر رہنے کا طریقہ سکھایا ہے۔ جب اتباعِ رسالت پناہی ہوگا تو اللہ کی رحمت بھی نصیب ہوگی اور امن بھی ہوگا۔ یہ بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ پورے ملک میں حالات کتنے بھی پریشان کن ہوں پھر بھی وہ بندہ جو سنت کے مطابق زندگی گزارتا ہے، سنت سے پیار کرتا ہے اور عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے امن میں ہے پرسکون ہوتا ہے۔ جو خاندان ایسا کرتا ہے وہ خاندان پرسکون ہے۔ اللہ کریم اس کی حفاظت فرماتے ہیں اور ظلم کی آندھیاں بھی اس پر اثر انداز نہیں ہوتیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی مخالفت کرنا، غیر اسلامی تہذیب اپنانا عذابِ الٰہی کو لانے کا سبب ہے۔ دنیا میں بھی کافر کی زندگی دوزخ کی طرح ہے، سکون نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ مغربی معاشرے میں عزت و آبرو کا کوئی تصور نہیں ہے۔ ماں بیٹے، بہن، بھائی، باپ، بیٹی کا کوئی رشتہ نہیں، کسی کے پاس عزت شرافت کی کوئی بات نہیں، کھانے پینے کو حلال دستیاب نہیں ہے۔ اس معاشرے میں اتنی گندگی ہے کہ جتنا اُسے کھولتے جائیں اتنی بدبو اور غلاظت پھیلتی جائے گی۔ وہاں کی معاشرت کا اندازہ اس ایک مثال سے لگایا جاسکتا ہے کہ باپ اپنی بیٹی کو غیر مرد کے ساتھ بدکاری کرتے دیکھ کر بھی جھڑک نہیں سکتا، منع نہیں کرسکتا بلکہ مجبوراً کہتا ہے کہ HAVE A NICE TIME۔ کیا یہ انسانی معاشرہ ہے؟

کسی باپ کے دل سے پوچھو کہ اس پر کیسا قہر ٹوٹتا ہوگا؟ اُن کا حال تو یہ ہے کہ گھر کے تمام افراد الگ الگ آوارگی پر گئے ہوتے ہیں۔ جانوروں کی طرح گھر آتے ہیں اور ایک دوسرے سے بات کئے بغیر بستروں میں گھس جاتے ہیں۔ صبح اٹھ کر ہر کوئی اپنی زندگی الگ الگ جیتا ہے۔ یہ تو غیر انسانی معاشرہ ہو گیا۔ لوگ یہاں وطنِ عزیز سے مغربی ممالک جانے کو بے تاب رہتے ہیں پھر جب وہاں جاکر حالات دیکھتے ہیں تو پریشان ہوتے ہیں اور روتے ہیں کہ بچے کہنا نہیں مانتے، گمراہ ہو رہے ہیں جس تہذیب میں رہیں گے ویسے ہی بنیں گے۔

سکون صرف اتباعِ دین میں ہے، اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم میں ہے اسلام میں ہے۔ اس کے باہر مصیبتیں ہیں اور دکھ دینے والے عذاب ہیں۔ دنیا اور آخرت کا سکون، دل کا سکون، گھر کا سکون سب کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی غلامی میں ہے۔ عمل کرنے کے لیے جاننا بھی شرط ہوتا ہے کہ بندہ جانتا ہے تو عمل کرتا ہے۔ ہم دنیا جہاں کی باتیں سنتے ہیں ہمیں چاہیے کہ وقت گپ شپ میں ضائع کرنے کی بجائے کسی صاحبِ علم کے پاس بیٹھ کر تہذیب سیکھ لیں۔ کوئی اچھی کتاب پڑھ لیں تاکہ زندگی میں عمل میں کوئی بہتری آئے۔ کہا جاتا ہے کہ باتیں کر کے وقت پاس کر رہے ہیں یاد رکھو! یہ وقت محض پاس کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ اس کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔

بعض اوقات ایک لمحہ اللہ کا مقرب بنا دیتا ہے جبکہ ایک لمحے کی خطا عذابِ الٰہی کا سزاوار بنا دیتی ہے۔ اس لیے زندگی میں ایک ایک لمحے کو شمار کر کے خرچ کرنا چاہیے جس طرح پیسے کو گن گن کر شمار کر کے خرچ کرتے ہیں اسی طرح ایک ایک لمحے کو سکہ سمجھا جائے۔ اُسے اچھے موقع پر اپنی بھلائی کے لیے اپنے کام پر صرف کیا جائے۔ اللہ کا ذکر کیا جائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت کو شعار بنا لیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خاکِ پا میں ہی نجات ہے۔

## اللہ ہر چیز کے مالک ہیں:

انسان چیزوں پر اپنی ملکیت جتا تا رہتا ہے کہ یہ میرا گھر ہے، میرا کھیت ہے یہ میری دولت ہے میری سواری ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں: اَلَآ اِنَّ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔۔۔ جان لو! جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے بے شک سب اللہ ہی کا ہے۔

انسان کا اپنا کچھ بھی نہیں ہے سب کچھ اللہ کا ہے۔ ایک خاص وقت تک اللہ نے چیزیں انسان کے پاس امانت رکھی ہیں۔ جب وقت آئے گا تو سب کچھ دھرا دھرایا چھوڑ کر چلا جائے گا۔ اچھی طرح سن لو جو کچھ زمینوں یا آسمانوں میں ہے سب اللہ کا ہے۔ فرمایا: قَدْ یَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَیْہِ ؕ وَیَوْمَ یُرْجَعُوْنَ اِلَیْہِ فَیُنَبِّئُھُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۶۴﴾ اور یقیناً اللہ اس حالت کو بھی جانتے ہیں جس پر تم (اب) ہو اور جس روز لوگ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے تو جو عمل وہ لوگ کرتے رہے وہ (اللہ) اُن کو بتا دیں گے اور اللہ ہر چیز سے واقف ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ جو کچھ تم کرتے ہو جس حال میں بھی ہو اللہ اسے بھی جانتے ہیں۔ رہا یہ سوال کہ اتباعِ سنت کے چھوٹ جانے اور مصائب

کے نزول میں کیا تعلق ہے تو اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ دن اور رات ، مال و دولت راحت و آرام ، یہ زمین آسمان اور ان میں جو کچھ ہے وہ سب میرا ہے۔ یہ میرے فیصلے ہیں کہ کہاں سکون بھیجنا ہے، کہاں پریشانی بھیجنی ہے، کہاں دکھ بھیجنا ہے اور کہاں سُکھ بھیجنا ہے۔ جب تم عدمِ اطاعت کرو گے تو تم پر دُکھ بھیج دوں گا۔ تم کس خیال میں ہو؟ یہ جان لو کہ تم جس حال میں بھی ہو اللہ جانتے ہیں اور تم اللہ سے چھپ کر چوری چوری کچھ نہیں کر سکتے سو جیسا کرو گے ویسا نتیجہ پاؤ گے۔ اگر تمہیں ان باتوں پر یقین نہیں آرہا تو جان لو کہ ایک دن آئے گا جب تم دنیا چھوڑ کر واپس اس کی دنیا میں آجاؤ گے تب وہ تمہیں بتائے گا جو کچھ تم دنیا میں کرتے رہے۔ کتنے کام ہیں، کتنے جرائم ہیں جو تم خود بھول چکے ہو گے لیکن اس کی بارگاہ میں تمہیں بتایا جائے گا کہ تم نے یہ بھی کیا اور وہ بھی کیا اس لیے کہ اللہ تمہارے ہر حال سے واقف ہے۔ اللہ کریم ہر چیز سے ہر آن آگاہ ہے، خبر رکھتا ہے، جانتا ہے۔ نعمتیں اور مصیبتیں اسی کی مخلوق ہیں، راحت اسی کی طرف سے آتی ہے اور دکھ بھی کہ دُکھ سُکھ بھی اسی کی مخلوق ہیں۔ سو فرمایا، جب تم میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع چھوڑ و گے تو میں تم پر دکھ نازل کروں گا اور اس بات سے ڈرتے رہو کہ کہیں تم پر دکھ دینے والا بڑا عذاب نہ نازل ہو جائے۔ دراصل دنیا و آخرت کا سُکھ اور آرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقِ دل سے اتباع میں ہے۔ اللہ کریم سب کو توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

# سورۃ الفرقان رکوع 1 آیات 1 تا 9

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ﴿۲﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ﴿۳﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَاۗءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۚ﴿۴﴾ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۵﴾ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۶﴾ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۙ﴿۷﴾ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۸﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۧ﴿۹﴾

بڑی بابرکت ذات ہے جس نے اپنے (خاص) بندے (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر یہ فیصلہ کرنے والی کتاب (قرآن) نازل فرمائی تا کہ وہ تمام دنیا جہان والوں کو (انجام بد سے) ڈرانے والے ہوں ﴿۱﴾ ایسی ذات کہ جس کے لیے آسمانوں اور

زمین کی بادشاہی ہے اور جس نے (کسی کو) بیٹا نہیں بنایا اور جس کا بادشاہی میں کوئی شریک نہیں اور (جس نے) ہر چیز کو پیدا فرمایا پھر سب کا الگ الگ اندازہ رکھا ﴿۲﴾ اور انہوں نے اس (اللہ) کے سوا معبود بنا لیے ہیں جو کوئی چیز بھی پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں اور اپنے نقصان اور نفع کا کچھ اختیار نہیں رکھتے اور نہ مرنا ان کے اختیار میں ہے اور نہ جینا اور نہ مر کر اٹھ کھڑے ہونا ﴿۳﴾ اور کافر لوگ (قرآن کے بارے) یوں کہتے ہیں کہ یہ تو کچھ بھی نہیں سوائے اس کے کہ جھوٹ ہے جس کو انہوں (پیغمبر) نے گھڑ لیا ہے اور دوسرے لوگوں نے اس میں ان کی مدد کی ہے سو بے شک یہ لوگ بڑے ظلم اور جھوٹ پر اُتر آئے ہیں ﴿۴﴾ اور کہتے ہیں یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جن کو ان (پیغمبر) نے لکھ رکھا ہے سو وہ صبح اور شام ان کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ﴿۵﴾ آپ فرما دیجیے کہ اس (قرآن) کو اس ذات نے نازل فرمایا ہے جو سب پوشیدہ رازوں خواہ وہ آسمانوں میں ہوں اور زمین میں ان سے واقف ہیں بے شک وہ (اللہ) بخشنے والے، مہربان ہیں ﴿۶﴾ اور کہتے ہیں یہ کیسے پیغمبر ہیں کہ کھانا کھاتے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں کیا گیا تو وہ ان کے ساتھ رہ کر (انجام بد سے) ڈراتا ﴿۷﴾ یا ان کے پاس (غیب سے) کوئی خزانہ آ پڑتا یا ان کے لیے کوئی باغ ہوتا کہ اس میں سے کھایا کرتے۔ اور یہ ظالم یوں کہتے ہیں کہ تم صرف ایک جادو زدہ شخص کی پیروی کر رہے ہو ﴿۸﴾ دیکھیں! یہ آپ کے بارے میں کیسی باتیں کرتے ہیں۔ سو گمراہ ہو گئے پس راستہ نہیں پا سکتے ﴿۹﴾

# تفسیر و معارف

سورۂ فرقان شروع ہوتی ہے۔ یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور عموماً مکی سورتوں میں زیادہ بحث عقائد پر کی گئی ہے کہ یہ اعمال کی بنیاد ہیں۔ مدینہ منورہ میں نازل ہونے والی سورتوں میں زیادہ بات اعمال، کردار اور معاشرت پر کی گئی ہے۔ یہ سورۂ نور کے بعد اس لیے ہے کہ اُسی مضمون کو جو سورۂ نور میں چل رہا تھا اللہ جل شانہ کی توحید کا، اس کے

خالق اور مالک ہونے کا، اس کی قدرتِ کاملہ کا، اس مضمون کو لے کر آگے بڑھاتی ہے۔

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا منصبِ جلیلہ:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۙ﴿1﴾ بڑی بابرکت ذات ہے جس نے اپنے (خاص) بندے (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم) پر یہ فیصلہ کرنے والی کتاب نازل فرمائی تاکہ وہ تمام دنیا جہان والوں کو (انجام بد سے) ڈرانے والے ہوں۔ اللہ کریم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایک ایسی کتاب نازل فرمائی جو فرقان ہے یعنی الگ الگ کر دیتی ہے، سچ اور جھوٹ کو جدا کر دیتی ہے، حق اور باطل الگ ہو جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا منصب عالی یہ ہے کہ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۙ﴿1﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم تمام کائنات کو ایک ایسا نصاب ارشاد فرماتے ہیں جس کے اثرات اس دنیوی زندگی سے لے کر قیامت تک اور آخرت کی ابدی زندگی تک مرتب ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا منصبِ جلیلہ ہے کہ کائنات کی ہر شئے کو اس کے انجام سے بروقت خبردار کر دیں کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔

انذار کا اردو میں ترجمہ 'ڈر' کر دیا جاتا ہے۔ انذار سے مراد ایک خاص ڈر ہے کہ اپنے کردار کے انجام سے ڈرنا کہ جو میں کر رہا ہوں اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اس نتیجے کا خوف انذار ہے کہ اگر میں غلط کر رہا ہوں تو اس کا نتیجہ میرے لیے تکلیف دہ ہوگا۔ جیسے کوئی کاروبار میں لاکھوں روپے لگا دیتا ہے پھر اسے خدشہ رہتا ہے کہ کوئی ایسی غلطی نہ کر دے جس سے سارا سرمایہ ضائع ہو جائے کہ لگایا تو منافع کے لیے ہے ایسا نہ ہو کہ اصل بھی ضائع ہو جائے۔ یہ انجام کا خطرہ انذار ہے، سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سارے جہانوں کے لیے اُن کے انجام سے آگاہ فرمانے والے ہیں۔

عالمین میں اللہ کریم کی ذات کے علاوہ ساری کائنات شامل ہے یعنی ایک ذاتِ باری کے سوا جو کچھ ہے وہ عالمین میں شامل ہے۔ تمام مخلوق اس میں داخل ہے۔ اللہ خالق ہے باقی سب مخلوق ہے خواہ زمینوں میں ہے، آسمانوں پر۔ عرشوں پر ہے، خشکی پر ہے یا تری میں جہاں تک ہے۔ اللہ کریم ربّ العالمین ہے، یہ اللہ کریم کی صفت ہے کہ وہ تمام جہانوں کا پروردگار ہے، پالنے والا ہے، اُسی طرح آقائے نامدار کا منصب ہے رحمۃ للعالمین کہ تمام عالمین کے لیے باعثِ رحمت ہیں۔ کائنات کے ہر ذرّے کو ذی روح کو یا بے جان چیزوں کو جو نعمتیں اللہ کی طرف سے مل رہی ہیں وہ بوساطتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم تقسیم ہو رہی ہیں اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ذریعے رحمتِ الٰہی مخلوق تک پہنچ رہی ہے یہ بھی رحمت کا ہی انداز ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم تمام کائنات کو اس کے کردار کے انجام سے بروقت باخبر کر دیں۔ ساری کائنات زندگی تو گزار رہی ہے، ہر ایک کی اپنی اپنی زندگی ہے انسانوں کی اپنی

ہے، جنوں کی اپنی ہے، حیوانوں کی اپنی ہے۔ ہر شے اپنا وقت تو گزار رہی ہے۔ زندگی گزارتے ہوئے فنا کی طرف رواں دواں ہے لیکن اس سفر کا انجام کیا ہوگا، فائدہ ہوگا یا نقصان ہوگا؟ یہ جو کاروبارِ حیات ہورہا ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا یہ منصبِ جلیلہ ہے کہ صرف انسانوں کو ہی نہیں بلکہ کائنات کی ہر شے کو اس کے انجام سے باخبر کردیں کہ جو کچھ تم کررہے ہو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔

کائنات میں بے پناہ مخلوق ہے کتنی ایسی ہے جو بے جان ہے۔ وہ جو شاعر نے کہا تھا:

خاک و آب و باد و آتش بندہ اند
بامن و تو مردہ زندہ اند

بے جان چیزیں تو ہمارے لیے ہیں اُس خالق کائنات کی تو ساری مخلوق ہیں اس کے لیے تو وہ بھی جاندار ہی ہیں۔ اس کا حکم سنتی ہیں، مانتی ہیں، عمل بھی کرتی ہیں اور ہمہ وقت اس کا ذکر بھی کرتی ہیں۔ کائنات کی یہ بے جان چیزیں غیر مکلف مخلوق ہیں ان میں سے جس چیز سے ذکر اللہ چھوٹ جاتا ہے وہ فنا ہو جاتی ہے۔ وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ۔۔ (بنی اسرائیل:44) اور کوئی ایسی چیز نہیں مگر اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے۔ اس کا مطلب ہے جو شئے ذکر چھوڑ دے وہ ختم ہو جاتی ہے۔ دریا سے چھوٹ جائے خشک ہو جاتا ہے، پہاڑ سے چھوٹ جائے تو گر جاتا ہے، درخت سے چھوٹ جائے سوکھ جاتا ہے۔ گویا کائنات کے ہر ذرّے تک اس کی ضرورت کے مطابق اللہ کی رحمت پہنچ رہی ہے اور رحمۃ للعالمین کے ذریعے پہنچ رہی ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ہی کو یہ منصب بھی عطا ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم تمام کائنات کو اس کے انجام سے مطلع کردیں۔ یہ وہ عالی اور عظیم مقام ہے کہ ہماری عقل و خرد میں نہیں سما سکتا۔ انسانی آبادی اربوں میں ہے، اربوں لوگ اس جہانِ فانی سے گزر چکے ہیں اور نجانے ابھی کتنے آنے والے ہیں تو ایک ایک فرد سے پوری زندگی کی بحث کر کے اُسے نتیجہ نکال کر بتانا یہ بات سمجھنے سے ہماری عقل قاصر ہے کہ یہ کیونکر ممکن ہے۔ دنیا میں ممالک کے دانشور حکومتوں کے اعلیٰ ترین سمجھدار لوگ ضابطے و قوانین بناتے ہیں زندگی گزارنے کے اصول بناتے ہیں پھر عجیب بات ہے کہ خود ہی اُن میں ترامیم کرتے ہیں۔ انسانوں کے بنائے ہوئے ضابطوں میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی کمی رہ جاتی ہے پھر کوئی نیا مسئلہ آجاتا ہے تو سب جمع ہو کر سوچتے ہیں کہ کیا کیا جائے۔

وہ کیا ہستی تھی صلی اللہ علیہ وسلّم جس نے پوری آدمیت کو نظامِ حیات دیا اور تب سے لے کر قیامت تک کے لیے عطا فرمایا جس میں کسی ترمیم کی کبھی ضرورت پیش نہیں آئی نہ کبھی آئے گی۔

دنیا میں ملکوں کے اصول بنتے ہیں اور ایک ملک کے قوانین دوسرے پر لاگو نہیں ہوتے، ہو سکتے ہی نہیں کہ لوگوں کے مزاج مختلف، زبانیں مختلف، قد کاٹھ مختلف، غذا مختلف، موسم اور اوقات مختلف ہوتے ہیں۔ ہر ملک اپنے لیے اصول وضوابط بناتا ہے، یہ کیسے قوانین آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلّم نے دیے کہ روئے زمین پر ہر قوم، ہر ملک، ہر فرد کے لیے قابلِ عمل بھی ہیں اور بہترین بھی ہیں، کسی موسم کے فرق سے، اوقات کے فرق سے یا رنگ نسل قد وقامت یا غذا کے فرق کی وجہ سے کوئی تبدیلی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسے قوانین وہی بتا سکتا ہے جس نے کائنات بنائی اور کون بتا سکتا ہے؟ وہی بتا سکتا ہے جو اس کا بھیجا ہوا رسولؐ اس کی طرف سے لے کر آئے۔ سو فرمایا بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے ایسی کتاب اپنے خاص بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلّم پر نازل فرمائی جو حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے اور تمام جہانوں کو اُن کے کردار کے انجام سے باخبر کر دیتی ہے۔ یہ کتنی بڑی رحمت ہے اللہ کریم کی کہ ایک بچہ کمرہ امتحان میں بیٹھا ہو، سوال حل کر رہا ہو کوئی اُسے آکر سمجھائے کہ یہ جو لکھ رہے ہو اس سے تم فیل ہو جاؤ گے۔ پھر اُسے کہے کہ یہ مضمون اس طرح لکھو، اس کا جواب یہ ہے تو پاس ہو جاؤ گے اب اس سے بڑی نعمت اس کے لیے کوئی ہو سکتی ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ساری انسانیت کو جو اس دارِ دنیا میں کمرۂ امتحان میں ہے بتا دیا کہ اس طرح عمل کرو گے تو فیل ہو جاؤ گے، ناکام ہو جاؤ گے اور اللہ کے عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ اس طرح کرو جیسا کہا جائے تو دنیا میں بھی آسانی ہوگی، آزادی ہوگی، خوشی اور مسرت ہوگی، آخرت میں بھی کامیاب ہو جاؤ گے۔ یہ مفہوم ہے لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝۱ کا کہ تمام جہانوں کو برے انجام سے بروقت مطلع کرنے والے۔ یہ بلند اور عالی مرتبہ عطا ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو اور جو اوصافِ حمیدہ اللہ کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو عطا فرمائے اگر اُن پر بات کی جائے تو شاید ہماری زندگی ساتھ چھوڑ جائے، عمر تمام ہو جائے لیکن اوصاف حمیدہ گنے نہ جا سکیں۔

## بابرکت ذات (جل شانہ):

کس نے یہ کتاب نازل فرمائی، کس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو اتنے علومِ عالی عطا کیے اور اتنا بلند مرتبہ عطا کیا، فرمایا: الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝۲ ایسی ذات کہ جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور جس نے (کسی کو) بیٹا نہیں بنایا اور جس کا بادشاہی میں کوئی شریک نہیں اور (جس نے) ہر چیز کو پیدا فرمایا پھر سب کا الگ الگ اندازہ رکھا۔

اُس ہستی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ منصبِ جلیلہ اور کمالات بخشے ہیں جس کی حکومت اور اقتدار حقیقتاً

ارض وسما، ساری کائنات پر قائم ہے۔ یہ حکومت صرف کہنے کو نہیں بلکہ واقعی حکومت ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ جس کی کوئی اولاد نہیں جس کا کوئی بیٹا نہیں۔ 'ولد' کی تردید اس لیے فرمائی گئی کہ اولاد وارث ہوتی ہے اور جب بالغ ہوتی ہے تو باپ کے کاروبار میں کام کاج میں، باپ کی حکومت میں شریک ہو جاتی ہے۔ فرمایا، اُس کی کوئی اولاد نہیں جو اُس کے کاموں میں شریک ہو، زمینوں آسمانوں کی سلطنت اور بادشاہی اُسی کے لیے ہے۔ اس کا کوئی بیٹا نہیں وہ اس سے بالاتر ہے۔ کوئی اس کی بادشاہی میں شریک نہیں ہے نہ ہی کوئی حصہ دار ہے۔

وہ وحدہٗ لاشریک ہے اُس کے فیصلے سب پر لاگو ہوتے ہیں لیکن اُس پر کسی کا فیصلہ لاگو نہیں ہوتا۔

وہ ایسا قادر ہے کہ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ جو کچھ ہے اُس نے سب خود پیدا کیا ہے سب اس کی مخلوق ہے اُس کے ساتھ شراکت کون کرے گا! خالق اور مخلوق میں کون سی شراکت ہوتی ہے، مخلوق تو مخلوق ہے۔ جیسی خالق نے بنا دی ویسی بن گئی۔ اُس نے جانور کو جانور بنایا۔ درندے کو درندہ بنایا اُسی نے چرندے کو چرندہ بنایا، اُسی نے جانوروں کو پانی میں پیدا کر دیا، زمین پر پیدا کر دیا۔

اللہ ہی نے آسمانوں کو، عرشوں کو بنایا وہاں کی مخلوق کو بنایا الغرض جو کچھ بھی بنا اُسی کا تخلیق کردہ ہے اور اُس مالک نے وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝۲ ہر چیز کو پیدا فرمایا پھر سب کا الگ اندازہ اس نے خود مقرر کیا کہ کون کیسا ہوگا، اس کا قد کیا ہوگا، اس کی غذا کیا ہوگی۔ جنگلی حیات دیکھیں تو حیرت ہوتی ہے کہ درندے روزانہ کسی جانور کا خون کریں گے تو زندہ رہیں گے، چلتے پھرتے دوسرے جانوروں، ہرنوں وغیرہ کو چیر پھاڑ کر کھا لیتے ہیں۔ اب یہ اللہ کی مرضی کہ وہ مالک ہے اس نے انہیں یہ درندگی دے دی اور گوشت کو ہی ان کی غذا بنا دیا، یہ بے چارے گھاس کھا کر تو زندہ نہیں رہ سکتے۔ گوشت خور جانور کو گھاس ہضم نہیں ہوتی، گوشت ہی کھائے گا، ان کو گوشت کھانے کی خُو عطا فرمائی اور اُن جانوروں کو بھی زندگی دے دی جو ان کی خوراک بنتے ہیں وہ بھی کبھی کم نہیں ہوتے ان سے بھی جنگل بھرے پڑے ہیں۔ اسی طرح وہ جانور جو گھاس پھوس کھاتے ہیں اُن کی غذا سے بھی جنگل بھرے ہوئے ہیں۔ اسی طرح کیڑے مکوڑوں سے لے کر بڑے بڑے جانوروں تک ہر ایک کی غذا کا اہتمام، جینے مرنے کا نظام وغیرہ، اگر سوچا جائے تو دماغ شل ہو جاتا ہے۔ وہ اکیلا اس سب کا خالق بھی ہے مالک بھی ہے واحد ہے لاشریک ہے اس کائنات کو اکیلا چلا رہا ہے۔ اس نے ہر چیز کو پیدا کر کے اس کا اندازہ مقرر کر دیا اور ایک ایک خلیہ (سیل) جوڑ کر وجود بنائے۔ ایک وجود میں اربوں کھربوں خلیے (سیل) ہیں اور ہر سیل کا اپنا کام ہے جو وہ کر رہا ہے اور اپنے وقت پر مر بھی رہا ہے اس کی جگہ نیا پیدا بھی ہو رہا ہے وہ اتنا باریک بین

ہے کہ کروڑوں سیل ایک انگلی کی پور پر رکھو تو نظر نہیں آتے۔

شجر و حجر، دریا و صحرا، بستی بستی اس کی تخلیق کے رنگ بکھرے ہوئے ہیں۔ اس کی مخلوق کے عجیب عجیب رنگ ہیں، پیدائش عجیب ہے تو زندگی عجیب تر ہے۔ موت آتی ہے تو فنا ہو جاتے ہیں۔ بارش برستی ہے تو پہاڑ، وادیاں، میدان سبزے سے بھر جاتے ہیں۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے، پھولوں کو دیکھو تو رنگ الگ ہیں، خوشبو الگ ہے ہر ایک کی تاثیر جدا ہے۔ انسان شمار ہی نہیں کر سکتا، سمجھ ہی نہیں سکتا اور اس خالق نے ہر چیز کو پیدا کر کے اس کا اندازہ مقرر کر دیا کہ کس قد کاٹھ کا ہوگا رنگ کیا ہوگا، عادتیں کیا ہوں گی، خُو کیا ہوگی، زندگی کیسے گزارے گا، خوراک کیا ہوگی، توالد و تناسل کیسے ہوگا، کب کون کس کے ہاں پیدا ہوگا؟ یہ سارا طے شدہ نظام ہے۔ وہ اتنی عظیم ہستی ہے اس نے اپنے اس خاص بندے صلی اللہ علیہ وسلّم کو مبعوث فرمایا اور اُسے عالمین کے لیے نظامِ حیات عطا فرما کر یہ منصبِ جلیلہ عطا فرمایا کہ وہ تمام جہانوں کو اللہ کے عذاب سے بچنے کا طریقہ بتا دیں اپنے اس بندے صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات پر نبوت مکمل کر دی کہ اس کے بعد قیامت تک کسی نئے نبیؐ کے آنے کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔

ہمارے ہاں ختم نبوت پر بحث ہوتی رہتی ہے اور یوں کہا جاتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم پر نبوت ختم ہوگئی۔ اس کو اس انداز سے سمجھنا چاہیے کہ چراغ جلتے ہیں، روشنی کے لیے بلب وغیرہ جلتے ہیں لیکن جب سورج نکل آتا ہے تو کیا ان کی ضرورت رہتی ہے؟ سورج غروب ہوگا تو جلیں گی، اس پر کسی عرب شاعر نے خوب کہا تھا:

اَفَلَتْ الْاَوَّلِیْنَ وَ شَمْسُنَا
اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَاتَغْرَبُو

کہ پہلی قوموں کے سورج طلوع ہوئے، انبیاؑ مبعوث ہوئے لیکن اُن کا عہدِ نبوت مکمل ہو گیا۔ جو دین وہ لائے اس کا دور پورا ہو گیا، دین منسوخ ہو گیا نیا دین آ گیا نئی، نبوت آ گئی، نئی رسالت اور نئی کتاب آ گئی لیکن **وَالشَّمْسُنَا** ہمارا سورج آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلّم **اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَاتَغْرَبُو**

ہمیشہ **اُفُقِ الْعُلٰی** پہ رہے گا اسے غروب نہیں ہونا۔ اس طرح سے اگر یہ بات سمجھی جائے تو آسانی سے سمجھ آ جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات پر نبوت مکمل ہوگئی اب کسی نئے نبیؐ کے آنے کی ضرورت ہی باقی نہ رہی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو منصبِ جلیلہ عطا کرنے والی ہستی وہ ہے جو سب کی خالق ہے، واحد و یکتا ہے اس کی بادشاہی میں کوئی شریک نہیں ہے۔ باقی سب اس کی مخلوق ہے اور ایسی مخلوق کہ جس کا نظامِ حیات تک خود اس خالق نے مقرر کیا ہے۔ مخلوق خود اپنے جینے کا ڈھنگ بھی نہیں بنا سکتی۔

## مخلوق کی عاجزی:

اللہ کریم وہ خالق ہے جس نے ہر چیز کو خود پیدا فرمایا اور اس کا نظامِ حیات مرتب فرمایا، جس کی سلطنت میں کوئی حصہ دار نہیں، کوئی بیٹا نہیں جو اس کے وارث ہونے کا دعویٰ کر سکے پھر یہ کتنے بیوقوف لوگ ہیں جو اس ہستی کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو معبود بنا لیتے ہیں۔

فرمایا: وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝ اور انہوں نے اس (اللہ) کے سوا معبود بنا لیے ہیں جو کوئی چیز بھی پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں اور اپنے نقصان اور نفع کا کچھ اختیار نہیں رکھتے اور نہ مرنا ان کے اختیار میں ہے اور نہ جینا اور نہ مر کر اُٹھ کھڑے ہونا۔

کتنی عجیب بات ہے کہ لوگ اُس ہستی کو چھوڑ کر دوسروں کو معبود بنا لیتے ہیں حالانکہ دنیا، آسمانوں میں، عرشوں پر، کہیں بھی کوئی ہے وہ خود اللہ کی مخلوق ہے اور مخلوق تو خالق کی بادشاہت میں شراکت کی حیثیت یا جرأت نہیں رکھتی۔ یہ لوگ ایسے بد بخت ہیں کہ مخلوق کو معبود بنا لیتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے کہ پیدا کرنا اس واحد و لاشریک کو زیبا ہے جو اکیلا خالق ہے۔ خالق وہ ہے جو عدم سے وجود دیتا ہے۔ تخلیق یہ ہے کہ کچھ بھی نہیں تھا تو پیدا کر دیا۔ کائنات میں جو کچھ بھی انسان کرتا ہے، اگر کوئی چیز ایجاد کرتا ہے تو اس کے اجزا پہلے سے اللہ نے پیدا کیے ہوتے ہیں، انسان بس انہیں جمع کرتا ہے۔ آج کل یہ بات غلط العام ہو چکی کہ ادب میں اگر کوئی دو مصرعے جوڑے تو کہا جاتا ہے کہ یہ اس شعر کا خالق ہے، کوئی کتاب لکھے تو کہتے ہیں یہ اس کتاب کا خالق ہے۔ ایسا کہنا درست نہیں ہے کہ اگر کوئی شعر کہتا ہے تو ادب، زبان اور الفاظ پہلے سے موجود ہوتے ہیں جنہیں وہ ترتیب دیتا ہے۔

اسی طرح جب ہم کھانا پکاتے ہیں تو اس میں کتنی چیزیں ڈال دیتے ہیں کوئی چیز ہم پیدا نہیں کرتے بلکہ اللہ کی پیدا کردہ چیزیں جو موجود ہیں اُنہیں جمع کر کے ایک چیز بناتے ہیں۔ انسان نے ہوائی جہاز، مشینیں، کمپیوٹر جو کچھ بھی ایجاد کیا اس میں انسان کی کوئی تخلیق نہیں ہے بلکہ سب اللہ کی تخلیق کردہ چیزوں کو ترتیب سے جوڑ کر بنایا گیا ہے۔ خالق صرف اللہ ہے اور یہ لفظ کسی دوسرے کو جچتا ہی نہیں ہے۔

فرمایا یہ ایسے بے وقوف لوگ ہیں کہ اللہ کے علاوہ دوسروں کو معبود بنا لیتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے کہ وہ خود مخلوق ہیں آگے کسی کو کیا پیدا کریں گے مخلوق جتنی بھی ہے اس کی ایک اور عجیب بات یہ ہے کہ نہ وہ موت پر قادر

ہے نہ حیات پر قادر ہے۔ وہ خود اپنے نفع نقصان پر قادر نہیں تو کسی دوسرے کا کیا کرے گی؟

اللہ کے علاوہ جن کو بھی پوجا جاتا ہے اُن کا نفع نقصان خود اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، وہ اپنے نفع نقصان پر قدرت نہیں رکھتے کسی اور کا کیا کریں گے۔ اُن کی موت اور زندگی کا فیصلہ اللہ کا ہوتا ہے۔ وہ خود اپنی موت اور زندگی پر قادر نہیں ہیں اور نہ ہی دوبارہ حشر کرنے پر قادر ہیں تو جو اتنا بے بس ہے کہ ایک ایک سانس لینے میں اللہ کا محتاج ہے اُس کی پوجا کس لیے کی جائے؟ اُس ہستی کی کیوں نہ کی جائے جو کسی کا محتاج نہیں جس کا حق یہ ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔ یعنی ایسی بے بس مخلوق کو کیوں پوجا جائے جو نہ موت پر قادر ہے نہ حیات پر، نفع پر قادر ہے نہ نقصان پر، حشر پر نہ ہی آخرت پر کوئی قدرت رکھتی ہے؟

کافروں سے جب کچھ نہیں بن پڑتا، کوئی عقلی و نقلی دلیل نہیں ہوتی تو کہتے ہیں، فرمایا: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨ افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَاۗءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ④ اور کافر لوگ (قرآن کے بارے) یوں کہتے ہیں کہ یہ تو کچھ بھی نہیں سوائے اس کے کہ جھوٹ ہے جس کو انہوں (پیغمبر) نے گھڑ لیا ہے اور دوسرے لوگوں نے اس میں ان کی مدد کی ہے سو بے شک یہ لوگ بڑے ظلم اور جھوٹ پر اتر آئے ہیں۔

کافر کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) پیغمبر نے تو محض ادھر اُدھر کی باتیں جوڑ لی ہیں اور کچھ لوگوں سے مدد لے کر، باتیں سُن سُنا کر یہ کہہ دیا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ لوگ بہت بڑی زیادتی، بہت بڑا ظلم کر رہے ہیں اور جھوٹ گھڑ رہے ہیں۔ ظلم اس جھوٹ کو کہتے ہیں جس کا خود بولنے والے کو علم ہوتا ہے کہ وہ غلط بیانی کر رہا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ کافروں کا یہ کہنا کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے بلکہ پیغمبر نے باتیں گھڑ کر اسے کلام الٰہی کہہ دیا ہے بہت بڑا ظلم ہے اور وہ خود جانتے ہیں کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ کافر یہ بھی کہتے ہیں: وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ⑤ اور کہتے ہیں یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جن کو ان (پیغمبر) نے لکھ رکھا ہے سو وہ صبح شام ان کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔ بھلا ان کافروں سے پوچھا جائے کہ کیا پہلی قوموں کے قصے کہانیاں حق اور باطل کو بیان کر سکتی ہیں؟ کیا یہ کہانیاں مخلوق کی زندگی کا نصاب حیات مقرر کر سکتی ہیں؟ کیا خالق اور مخلوق کا تفاوت اور دونوں کی صفات بیان کر سکتی ہیں؟ پہلی قوموں کے قصے، کیا زندگی اور اس کے انجام سے آگاہ کر سکتے ہیں؟

اس کتاب نے تو ایک ایک فرد کو نظامِ حیات دیا، موت و مابعد الموت کی خبر دی اور نفع و نقصان الگ الگ بتا دیے۔ یہ سب قصے کہانیوں میں کہاں ملتا ہے؟

## قرآنِ کریم اوّل تا آخر اللہ کی رحمت ہے:

اس قرآن کو تو اس ہستی نے نازل فرمایا ہے جو ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ فرمایا: قُلۡ اَنۡزَلَهُ الَّذِیۡ یَعۡلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا۝۶ آپ فرما دیجیے کہ اس (قرآن) کو اس ذات نے نازل فرمایا ہے جو سب پوشیدہ رازوں خواہ وہ آسمانوں میں ہوں اور زمین میں ان سے واقف ہیں بے شک وہ (اللہ) بخشنے والے مہربان ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرما دیجیے کہ یہ کتاب اس ہستی نے نازل فرمائی ہے جو زمینوں، آسمانوں کائنات کی ہر شئے کے بھیدوں، اُن کے خفیہ انداز اور حقیقت سے بھی آگاہ ہے۔ ایک انسان کے اندر کیا کچھ ہے، اس کے خون میں، ایک ایک ذرّے میں کیا کچھ ہے، اس کے اندر کا نظام کیسا ہے؟ اللہ اس کو جانتا ہے جبکہ دیکھنے والے کو ایک آدمی نظر آتا ہے۔ کائنات کے ہر ذرّے کی حقیقت کو تہہ تک جاننے والی، ساری مخلوق کے تمام خفیہ رازوں سے آگاہ اُن کی خصوصیات، عادات اور مزاج ہر چیز سے ہمہ وقت آگاہ ذات نے یہ قرآن نازل فرمایا ہے۔ مخلوق تو ان حقائق سے آگاہ نہیں ہوتی سو وہ کیا نظام دے گی!

اللہ کریم نے قرآن نازل فرمایا کہ وہ بہت بڑا معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ یہ قرآن کریم از اوّل تا آخر ساری اس کی رحمت ہے۔ یہ اس کی بخشش ہے کہ اس نے بروقت انسان کو دو عالم کے حقائق سے آگاہ کر دیا، جینے مرنے کے آداب سکھا دیے، چھوٹے بڑے سے تعلقات، معاشرت، معیشت، تعظیم، عبادات، اللہ سے تعلق، قوم سے ملک اور بین الاقوامی برادری سے تعلقات، ہر بات پوری وضاحت سے ارشاد فرما دی۔ اس لیے کہ وہ معاف کرنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے۔ قرآن کریم سورۃ فاتحہ سے لے کر والناس تک سارا اللہ کا کلام ہے اس کے ہر سورۃ پر ہر آیت پر اور ہر لفظ میں برکاتِ الٰہی ہیں، انوارات الٰہی ہیں تجلیاتِ الٰہی ہیں لہٰذا ہر لفظ بابرکت ہے۔ قرآن کو پڑھنا ہے تو ایک سرے سے دوسرے سرے تک پڑھنا چاہیے، سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ یہ بہت بڑا خزانہ ہے۔ اس میں سارا نظامِ حیات ہے، سارا نظامِ آخرت ہے۔ اس میں موت و مابعد الموت، جنت دوزخ، آخرت، قیامت ہر چیز اس میں لکھی ہوئی ہے۔ قرآن کریم کا پڑھنا عبادت ہے اور یہ ایسی کتاب ہے کہ اس کے سمجھنے سے تو سینہ کھلتا ہے دل نورٌ علیٰ نور ہوتا ہے۔ اگر کسی کو سمجھ نہ بھی آئے اور وہ محض تلاوت کرتا ہے تو اس کی زندگی میں بھی برکات آجاتی ہیں۔ اُس کی بھی اصلاح ہو جاتی ہے اور کردار سدھرنے لگتا ہے۔ قرآن ایسی کتاب ہے جس کا پڑھنا تو سنّت ہے اور جب پڑھی جا رہی ہو تو سننا فرض ہے۔ اس کی

عظمت ایسی ہے کہ اگر کوئی اس کی تلاوت کر رہا ہو اور دوسرے تک آواز پہنچے تو اس پر سننا فرض ہو جاتا ہے اور یہ اللہ کا انعام اس لیے ہے کہ وہ بہت بڑا بخشنے والا، بہت بڑا رحم کرنے والا ہے۔

اب اس کے بعد بھی اگر کوئی اس کتاب سے استفادہ نہ کرے اور اس کے غضب کو دعوت دے تو اللہ کسی پر زیادتی نہیں کرتے بلکہ: وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (یونس:44) یہ لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے رہے ہیں کہ انہوں نے اللہ کی رحمت کا کوئی صفحہ نہیں کھولا اور اگر کھولا تو اُسے سمجھا نہیں۔

اب تو ایسا دور آ گیا ہے کہ لوگوں نے قرآنِ کریم کو بھی عملیات کی کتاب سمجھ لیا ہے روزانہ منتخب سورتیں پڑھتے ہیں کہ کوئی فائدہ ہوگا، حالانکہ یہ زائد فوائد میں آتے ہیں۔ حدیث شریف میں جو ملتا ہے کہ فلاں سورہ سونے سے پہلے پڑھ لی جائے یا بیماری میں کوئی سورہ پڑھ لی جائے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ صرف وہ سورہ پڑھی جائے۔ یاد رہے کہ صحابہؓ وہ لوگ تھے جو روزانہ قرآن پڑھتے تھے اور اُن میں ایسے بھی تھے جو ایک ایک رکعت میں قرآن ختم کر لیتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وتر کی ایک رکعت میں تیس پارے پڑھ کر رکوع کرتے تھے سو یہ اُن لوگوں کے لیے ہے جو سارا قرآن پڑھتے ہیں۔

حدیث شریف میں بعض سورتوں اور آیات کی فضیلت بیان ہوئی ہے کہ جو سونے سے پہلے پڑھنی چاہیے مثلاً ارشاد ہوتا ہے کہ سونے سے پہلے سورۂ ملک پڑھنے سے بہت برکت نصیب ہوتی ہے۔ اسی طرح ارشاد ہوتا ہے کہ سونے سے پہلے آیۃ الکرسی پڑھ لو اور اگر آیۃ الکرسی پڑھ کر گھر یا کمرے کا دروازے بند کر لو تو رات کو شیطان داخل نہیں ہو سکے گا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ صرف سورۂ ملک اور آیۃ الکرسی پڑھتے رہو اور باقی قرآن چھوڑ دو۔

## نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھی عمومی طرز پر گزری ہے:

کافر جب قرآن پر اعتراض کرنے پر لاجواب ہو گئے تو کہنے لگے: وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ۔۔۔ اور کہتے ہیں یہ کیسے پیغمبر ہیں کہ کھانا کھاتے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں۔

کافروں نے اعتراض کیا کہ یہ کیسے رسول ہیں کہ ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں اور کاروبار کرتے ہیں۔ بازاروں میں خرید و فروخت کرتے ہیں اور اپنی روزی بھی کماتے ہیں پھر اللہ کے رسول بھی ہیں۔ دنیا میں بادشاہ کے وزیر کا کھانا بھی لوگوں سے الگ قسم کا ہوتا ہے انواع واقسام کے کھانے اس کے دستر خوان پر چنے جاتے ہیں اور اس کو بادشاہ کی طرف سے اتنی دولت ملتی ہے کہ اُسے تو روزگار کی فکر ہی نہیں رہتی۔ یہ

اگر اللہ کے رسول ہیں تو ہماری طرح کا کھانا کیوں کھا رہے ہیں، ان کے کھانے کا اہتمام تو اللہ کی طرف سے ہونا چاہیے تھا اور بڑے اعلیٰ کھانے ہوتے۔ اللہ کے رسول کو کاروبار کرنے کی بازاروں میں جانے کی ضرورت تو نہ ہوتی، اپنی روزی کمانے کی فکر نہیں ہونی چاہیے تھی۔

یہاں سے پتا چلتا ہے کہ زندگی گزارنے کے لیے روزی پیدا کرنا ضروری ہے اور اگر اللہ نے دین کا کام کرنے کی توفیق دی ہے تو اس کو ذریعۂ معاش نہ بنایا جائے۔ قرآن میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جب بات آتی ہے تو سب کے ساتھ یہ آیت آتی ہے کہ ہم تم سے کسی اجرت کا مطالبہ نہیں کرتے ہمارا اجر تو اللہ کے ذمے ہے۔ نبیؑ کی تبلیغ پر اجرت نہیں ہوتی تھی اور وہ گزر بسر کے لیے اپنا کاروبار یا کام کرتے تھے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی روزی کا اہتمام فرمایا، بکریاں بھی چرائیں، تجارتی سفر بھی کیے۔

کافروں کا یہ کہنا کہ اللہ کے رسول تو ہماری طرح ہی کھاتے پیتے ہیں اوڑھتے پہنتے ہیں روزی کما کر کھاتے ہیں تو اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ انبیاؑ الگ سے حلیے نہیں بناتے تھے۔ صوفیا کا بھی یہ ارشاد ہے کہ جو شخص تصوف کی راہ اختیار کرے ذکر اذکار کرنے لگ جائے تو اُسے حلیے نہیں بنانے چاہیے کہ کوئی چوغہ پہن لے یا گلے میں موتی پہن لے، سبز پگڑی باندھ لے بلکہ اُسے اپنا لباس اور طرزِ حیات عمومی رکھنا چاہیے۔ جیسا پہلے تھا ویسا ہی نظر آئے۔ ایک بات ضمناً بتا دی جائے کہ دین کے کام پر اجرت کے مسئلے پر فقہا نے یہ تشریح کی ہے کہ مساجد میں علما کو جو تنخواہ ملتی ہے وہ نماز پڑھنے کی نہیں ہوتی یا قرآن بیان کرنے کی نہیں ہے بلکہ اُن کا جو وقت لیا جاتا ہے، انہیں پابند کیا جاتا ہے اُس کی اجرت ہوتی ہے۔ صلوٰۃ تو خود اُن پر بھی فرض ہے۔

ہمارے ہاں برکت اس لیے بھی اُٹھ گئی کہ دین بیان کرنے والوں نے اس کی اجرت لینا شروع کر دی چنانچہ الفاظ و حروف میں جو برکت تھی وہ چلی گئی۔ لوگ وعظ سنتے ہیں اور باہر نکلتے ہی تقریر بھول جاتے ہیں کہ کیا سن کر آئے تھے، اُن کو کیا کرنے کا کہا گیا تھا یا کیا نہیں، اُن کو سب بھول چکا ہوتا ہے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کا نتیجہ گمراہی:

کافر یہ بھی کہتے ہیں کہ، لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں کیا گیا تو وہ اُن کے ساتھ رہ کر (انجامِ بد سے) ڈراتا۔

کافر کہتے ہیں کہ کسی بادشاہ کا درباری بھی آئے تو اس کے ساتھ بادشاہ کے پیادے ہوتے ہیں جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ شاہ کا درباری ہے لوگوں پر اس کا رعب طاری ہو جاتا ہے۔ یہ اگر اللہ کے رسول ہیں تو اللہ ان

کے ساتھ کوئی فرشتہ ہی مقرر کر دیتا جو لوگوں کو بتاتا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ یا پھر، اَوْ یُلْقٰۤی اِلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ یَّاْكُلُ مِنْهَا۔۔۔یا ان کے پاس (غیب سے) کوئی خزانہ آپڑتا یا ان کے لیے کوئی باغ ہوتا کہ اس میں سے کھایا کرتے۔

کافر کہتے کہ اللہ اپنے رسول کے لیے کوئی خزانے ہی اتار دیتا کہ ان کے پاس دولت کے انبار لگ جاتے جس طرح بادشاہ اپنے وزیروں مشیروں کو وظائف دیتے ہیں تو یہ بھی اس طرح ہو جاتے۔ یا ان کے لیے بڑے بڑے باغات ہوتے جہاں سے یہ کھاتے پیتے یعنی اس طرح بازاروں میں نہ پھرنا پڑتا اور عام لوگوں کی طرح نہ کھاتے پیتے۔ یہ کافر ایسے ظالم ہیں کہ: وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۞ اور یہ ظالم یوں کہتے ہیں کہ تم صرف ایک جادو زدہ شخص کی پیروی کر رہے ہو۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی عنایات دیکھیں کہ انسانوں کو اس دارِ دنیا کے کمرۂ امتحان میں ایک ایک سوال بتا رہے ہیں کہ اس طرح غلط ہے اور اس کا صحیح جواب یہ ہے۔ اس طریقے سے کرو گے تو کامیاب ہو جاؤ گے اور ان کفار کا کردار دیکھیں کہتے ہیں کہ اس پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے اور اس کے اثر سے یہ پاگل ہو گئے ہیں اسی لیے ایسی باتیں کر رہے ہیں۔

فرمایا: اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا ۞ دیکھیں! یہ آپ کے بارے میں کیسی باتیں کرتے ہیں۔ سو گمراہ ہو گئے ہیں راستہ نہیں پا سکتے۔

فرمایا، یہ بہت بڑے ظالم ہیں جو آپ پر یہ الزام لگاتے ہیں، اُنْظُرْ۔۔۔ذرا توجہ کیجیے خیال فرمایے كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ۔۔۔آپ کی شانِ اقدس میں یہ کس طرح کی گستاخیاں کرتے ہیں، کیسی مثالیں لاتے ہیں یہ آپ کو جادو زدہ بتا رہے کبھی کہتے ہیں ان کے ساتھ کوئی پہرے دار نہیں ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ ان کے پاس دولت نہیں ہے، بڑے بڑے باغات نہیں ہیں کہ یہ فکرِ معاش سے آزاد ہوتے۔ یہ ظالم لوگ کہتے ہیں کہ جب اس طرح کی کوئی چیز ان کے ساتھ نہیں ہے تو پھر شاید کسی نے ان پر جادو کر دیا ہے اور یہ خود کو نبی کہتے پھرتے ہیں سو ان کی بات نہ مانی جائے۔ فرمایا یہ جاہل تو منصبِ نبوت، اس کی عظمت اس کی نشانیوں اور دلائل تک سے بے بہرہ ہیں اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں کیسی گستاخی کرتے ہیں، کیا مثالیں دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گمراہ ہو چکے ہیں اور ایسے بھٹک گئے ہیں کہ انہیں اب سیدھا راستہ نہیں مل پاتا۔

## حاصل کلام:

حاصلِ کلام یہ ہے کہ اس عظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلّم نے اللہ کی طرف سے وہ علوم لاکر تقسیم کیے جو پوری زندگی کا نصاب ہیں۔ جنہیں اپنائے بغیر چارہ نہیں۔

یہ وہ بارگاہ ہے جہاں عشق و محبت بھی پابند ہیں اصولوں کے کہ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم چاہتے ہیں ویسے محبت کی جائے گی۔ یعنی ہم اپنی مرضی سے جیسے کرنا چاہیں تو یہ بات وہاں نہیں چلے گی کہ ڈھول بجا کر یا جلوس نکال کر اظہار محبت کریں۔ اور ایک ہم ہیں کہ ہم نے ڈھول باجے بجا کر جلوس نکال کر شور و غوغا کر کے کہا کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ولادت باسعادت منا کر محبت کا حق ادا کر دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ وہ تو پوری زندگی کا سودا کرتے ہیں، ایک ایک لمحے کا، ایک ایک لحظے کا ایک ایک حرکت و سکون کا، دماغ میں آنے والی ہر سوچ کا، دل میں اٹھنے والے ہر خیال کا محاسبہ کرتے ہیں اور اس کی ترتیب اور طریقۂ حیات ارشاد فرماتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں اس پر عمل کرو تو تم میرے ساتھ ہو نہیں، کروگے تو مجھ سے بچھڑ جاؤ گے۔

ہمیں دوسروں پر تنقید کرنے کی بجائے سب سے پہلے اپنی فکر کرنی چاہیے کہ میرا معاملہ میرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ کیا ہے، میں کتنی اطاعت کر رہا ہو؟ جہاں جہاں کوتاہی ہو رہی ہے وہاں اصلاح کریں اور اللہ کریم سے دعا کریں کہ توفیقِ عمل ارزاں فرمائیں۔

# سورۃ الفرقان رکوع 2 آیات 10 تا 20

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۣ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ﴿۱۱﴾ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ﴿۱۲﴾ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۴﴾ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا ﴿۱۵﴾ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ۭ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿۱۶﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَاۗءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَاۗءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾

وہ ذات بہت برکت والی ہے اگر وہ چاہے تو آپ کو اس سے بہتر چیزیں عطا فرما دے (یعنی) باغات جن کے تابع نہریں جاری ہوں نیز آپ کے لیے بہت سے محل بنا دے ﴿۱۰﴾ بلکہ یہ تو قیامت ہی کو جھٹلاتے ہیں اور ہم نے قیامت کو جھٹلانے والے کے لیے دوزخ تیار کر رکھی ہے ﴿۱۱﴾ جب وہ ان کو دور سے دیکھے گی (تو غضب ناک ہو رہی ہوگی اور) یہ لوگ (دُور سے) اس کا جوش اور چیخنا چلانا سنیں گے ﴿۱۲﴾ اور جب یہ اس (دوزخ) کی کسی تنگ جگہ میں (زنجیروں میں) جکڑے ہوئے ڈالے جائیں گے تو وہاں موت کو پکاریں گے ﴿۱۳﴾ (ان سے کہا جائے گا) آج ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو۔ ﴿۱۴﴾ فرمایے کہ کیا یہ (مصیبت کی حالت) اچھی ہے یا ہمیشہ رہنے کی جنت (بہت اچھی ہے) جس کا اللہ سے ڈرنے والوں سے وعدہ فرمایا گیا ہے کہ وہ ان کے لیے (ان کی اطاعت کا) صلہ ہے اور (آخری) ٹھکانہ ہے ﴿۱۵﴾ ان کو وہاں سب کچھ ملے گا جس کی وہ خواہش کریں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ ایک وعدہ ہے جو آپ کے پروردگار کے ذمہ ہے جو قابلِ درخواست ہے ﴿۱۶﴾ اور جس روز اللہ اُن کو اور جن کو یہ اللہ کے سوا پوجتے تھے، (سب کو) جمع فرمائیں گے۔ پھر (ان سے جن کو یہ پوجتے تھے) فرمائیں گے، کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ (خود ہی) گمراہ ہو گئے تھے؟ ﴿۱۷﴾ وہ عرض کریں گے آپ کی ذات پاک ہے ہماری کیا مجال تھی کہ ہم آپ کے سوا اور کارسازوں کو تجویز کرتے ولیکن آپ نے اُن کو اور اُن کے بڑوں کو (خوب) نعمتیں دیں یہاں تک کہ وہ (آپ کی) یاد (ذکر) بھول گئے اور یہ ہلاک ہونے والے تھے ﴿۱۸﴾ (تو ارشاد ہوگا) تمہارے ان معبودوں نے تو یقیناً تمہاری باتوں کو جھوٹا ٹھہرا دیا سو اب تم نہ تو خود (عذاب کو) ٹال سکتے ہو اور نہ (کسی دوسرے کی) مدد حاصل کر سکتے ہو اور جو شخص تم میں سے ظلم (شرک) کرے گا ہم اُس کو بڑے عذاب (کا مزہ) چکھائیں گے ﴿۱۹﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے اور

(لوگو!) ہم نے تم میں سے ایک کو دوسرے کے لیے آزمائش (کا ذریعہ) بنایا ہے کیا تم صبر کرو گے؟ (یعنی صبر کرنا چاہیے) اور آپ کا پروردگار خوب دیکھ رہا ہے ﴿۲۰﴾

# تفسیر و معارف

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا مزاج عالی، سادہ زندگی:

فرمایا: تَبٰرَكَ الَّذِیْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَیَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾ وہ ذات بہت برکت والی ہے اگر وہ چاہے تو آپ کو اس سے بہتر چیزیں عطا فرما دے (یعنی) باغات جن کے تابع نہریں جاری ہوں نیز آپ کے بہت سے محل بنا دے۔

وہ برکت والی ذات ہے اگر وہ چاہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیے ایسے باغات بنا دے جن کے تابع نہریں بہتی ہوں جن کے بارے مشرکین و کفار سوچ بھی نہیں سکتے اور ایسے محلات بنا دیتا جو ان کی سمجھ سے بالاتر ہوتے۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں تھی اُس ذاتِ کریم کے لیے جس نے ساری کائنات پیدا فرمائی، زمینوں اور آسمانوں، خشکی اور تری جہاں جو مخلوق بھی ہے وہ سب کا خالق ہے۔

دراصل نبیؑ کے لیے محلات کا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زندگی عوامی زندگی ہوتی ہے کہ تا کہ عام آدمی بھی ان سے مستفید ہو سکے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا مزاجِ عالی بھی یہی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم عام زندگی کو پسند فرماتے تھے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب کفار نے یہ اعتراض کیے تو اللہ کریم نے فرمایا کہ اے میرے حبیب! (صلی اللہ علیہ وسلّم) اگر آپ چاہیں تو میں ان پہاڑوں کو سونا بنا دوں اور یہ آپ کے ساتھ چلا کریں جہاں آپ تشریف لے جائیں وہاں سونے کے پہاڑ آپ کے ساتھ ہمرکاب چلا کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے عرض کی بارِ الٰہا میں ایک عام آدمی کی زندگی پسند کرتا ہوں اور آپ مجھے اسی طرح رہنے دیجیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی مبارک کا معیار بہت عام تھا بلکہ ایک عام آدمی سے بھی نیچے تھا۔ کبھی چند کھجوریں کھا کر دن بسر ہو گیا، کبھی صرف دودھ نوش فرما لیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک چاند طلوع ہوجاتا پھر وہ گزر جاتا، پھر دوسرا چاند طلوع ہوتا وہ بھی گزر جاتا اور ہمارے گھر پر آگ نہیں جلتی تھی یعنی دو دو ماہ چولہا نہیں جلتا تھا۔ لباسِ مبارک بھی بہت عام، سادہ ہوتا تھا گھر کے کام کاج میں بھی ہاتھ بٹا لیتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے قبول نہ فرمایا چنانچہ بظاہر تو پہاڑ سونا نہ بنے لیکن اُن سب پہاڑوں میں آج

سونا دریافت ہو رہا ہے۔ منشائے باری حکم کا درجہ رکھتا ہے یعنی جس چیز کا اللہ کریم ارادہ فرماتے ہیں وہ بھی ہو جاتی ہے۔ اب وہی پہاڑ ہیں جزیرہ نمائے عرب میں اور اُن سے سونا نکل رہا ہے، بعض میں کانیں لگائی گئی ہیں بعض کو محفوظ کر دیا گیا ہے۔

جب جزیرہ نمائے عرب اسلام کے زیرِ نگین آ گیا پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ویسی ہی سادہ تھی جیسے مکہ مکرمہ میں تھی۔

## مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ کا مفہوم:

اس خالق کائنات کے لیے کیا مشکل ہے جس نے سارے جہانوں کو تخلیق فرمایا، جس نے جنت کو ایسا اعلیٰ بنایا کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا نہ کسی کے ذہن میں ایسا خیال آ سکتا ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو دنیا میں بھی جنت جیسے باغات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بنا دیتا جن کے تحت نہریں ہوتیں۔ جنت کے باغات کی یہ خصوصیت ہے: تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ۔۔۔ نہریں اُن کے تابع بہتی ہیں۔ دنیا میں باغات نہروں کے تابع ہیں، جہاں نہر یا پانی پہنچتا ہے وہاں باغ لگائے جا سکتے ہیں لیکن جنت کے باغ ایسے ہیں کہ جہاں جنتی باغ لگائیں گے پانی وہاں پہنچے گا یہ پانی کی مجبوری ہے۔

## کفار کا اصل مسئلہ:

کفار کا اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ اللہ کے نبیؑ کے پاس اچھے محل اور باغات کیوں نہیں ہیں بلکہ ان کا مسئلہ یہ ہے کہ، بَلۡ کَذَّبُوۡا بِالسَّاعَةِ۔۔۔ یہ تو قیامت کو ہی جھٹلاتے ہیں۔

کفار کے اعتراضات توضمنی ہیں، بہانے بناتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ ان کے اندر قیامت کا انکار ہے۔ یہ قیامت کو، آخرت اور آخرت کے حساب کتاب کو جھٹلاتے ہیں اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اگر اُسے مانیں گے تو نبوت و رسالت کو بھی ماننا پڑے گا، اللہ کی کتاب کو بھی ماننا پڑے گا اور قیامت کے لیے کس طرح تیاری کرنی ہے یہ سارا تلاش کرنا پڑے گا۔ سو فرمایا کہ کفار کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر، رہائش وغیرہ پر اعتراض نہیں بلکہ یہ بہانے ہیں ان کا اصل مرض یہ ہے کہ یہ قیامت کو ہی نہیں مانتے، جھٹلا دیتے ہیں تکذیب کرتے ہیں۔

## قیامت کا یقین، ایک اہم عقیدہ:

آخرت کے حساب کتاب پر یقین ایسا لازمی عقیدہ ہے جو انسان کے کردار پر اس طرح اثر انداز ہوتا ہے جس سے اس کی زندگی کا رخ تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس آیۂ مبارکہ میں اس عقیدہ پر ایمان نہ لانے والوں کے کردار کی

نشاندہی کی گئی ہے۔ قرآن حکیم کی دوسری آیات میں اللہ کریم نے عقیدۂ آخرت کو مختلف پہلوؤں سے ارشاد فرمایا ہے۔ کہیں ارشاد ہوا: وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا (الحج:7) بے شک قیامت آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں یعنی یقیناً قیامت آنے والی ہے اور اس کے آنے میں ادنیٰ سے شبہ کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ ایسے ہی قرآن کریم کی صداقت کے بارے میں بھی فرمایا: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ۔۔۔ (البقرہ:2) یہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ ایک ایسی کتاب ہے جس کی حقانیت ہر قسم کے شک، وہم یا گمان کرنے سے بھی بالاتر ہے۔ فرمایا: وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (البقرہ:4) جو لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ پر نازل کی گئی اور جو آپ سے پہلے نازل کی گئی اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت کے ساتھ اللہ کی کتابوں پر ایمان رکھنا اور سب کو برحق ماننا اور قرآن کریم پر ایمان لے آنا۔ قیامت کا ذکر تو پہلی کتابوں میں بھی ہے تو قیامت پر ایمان تو لے آیا لیکن یہاں تاکید فرمائی جارہی ہے کہ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (البقرہ:4) یعنی آخرت کا یقین ہو، رسمی ایمان نہ ہو بلکہ یقین ہو کہ کل مجھے اللہ کے حضور پیش ہونا ہے اور وہاں کسی گواہ کی ضرورت نہیں، وہاں رشوت اور ناجائز سفارش نہیں چلے گی، وہاں انصاف ہوگا، حق ہوگا۔

یقین وہ درجہ ہے جو اس روز کی حاضری کے خوف سے گناہ سے روک دیتا ہے۔ جو قیامت کا انکار کردیتا ہے وہ تو کافر ہوگیا، شرک میں مبتلا ہوگیا اور اللہ کے غضب کا شکار ہوگیا لیکن جو مسلمان ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، رسالت و نبوت پر ایمان ہے، کتاب اللہ کی صداقت پر ایمان ہے، قیامت پر ایمان ہے، وہ گناہ کیوں کرتے ہیں؟ اگر ہم اپنے ماحول کا جائزہ لیں تو پتا چلتا ہے کہ جہاں بھی گناہ ہوتا ہے وہاں قیامت پر یقین میں کمی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جتنے بھی جرم کرتے ہیں، اگر گناہ سے باز نہیں آتے، حرام حلال کی پروا نہیں کرتے، رشوت اور سود سے باز نہیں آتے تو اس کا مطلب ہے کہ ہمیں قیامت کی جوابدہی کا یقین نہیں ہے، یقین میں کمی ہے۔ ہم مانتے تو ہیں، زبانی کہتے بھی ہیں لیکن یقین کے درجے میں نہیں۔

یقین دل کی کیفیت ہے، ایمان بھی قلبی کیفیت کا نام ہے محض زبانی اقرار کا نہیں۔ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَ تَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ، یعنی زبان اقرار کرلے اور دل اس کی تصدیق کرے۔ کسی کے پاس معیار نہیں ہے کہ وہ جانچے کہ دوسرے کا قلب تصدیق کر رہا ہے یا نہیں تو پھر یہ کیسے پتا چلتا ہے؟ جب انسان عمل کرتا ہے تو اس کا عمل اس کے ایمان کی دلیل بنتا ہے۔ اگر وہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت کرتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کا قلب قیامت کی تصدیق کر رہا ہے۔ جب ہم اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی نافرمانی کرتے ہیں تو یہ اس بات کی دلیل بن جاتی ہے کہ قیامت پر ہمارے یقین میں کمی ہے۔

یہ بات ہم دیکھتے ہیں کہ سردیاں آنے سے پہلے ہی ہم اس کی تیاری شروع کردیتے ہیں، گرم کپڑے

جمع کرتے ہیں، کھانے پینے کی اشیا جمع کرتے ہیں۔ اسی طرح گرمیاں آنے سے پہلے ہی ہر بندہ اہتمام میں لگا ہوتا ہے کہ گرمی آرہی ہے، لباس کیا ہوگا؟ اس لیے کہ ہمیں یقین ہے کہ گرمی بھی آئے گی اور سردی بھی اسی لیے اس کی تیاری کرتے ہیں۔

اگر قیامت کا بھی یقین ہو تو ہر فرد کسی کے کہے بغیر، خود تلاش کرے کہ کوئی اسے بتائے کہ کام کس طرح کرنا ہے۔ کیا جائز ہے، کیا ناجائز ہے، حلال حرام کیا ہے۔ یہ نہیں کہ بتانے والے زبردستی بتاتے پھرتے ہوں بلکہ ہر بندے کے اندر تجسس پیدا ہو جائے کیونکہ اسے فردِ قیامت جواب دینا ہے۔ ہر بات کرتے ہوئے یہ لحاظ ہو کہ یہ الفاظ جو منہ سے نکلیں گے کل قیامت کو پیش ہوں گے، رزق کمانے میں حلال کا اہتمام کریں جائز امور پر خرچ کریں تو اس سدھار کے پیچھے قیامت کا یقین کام کرتا ہے۔ قیامت پر یقین میں کمی ہم سے گناہ کراتی ہے، اور ایک سبب گناہ کا یہ بھی بن جاتا ہے جب ہمیں امید ہو کہ جرم کر کے میں چھوٹ جاؤں گا، رشوت دے کر یا سفارش سے تو یہ سوچ بھی گناہ کراتی ہے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ جو قیامت کو جھٹلا دیتے ہیں انکار کر دیتے ہیں: وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ﴿١١﴾ اور ہم نے قیامت کو جھٹلانے والے کے لیے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔

عذابِ الٰہی کا بہت بڑا سبب وہی ہے جو ارتکابِ گناہ کا سبب ہے یعنی قیامت پر یقین میں کمی۔ جب آخرت پر یقین ہی نہیں، جوابدہی کی امید نہیں اور یہ سمجھ لیا جائے کہ قیامت قائم نہیں ہوگی، آخرت میں کوئی نہیں پوچھے گا تو یہ سوچ کفار کو جرم پر مجبور کرتی ہے۔ یاد رہے کہ ان کی ذہنی فکر سے یا انکار سے ان کی سزا ختم نہیں ہو جائے گی۔ جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں اُن کے لیے ہم نے دوزخ تیار رکھی ہوئی ہے، دوزخ موجود ہے۔ دوزخ پیدا ہو چکی ہے اور وہ اتنی ہیبت ناک ہے کہ اس کے عذاب بہت شدید ہیں۔

## دوزخ میں داخل ہونے والوں کا حال:

فرمایا: اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ﴿١٢﴾ جب وہ ان کو دور سے دیکھے گی (تو غضبناک ہو رہی ہوگی اور) یہ لوگ (دور سے) اس کا جوش اور چیخنا چلانا سنیں گے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے، وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى (النّٰزعٰت: 36) اور دیکھنے والوں کے لیے دوزخ سامنے لائی جائے گی۔

قیامت کا انکار، اللہ کی عظمت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے انکار کا سبب بن رہا ہے لہٰذا یہ سارا وبال دوزخ کے عذاب کی صورت میں انہیں پیش آئے گا۔ جب دوزخ کو میدانِ حشر میں باہر سے دیکھیں گے پھر

دوزخ کھینچ کر لائی جائے گی تا کہ انکار کرنے والے دیکھ لیں کہ یہ دوزخ ہے اور وہ چنگھاڑ رہی ہوگی، جوش مار رہی ہوگی آگ بھڑک رہی ہوگی اور ہیبت ناک آوازیں نکل رہی ہوں گی تو اُن کا پتا پانی ہو جائے گا۔ تب انہیں یقین کرنا پڑے گا اور سمجھ آجائے گی کہ وہ کتنی بڑی غلطی پر تھے۔

فرمایا: وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾ اور جب یہ اس (دوزخ) کی کسی تنگ جگہ میں (زنجیروں میں) جکڑے ہوئے ڈالے جائیں گے تو وہاں موت کو پکاریں گے۔

قیامت کے منکرین میدانِ حشر میں دوزخ کی گھن گرج اور دھاڑ سن کر لرزیں گے مگر انہیں دوزخ ہی کی زنجیروں میں جکڑ کر گھسیٹ کر دوزخ کے دور دراز تاریک گوشوں میں پھینک دیا جائے گا۔ مفسرینِ کرام یہاں لکھتے ہیں کہ جتنا جتنا جس کا انکار ہوگا اتنا اتنا اُسے آگے جہنم میں لے جا کر پھینکا جائے گا کہ ہر ایک کے انکار کا ایک درجہ ہوتا ہے۔ کوئی سرے سے ہی منکر ہے کسی کو وہم گزرتا ہے کہ ہوگی شاید کوئی زبانی مانتا ہے عملاً نہیں مانتا۔ اسی درجے کے ساتھ جتنا انکار ہوگا اُتنا دوزخ کے دور دراز تنگ و تاریک گوشوں میں انہیں پھینکا جائے گا تو پھر وہاں وہ چلائیں گے شور کریں گے کہ اللہ ہمیں زندگی نہیں ہمیں موت ہی دے دے۔ وہاں موت کو پکاریں گے کہ اس جہنم کی زندگی سے بہتر ہے کہ موت انہیں فنا کر دے، مٹی میں ملا دے۔ ارشاد ہوگا: لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۴﴾ (ان سے کہا جائے گا) آج ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو ان کو حکم ہوگا کہ آج کے دن ایک موت کو نہیں بلکہ بہت سی موتوں کو آواز دو تب بھی یہاں موت آئے گی نہ ہی یہاں سے چھوٹ سکو گے۔ آج ایک نہیں سینکڑوں ہزاروں موتوں کو پکارو لیکن یہ محض تمہاری چیخ و پکار ہے اب تمہیں موت نہیں آئے گی زندہ رہنا پڑے گا اور یہ دوزخ بھگتنی پڑے گی۔

## لمحۂ فکریہ:

بندہ سوچے، اپنے کردار پر نظر ڈالے اور دیکھے کہ کیا میں موت کے لیے تیار ہوں، کیا آخرت کے محاسبے کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوں؟ قیامت کے لیے ہمیں زندگی سے ہٹ کر کوئی تیاری نہیں کرنی کہ دین دنیا سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ دین دنیا کی زندگی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کردہ طریقے پر بسر کرنے کا نام ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوۃ جو عبادات ہیں اُن کا حاصل بھی یہی ہے کہ عبادت کرنے سے دنیا کے کاموں کی اصلاح ہو جائے۔ ارشاد ہے، اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ ۔۔۔ (العنکبوت:45) یقیناً اللہ کی عبادت برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے۔ برائی اور بے حیائی تو دنیا کے کاموں میں ہوتی ہے گویا عبادات کا حاصل بھی یہ ہے کہ قلب میں ایک ایسا نورِ یقین پیدا ہو جائے کہ گناہ سے، اللہ کی نافرمانی سے ڈر لگے۔ انسان گناہ کرنے سے

بچے اور اگر غلطی ہو جائے تو فوراً رجوع الی اللہ کرے، توبہ کرے اور اس کی تلافی مافات کرے۔ صلوٰۃ رہ گئی ہے تو قضا کرے، کسی کا مال لے لیا ہے تو اُسے واپس کرے کسی کے ساتھ زیادتی کی ہے تو اس سے معافی مانگے اور تلافی بھی کرے۔ اللہ کریم سے توبہ بھی کرے، آئندہ نہ کرنے کا عدہ بھی کرے اور اس پر قائم رہنے کی توفیق بھی مانگے۔

## موازنہ کرنے کی دعوت:

فرمایا: قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا ﴿۱۵﴾

فرمایے کہ کیا یہ (مصیبت کی حالت) اچھی ہے یا ہمیشہ رہنے کی جنت (بہت اچھی ہے) جس کا اللہ سے ڈرنے والوں سے وعدہ فرمایا گیا ہے کہ وہ ان کے لیے (ان کی اطاعت کا) صلہ ہے اور (آخری) ٹھکانہ ہے۔

یہ متقی کون ہیں؟ وہ لوگ جو اپنی زندگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالی کے مطابق گزارتے ہیں، اطاعت الٰہی کو شعار بنا لیتے ہیں۔

تقویٰ کیا ہے؟ اللہ کریم سے ایک تعلق ہے جو اس کی نافرمانی سے روک دے، جیسا ہمارا ایک تعلق آپس میں ہوتا ہے والدین سے، اولاد سے، بھائی بہنوں سے ہوتا ہے جو اُن کی مرضی کے خلاف کام کرنے سے ہمیں روک دیتا ہے۔ ہم کوئی کام کرنے سے پہلے یہ سوچتے ہیں کہ اگر یہ کیا تو والدین خفا ہو جائیں گے یا بہن بھائی ناراض ہو جائیں گے تو ہم اس تعلق کو خراب نہیں کرنا چاہتے لہٰذا اس کام سے رک جاتے ہیں۔ یہ تعلق اگر اللہ کریم سے بن جائے کہ یہ کام کروں گا تو اللہ کریم ناراض ہو جائیں گے یا یہ بات منہ سے نکالوں گا تو اللہ کریم کو پسند نہیں آئے گی تو پھر ہر چیز پر ایک پابندی لگ جاتی ہے، اس تعلق کا نام تقویٰ ہے۔ متقین سے جنت کا وعدہ ہے اور یہ اہل جنت دنیا سے الگ نہیں رہتے بلکہ دنیا کے سارے کام کرتے ہیں۔ روزی کمانا، اولاد پالنا، والدین کی خدمت کرنا، معاشرے کے لیے، قوم کے لیے عالمِ انسانیت کے لیے بہتر فرد ہونا ہی تقویٰ ہے۔ یہ دنیا کی زندگی تو گنتی کے سانس ہیں کب تک چلے گی جبکہ آخرت ابدالاباد رہے گی تو پھر گناہ کر کے جہنم میں جانا بہتر ہے یا تقویٰ اختیار کر کے اللہ کی سدابہار جنت میں جانا بہتر ہے!

## جنت کی خصوصیت:

فرمایا: لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿۱۶﴾ ان کو وہاں سب کچھ ملے گا جس کی وہ خواہش کریں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ ایک وعدہ ہے جو آپ کے پروردگار کے ذمہ ہے جو قابلِ درخواست ہے۔ (قابلِ گزارش ہے)

اہلِ جنت کے لیے جنت میں ہر وہ نعمت موجود ہوگی جو وہ چاہیں گے۔ اس کی شرح میں علمائے کرام لکھتے ہیں کہ ایک جنتی کسی دوسرے جنتی کو دیکھے گا اور اُس کا لباس اُسے اچھا لگے گا پسند آئے گا تو اس کا اپنا لباس ویسا ہی ہو

جائے گا۔ جس نعمت کے بارے اُن کے دل میں خیال آئے گا، خواہش ہوگی وہ نعمت وہاں موجود ہوگی ۔ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے: لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ (ق:35) ان کو اس میں جو چاہیں گے ملے گا اور ہمارے پاس اور زیادہ بھی ہے۔

جو وہ چاہیں گے جنت میں پائیں گے اور پھر جنت کی نعمتوں میں جو اللہ کریم نے عطا کیا ہے وہ اللہ کریم کے پاس بے شمار ہے۔ اگر جنتی کھانا کھا رہے ہیں تو اس کا ہر لقمہ لذت میں پہلے لقمے سے بڑھا ہوا ہوگا۔ اسی طرح جب وہ پھل کھائے گا تو بہت لذیذ ہوگا کہ جنت کا پھل ہے لیکن اسی پھل کا ہر لقمہ پہلے سے لذیذ تر ہوتا جائے گا۔ یعنی جنت کی نعمتیں بڑھتی رہیں گی کہ اللہ کریم خالق ہے اور انسانی مزاج بھی اسی کی تخلیق ہے اس نے انسانی مزاج بنایا ہی ایسا ہے کہ دنیا میں وہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتا ہے۔ جو نعمتیں انسان کو دنیا میں میسر آجاتی ہے وہ مزید نعمتوں کا طلبگار ہو جاتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ پہلے سے بہتر چیز حاصل کرلے۔ انسانی مزاج ہے کہ دنیا میں ایک حال پر خوش نہیں رہتا خواہ اس کا حال کتنا بھی اچھا ہو وہ اُسے بدلنا چاہتا ہے۔ سو اللہ کریم نے جنت میں اس کا اہتمام کر دیا کہ کسی بندے کو اس حال پر نہ رکھا جائے اور اس کے لیے نعمتیں ہر آن بڑھتی رہیں۔ یہ اللہ کریم کا ایسا وعدہ ہے جس کے بارے میں مخلوق اللہ کریم سے درخواست بھی کر سکے گی کہ یا اللہ! یہ آپ کا وعدہ تھا لہٰذا مجھے یہ عطا فرمایئے۔ یہ حال اہلِ جنت کا ہوگا۔

## معبودانِ باطلہ سے اللہ کریم کا سوال:

فرمایا: وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾ اور جس روز اللہ اُن کو اور جن کو یہ اللہ کے سوا پوجتے، (سب کو) جمع فرمائیں گے۔ پھر (ان سے جن کو پوجتے تھے) فرمائیں گے کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ (خود ہی) گمراہ ہو گئے تھے۔

ہر بندہ دنیا میں کسی نہ کسی کی عبادت کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ عالی کے بعد دو ہی راستے ہیں کہ بندہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کرتا ہے اور اطاعت کرتا ہے یا پھر شیطان کی دعوت قبول کر کے اس کی راہ پر چلتا ہے۔ کچھ لوگ بت تراش لیتے ہیں اور کچھ انسانوں کو ہی بُت بنا لیتے ہیں۔ کوئی فرشتوں کی پوجا شروع کر دیتا ہے اور کوئی اللہ کے نیک بندوں کی اس طرح پوجا شروع کر دیتا ہے جس طرح اللہ کی کرنی چاہیے۔

اس روز اہلِ دوزخ کو جمع کیا جائے گا، آخرت کا انکار کرنے والے، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

پر ایمان نہ لانے والے، نافرمانی کرنے والے لوگوں کو جمع کیا جائے گا۔ ان کفار و مشرکین کے ساتھ اُن کے معبودانِ باطلہ کو بھی بلایا جائے گا خواہ وہ پتھر تھے، درخت تھے پہاڑ یا جانور تھے یا انبیاؑ تھے فرشتے یا اولیاء تھے۔ اُن سے پوچھا جائے گا کہ میرے ان بندوں کو تم لوگوں نے گمراہ کیا اور اپنی عبادت کی طرف بلایا یا یہ از خود گمراہ ہو گئے؟ یہ پوچھا جائے گا کہ میری اس مخلوق کو تم نے اپنی عبادت پر لگا دیا یا اس معاملے میں تم بے قصور ہو اور یہ خود راہ سے بھٹک گئے؟

وہ کہیں گے: قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ۔۔۔ وہ عرض کریں گے آپ کی ذات پاک ہے، ہماری کیا مجال تھی کہ ہم آپ کے سوا اور کارسازوں کو تجویز کرتے۔

وہ سب کہیں گے کہ اللہ آپ ہیں ہمیں یہ کب زیب دیتا تھا کہ ہم آپ کی عظمت کے سامنے انہیں اپنی پوجا کے لیے کہتے، یہ کیسے ممکن ہے۔ ہم تو تیرے سوا کسی کے بڑا ہونے کا، تصور ہی نہیں رکھتے ہم یہ کیسے کہہ سکتے تھے۔ پتھر کے بت بھی انکار کر دیں گے کہ یا اللہ! ہم تو بے جان پتھر تھے انہوں نے ہمیں خود ہی تراشا بنایا اور خود ہی سجدے کرنے لگ گئے۔ ہمارے تو علم میں یہ چیز نہیں ہے۔ بھلا ہم تیری عظمت کے سامنے کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر نیک بندے صلحا، فرشتے یا انبیاؑ ہوں گے تو وہ بجا طور پر کہیں گے کہ یا اللہ ہم نے تو ہر دم آپ کی اطاعت کی اور آپ ہی کی بات پہنچاتے رہے، یہ لوگ خود گمراہ ہوئے۔

## اللہ کا ذکر بھول جانا، گمراہی کا اصل سبب:

فرمایا: وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ۔۔۔ ولیکن آپ نے اُن کو اور اُن کے بڑوں کو (خوب) نعمتیں دیں یہاں تک کہ وہ (آپ کی) یاد (ذکر) بھول گئے۔ عرض کریں گے اے اللہ! آپ نے انہیں بہت رزق دیا بڑی نعمتیں دیں، انہیں زندگی دی، صحت دی، مال اور اولاد دی۔ انہیں حکومت و اقتدار دیا، اتنی نعمتیں دیں یہ اُن نعمتوں پر اکڑ گئے اور تیری یاد تو بھول ہی گئے۔ اے اللہ آپ نے خود ان پر احسان فرمایا انہیں زندگی کی سہولتیں عطا فرمائیں اور مَتَّعْتَهُمْ۔۔۔ انہیں دولتوں، نعمتوں، فرصت، اوقات اور صحت سے نواز کر انہیں پر یہ ذمہ داری بھی ڈال دی کہ چاہیں تو اطاعت کریں اور چاہیں تو کفر کر کے دیکھ لیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے: اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (الدھر: 3) بے شک ہم نے اسے راہ بھی دکھادی۔ چاہے تو شکر ادا کرے اور چاہے تو ناشکرا ہو۔ تو انہوں نے انکار کا راستہ اپنایا، آپ کی نعمتیں استعمال کرتے عمر بسر کرتے رہے لیکن آپ کی یاد بھول گئے۔ آپ کی عظمت انہیں یاد نہ رہی۔ جب آپ کی یاد ہی بھول گئے تو اطاعت کیا کرتے؟

دنیا کی زندگی میں کفار و مشرکین، بے دین اور بدکاروں کے پاس بھی نعمتیں ہیں، دولت ہے، اولاد ہے،

صحت ہے لیکن یہ سب ایک نظامِ حیات ہے۔ ان سب کا محاسبہ بھی ہوگا کہ جن نعمتوں سے استفادہ کررہے ہیں اُن کا حساب بھی دینا ہوگا۔ اگر اللہ نے اولاد دی ہے تو یہ دیکھا جائے گا کہ اس کی تربیت کیسی کی، اس کو حلال کھلایا یا حرام کھلا کر پرورش کی۔ اسی طرح اگر اللہ نے روزگار عطا کیا تو کیا کاروبار میں حرام حلال، جائز ناجائز میں تمیز رکھتا ہے۔ اللہ نے مال عطا کیا ہے تو اس پر زکوۃ ادا کرتا ہے، صدقات اور غربا کا حصہ رکھتا ہے یا نہیں۔ اقتدار دیا ہے تو مخلوق کے ساتھ انصاف کرتا ہے یا نہیں لیکن یہ ساری باتیں تو تب ہوتی ہے جب دل میں اللہ کی یاد ہو۔ یہ لوگ تو نَسُوا الذِّکْرَ۔۔۔ اللہ کا ذکر ہی بھول گئے، انہوں نے تو کبھی اللہ کا نام ہی نہیں لیا تھا۔ انہیں تو یاد ہی نہیں تھا کہ اللہ بھی ہے اور اس کی بارگاہ میں بھی جانا ہے۔ اس لیے فرمایا: وَكَانُوْا قَوْمًا بُوْرًا ⑱ اور یہ ہلاک ہونے والے تھے۔ یہ لوگ تو تھے ہی تباہ و برباد ہونے والے لوگ سو تباہ ہوگئے۔ ان کے پاس کچھ نہ بچا یہ اللہ کا نام بھی نہیں لیتے تھے تو اطاعت کیا کرتے۔

کافروں کا تو یہ حال ہوگیا کہ جن کی پوجا کرتے تھے انہوں نے بھی ردّ کر دیا تو اب ان کے بچنے کا کوئی راستہ ہی نہ رہا سو اُن سے کہا جائے گا: فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ۔۔۔ (تو ارشاد ہوگا) تمہارے ان معبودوں نے تو یقیناً تمہاری باتوں کو جھوٹا ٹھہرا دیا۔ کفار سے ارشاد ہوگا کہ اب بات کرو کہ جن بتوں کی تم پوجا کرتے تھے، جن پر تم دعوے رکھتے تھے اور جو تم نے خود گھڑ لیے تھے یا فرض کر لیے تھے آج تو وہ بھی سارے تمہارا دعویٰ جھٹلا گئے۔ تمہارے پاس عذاب سے بچنے کا کوئی بہانہ رہا نہ کوئی مددگار و معاون رہا۔ اب تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں نے گمراہ کر دیا تھا اس لیے کہ وہ سب تم سے لاتعلقی کا اعلان کر رہے ہیں۔ وہ بھی کہہ رہے ہیں کہ ہم نے انہیں گناہ پر یا برائی پر یا غیر اللہ کی عبادت پر آمادہ نہیں کیا تھا یہ سب ان کا اپنا کیا دھرا ہے۔ آپ نے انہیں نعمتیں دیں ان کے آباو اجداد کو نعمتیں دیں ان کی نسلیں موج کرتے گزر گئیں تو یہ آپ کو ہی بھول گئے، آپ کی یاد ان کے ذہنوں سے ہی نکل گئی۔ ارشاد ہوگا بھئی اب بتاؤ جن پر تمہیں بھروسہ تھا وہ تو تمہارے خلاف گواہی دے گئے اب تمہارے پاس نہ کوئی عذر ہے نہ کوئی تمہاری مدد کر سکتا ہے۔

فرمایا: فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ⑲ سو اب تم نہ تو خود (عذاب کو) ٹال سکتے ہو اور نہ (کسی دوسرے کی) مدد حاصل کر سکتے ہو اور جو شخص تم میں سے ظلم (شرک) کرے گا ہم اس کو بڑے عذاب (کا مزہ) چکھائیں گے۔

تم میں سے جتنوں نے ظلم کیا ہے اُن کو اب بڑے عذاب کا مزہ چکھنا پڑے گا۔ ظلم کا جواب بہت بڑا عذاب ہے۔ ظلم ہوتا ہے غلط کام کرنا جیسے عربی لغت میں لکھا ہے کہ ظلم یہ ہے کہ کسی چیز کو ایسی جگہ رکھنا جو اس کی جگہ نہیں ہے یعنی غلط مقام پر رکھنا۔ اسی لیے قرآن کریم میں شرک کو سب سے بڑا ظلم کہا گیا ہے۔ اللہ کی ذات یا اس

کی صفات میں کسی کو شریک ماننا سب سے بڑا ظلم ہے۔ ورنہ ہر گناہ ہر خطا ظلم ہے اس لیے کہ ہر کام جو غلط طور پر کیا جاتا ہے گناہ ہوتا ہے جبکہ صحیح کیا جائے تو نیکی ہے۔

## سابقہ انبیاؑ بھی عام انسانی زندگی گزارتے تھے:

کفار یہ جو باتیں بناتے ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) بازاروں میں آتے جاتے ہیں، ہماری طرح کھانا کھاتے ہیں پانی پیتے ہیں تو کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سے پہلے دنیا کی تاریخ موجود نہیں تھی؟ کیا پہلے انبیاؑ ورسل مبعوث نہیں ہوئے؟ کیا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرح عام انسانوں میں اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے نہیں تھے؟ کیا اُن کی اولاد نہیں تھی، بیویاں نہیں تھیں؟ فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ۔۔۔ اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ جتنے انبیاؑ ورسل بھیجے گئے سب عام انسانی زندگی گزارتے تھے اور عام انسان کی طرح زندگی کے حالات کا، موسموں کا، مشکلات، صحت بیماری، بھوک پیاس کا سامنا کرتے تھے، محسوس بھی کرتے تھے۔ سب کے گھر بار، والدین بیویاں بچے تھے۔ انبیاؑ کسبِ معاش بھی کرتے تھے رزقِ حلال کماتے تھے گھر والوں کو پالتے تھے اور سارے انسانی امور انجام دیتے تھے۔ اگر اُن کی زندگی فرشتوں کی طرح ہو تو ہر آدمی کہہ سکتا ہے کہ آپؑ تو فرشتے ہیں لہٰذا عبادت کر سکتے ہیں ہم سے نہیں ہو سکتی۔ انبیاؑ ورسل علیہم السلام کے ساتھ بھی وہ تمام مجبوریاں تھیں جتنی کسی عام انسان کو ہیں لیکن ان تمام مجبوریوں کے ساتھ انبیا ورسل علیہم السلام نے ایسی معیاری زندگی بسر کی جو دوسروں کے لیے تقلید کا سبب بن گئی۔ اسی انسانی زندگی میں دین ہے اور انبیا ورسل علیہم السلام یہی کام کرتے تھے کہ دنیوی زندگی دین کے مطابق اللہ کے حکم کے تابع جیتے تھے۔ دین تو نام ہی دنیوی کاموں کو اللہ اور اللہ کے حکم کے مطابق کرنے کا ہے۔

## نماز روزہ اس لیے ہے کہ اعمال کی اصلاح کرے:

جب ہم اجتماعی زندگی میں آتے ہیں، مل جل کر ایک معاشرہ تشکیل دیتے ہیں تو حقوق وفرائض کی حدود متعین کی جاتی ہیں اور اُن پر عمل کرایا جاتا ہے، اس سارے عمل کو سیاست کہتے ہیں۔ ایک بندے کا حق دوسرے کا فرض بن جاتا ہے۔ زندگی کس طرح بسر کرنی ہے، لین دین کیسے کرنا ہے کس کا کتنا حق بنتا ہے کس کا کتنا فرق بنتا ہے یہ سب دین میں مقرر ہے۔ اگر حقوق وفرائض کے توازن سے دین کو نکال دیا جائے یعنی سیاست کو دین سے الگ کر دیا جائے تو پھر

باقی کیا بچا؟ پھر دین صرف نماز روزے کا نام رہ گیا اعمال تو اس میں سے گئے اور نماز روزہ خود اس لیے ہے کہ اعمال کی اصلاح کرے۔ اگر اعمال ہی دین سے الگ ہو گئے تو پھر دین بچا نہ دنیا۔ عیسائی دنیا نے یہی کیا کہ کلیسا کو سیاست سے الگ کر دیا جس کے نتیجے میں اُن کے پاس دین نام کی چیز ہی ختم ہو گئی۔

آج کے نام نہاد دانشور یہ مشورہ دیتے ہیں کہ وطن عزیز کے مسائل کا حل یہ ہے کہ دین اور سیاست کو الگ کر دیا جائے تب ہی امن قائم ہو گا، خوشحالی ہو گی۔ حالانکہ حل یہ ہے کہ سیاست کو اپنی مرضی سے نہ کیا جائے، حقوق و فرائض خود نہ مقرر کریں بلکہ جو حقوق اللہ نے لوگوں کے مقرر کیے ہیں وہ انہیں دیں اور جو فرائض مقرر کیے ہیں وہ اُن سے پورے کروائیں۔ تب جا کر لوگ خوش حال ہوں گے اور امن قائم ہو گا۔ یہی سارے کام انبیاؑ و رسل کرتے تھے اور یہی کمال آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ہے کہ آپ وہ کرتے ہیں جو اللہ کریم کی منشا ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ہر عمل قابلِ اتباع ہو جاتا ہے۔

## دنیا میں انسان ایک دوسرے کے لیے آزمائش ہیں:

دنیا کے نظام میں یہ عجیب بات ہے، فرمایا: وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۔۔۔ (لوگو!) ہم نے تم میں سے ایک کو دوسرے کے لیے آزمائش (کا ذریعہ) بنایا ہے۔ دنیا میں ایسے افراد بھی ہوں گے جو ایمان سے محروم ہوں گے، ایسے بھی ہوں گے جن کا دعویٰ تو ایمان کا ہو گا لیکن اتباع سے محروم ہوں گے اور تمہارے اُن کے ساتھ معاملات بھی ہوں گے واسطہ بھی پڑے گا۔ کچھ رشتہ داروں میں ایسے ہوں گے، کچھ کاروباری شراکت داروں میں ہوں گے، کچھ جہاں مزدوری کرتے ہو ملازمت کرتے ہو وہاں ایسے لوگ ہوں گے۔ یہ ایک دوسرے کے لیے آزمائش کا سبب بن جاتے ہیں۔ لوگ تو ایک دوسرے کے لیے آزمائش ہیں کہ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو تمہیں گناہ پر مجبور کریں گے، ایسے بھی ہوں گے جو تمہیں رشوت لینے پر مجبور کریں گے، جو سود لینے کی ترغیب دیں گے۔ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو تم سے زیادتی کریں گے تو تمہیں کیا کرنا چاہیے؟

### صبر:

فرمایا: اَتَصْبِرُوْنَ ۔۔۔ کیا تم صبر کرو گے؟ (یعنی صبر کرنا چاہیے) ان حالات میں صبر کرنا چاہیے۔ صبر کا معنی عربی لغت میں یہ ہے کہ جیسے کوئی سوار سرپٹ گھوڑا دوڑا رہا ہے تو ایک دم سے لگام کھینچ کر اُسے زور سے روک لیتا ہے، یعنی بے لگام ہو کر دوڑتا نہیں بلکہ لگام سوار کے ہاتھ میں ہے جہاں روکے یہ رک جائے۔ صبر کا مطلب ہے کہ بندے کے منہ میں شریعت کی لگام ہو اور جہاں شریعت روکے وہاں وہ رک جائے۔ عام طور پر صبر کا یہ معنی ہمارے

ہاں کم ہی بتایا جاتا ہے بلکہ ہم سمجھتے ہیں کہ کسی کا بیٹا مر گیا یا مکان گر گیا اور وہ روئے یا چیخے چلائے نہ تو یہ صبر ہو گیا۔

فرمایا، لوگ تو ایک دوسرے کے لیے آزمائش ہیں تو کیا تم صبر کرو گے، اپنے آپ کو شریعت کی حدود پر روک لو گے؟ بس اگر تم صبر کر لو، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے رک جاؤ تو یہی دین ہے۔ایسی اطاعت ہی دین ہے۔

## حضورِ حق:

یہ بھی یاد رکھو، **وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿٢٠﴾** اور آپ کا پروردگار خوب دیکھ رہا ہے۔

یاد رکھو جو کچھ تم کرتے ہو تمہارا پروردگار خود ملاحظہ فرما رہا ہے، ہر چیز اس کے سامنے ہے۔ کراماً کاتبین بھی لکھتے ہیں، بدن کے اعضا گواہی دیں گے، جس زمین پر کام کرتے ہو اس زمین کے ذرّات، درخت جھاڑیاں ہوائیں فضائیں بھی گواہی دیں گی لیکن تمہارا پروردگار خود دیکھ رہا ہے۔

دنیا میں کوئی گناہ کرتا ہے، ملاوٹ کرنے لگتا ہے، چوری کرنے لگتا ہے تو اِدھر اُدھر دیکھتا ہے کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا؟ اگر کوئی بندہ اُسے دیکھ رہا ہو تو وہ جرم سے رک جاتا ہے، نہیں کرتا کہ کوئی دیکھ رہا ہے۔ فرمایا: **وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿٢٠﴾** تمہارا پیدا کرنے والا اور پالنے والا خود دیکھ رہا ہے تو اس بات کا بھی تو لحاظ رکھو کہ وہ ربِّ کریم ذاتی طور پر تمہیں دیکھ رہا ہے۔کوئی گناہ تم ربِّ کریم سے چھپ کر نہیں کر سکتے۔ یہ حضورِ حق نصیب ہو جائے تو سارے مسئلے حل ہو جاتے ہیں اور قرآنِ کریم نے جگہ جگہ اس کی تلقین فرمائی ہے۔ہم قرآنِ کریم کو مانتے ہیں، ایمان رکھتے ہیں تو پھر جو کچھ قرآنِ کریم فرماتا ہے اس پر ہمیں یقین بھی تو ہونا چاہیے۔یقین کا اظہار ہمارے کردار سے ہوتا ہے۔ہم جس بات کو مانتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں۔اللہ کریم ہمیں یہ نعمت عطا فرمائیں اور وہ ایمان عطا فرمائے جو ہمیں گناہ سے روک دے، عذاب سے بچنے کا سبب بنے اور اللہ کریم ہمیں آخرت کی تباہی سے محفوظ رکھیں۔

# بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی قرآن تفسیر

حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی

اردو تفسیر آڈیو، وڈیو اور لکھی ہوئی تینوں طرح کی دیکھیں، سنیں یا ڈاؤن لوڈ کریں۔

پنجابی تفسیر وڈیوز دیکھیں ڈاؤن لوڈ کریں۔ قرآن کا اردو ترجمہ اور کتابیں ڈاؤن لوڈ کریں۔

قرآنِ کریم کی تلاوت اور حضرت صاحب کا اردو ترجمہ آڈیو۔ کمپیوٹر اور موبائل پر سننے کے لیے ڈاؤن لوڈ کریں۔ حضرت جی کا کلام حمد اور نعتیں آڈیو وڈیو سنیں اور ڈاؤن لوڈ کریں۔

دلچسپ سوال جواب پر مشتمل ٹی وی پروگرام اَلمرشد کی تمام 125 اقساط کی وڈیوز دیکھیں

## www.QuranTafseer.net

## حضور نبی پاکؐ کے حضور آج بھی روحانی طور پر حاضری ممکن ہے اور ہزاروں مرد و خواتین یہ سعادت رکھتے ہیں۔ لیکن کیسے؟

تصوف تزکیہ روحانیت ، ذکر، روحانی سلسلہ، روح، کشف، بیعت ان تمام موضوعات کو سمجھنے کے لیے حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کے وڈیو بیانات اور کتابیں موجود۔

طریقہِ ذکر جس سے دل سے لے کر جسم کا ہر باڈی سیل اللہ اللہ ذکر کرنے لگ جائے۔

حضور نبی پاک ﷺ کے حضور روحانی طور پر حاضری کی سعادت۔

یہ سب کچھ سمجھنے کے لیے اور مکمل رہنمائی کے لیے ویب سائیٹ وزٹ کریں۔

اس پوسٹ کو زیادہ سے زیادہ شیئر کر کے آپ بھی اس نیک کام کا حصہ بنیں۔